

کتابخانه

کتابخانه

کتابخانه

Doq

Rase

Ran

Imran K

Services

عراق سیر

دار الشاه

S-D

325-

495-

180

داگیز

مکمل ناول ۱۰۰۰

روزنامه دانش

منظرہ کلیم ایم اے

**ط**

# چند باتیں

معزز قارئین!

سلام سنون! نیا ناول "ڈاگ ریز" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ڈاگ ریز اپنے نام کی طرح انتہائی منفرد پلاٹ پر مشتمل ایک ایسا ناول ہے جو یقیناً اردو جاسوسی ادب میں ایک شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔ دو عظیم ترین جاسوس یعنی احمق اعظم علی عمران اور ناقابل تسخیر کرنل فریدی ایک فارموسے کی خاطر اپنی تنظیموں سمیت پوری قوت سے ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں اور یہ کہانی ان دو عظیم جاسوسوں کے اس ٹکراؤ کی کہانی ہے جس کا تصور بھی روٹکھٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناول کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک سطر سپنس اور ایجنٹ کی انتہا پر پہنچے ہوئے ہیں۔ عمران کی ریڈی میڈ کھوپڑی اور کرنل فریدی کی بے پناہ ذہانت نے اس ناول میں ایسے گل کھلائے ہیں کہ قاری ہر سطر پر چونک پڑتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس جیسا شاہکار اردو جاسوسی ادب میں اس سے پہلے نہ کبھی لکھا گیا ہے اور نہ ہی شاید آئندہ کبھی لکھا جائے۔

علی عمران اور کرنل فریدی دونوں ایسے کردار ہیں جو اپنی اپنی جگہ پہاڑوں سے بھی زیادہ مٹھوس عظمتوں کے مالک ہیں اور قاری دونوں کرداروں سے یکساں محبت رکھتے ہیں مگر یہ تو ایک فطری اصول ہے کہ جب دو طاقتیں ٹکراتی ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو شکست قبول کرنی پڑتی ہے۔ ڈاگ ریز میں علی عمران اور کرنل فریدی کے ٹکراؤ کے بعد آخر کار کسے شکست قبول کرنی پڑے گی۔ علی عمران کو۔ جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پیدا ہی فتح حاصل کرنے کے لئے ہوا ہے۔ یا کرنل فریدی کو۔ جس کے مقابل اگر پہاڑ بھی راستہ چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ ناول ان دونوں کی

زندگی کے سب سے خوفناک تجربے پر مشتمل ہے۔ ایک ایسے تجربے پر جس سے زیادہ  
 بھیاںک اور اعصاب شکن تجربہ شاید ہی وقوع پذیر ہوا ہو۔  
 اس ناول کو پڑھنے کے بعد آپ یقیناً یہ بات کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ کڑا کریم  
 اردو جاسوسی ادب کا سب سے دلچسپ اور حیرت انگیز ناول ہے۔ ایک ایسا ناول  
 جو ناقابل فراموش ہے۔

تو لیجئے اس عظیم ناول کا مطالعہ شروع کیجئے۔ یقیناً اختتام تک پہنچتے پہنچتے  
 آپ بھی میرے ان دعووں کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

وَالسَّلَامُ

منظہر کلیم ایم اے

ایمان الیاس

Salman  
 0302 2798335

سیمان نے دروازہ کھولا تو وہ دو سفید ریش بزرگوں کو اپنے سامنے  
 دیکھ کر حیران رہ گیا۔ دونوں سیاہ شیر والی اور سفید کفنوی پاجامے میں ملبوس تھے۔ سر پر مل  
 کی چوگوشی ٹوپیاں تھیں۔

”فرمائیے“۔ سیمان نے ان کی بزرگی کا خیال کرتے ہوئے بڑے مودبانہ لہجے  
 میں پوچھا۔

”اما نور چشم طلوعہ صاحبزادہ علی عمران تشریف رکھتے ہیں کیا“۔؟ ان میں سے  
 ایک نے خالص کفنوی انداز میں پوچھا۔

”جی۔ صرف عمران صاحب تو اندر بیٹھے ہیں۔ مگر یہ صاحب جن کا آنا لمبا  
 نام آپ نے لیا ہے۔ یہ یہاں نہیں رہتے“۔ سیمان نے اپنی طرف سے پوری  
 وضاحت کر دی۔

”اما عجب احمق سے پالا پڑا ہے۔“ ہم بھی تو صاحبزادہ علی عمران کو ہی پوچھ رہے  
 ہیں۔ کوئی فارسی تو نہیں بول رہے۔“ وہی بزرگ جنہوں نے پہلا سوال کیا تھا  
 جھنجھلا کر بولے۔

”دروازے پر کون ہے سیمان“۔؟ اس سے پہلے کہ سیمان کوئی جواب دیتا  
 اندر سے عمران کی گرجدار آواز سنائی دی۔



آپ کے بزرگان دین ہیں۔ سلیمان نے گھبراہٹ میں نعرہ دیا۔

بزرگان دین کیا بتا ہے۔ آنے دو۔ جو بھی ہیں۔ بزرگان دین ہیں یا خورگان دین۔ آنے دو۔ عمران نے ہانک لگائی۔

تشریف لائیے جناب۔ سلیمان مودبانہ انداز میں ایک طرف ہٹ گیا اور پھر وہ دونوں بڑے تکلف سے چلتے ہوئے دروازے کے اندر داخل ہو گئے۔ سامنے ہی ڈرائنگ روم تھا۔

دونوں بزرگ جیسے ہی اندر داخل ہوئے۔ عمران جو سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کئے اپنی مخصوص ورزش میں مصروف تھا۔ بوکھلا کر سیدھا ہو گیا۔ اس کے جسم پر صرف ایک نیکر ہی تھی۔

فٹ۔ فٹ۔ فٹ۔ فرمائیے۔ آپ کو کیا تکلیف ہے۔؟ اوہ معاف کیجئے گا۔ آپ نے کیسے تکلیف کی۔؟ دراصل بات یہ ہے کہ دماغ میں خون زیادہ جمع ہو گیا ہے۔ اس لئے۔ بہر حال آپ تشریف رکھتے۔ عمران نے گھبراہٹ کی شاندار ادکاری کرتے ہوئے کہا۔ وہ بے بسی اور پرجیشنی سے ہاتھ مل رہا تھا۔

سلیمان۔ ارے سلیمان۔ عمران کی آواز میں اتنی گھبراہٹ تھی کہ سلیمان بے احتیاد جھکا جلا آیا۔

لگ۔ کیا بات ہے صاحب۔؟

ارے۔ یعنی تمہارے نزدیک کوئی بات ہی نہیں بھائی۔ بزرگان دین آتے ہیں ان کی خاطر مدارت کرو۔ شربت نہیں تو چائے تو پلو! ہی دو۔ یہ بھی کیا یاد کریں گے۔ میں ذرا جامہ دری۔ اوہ۔ معاف کیجئے گا جامہ زیبی کر آؤں۔ عمران نے کہا اور پھر غراب سے دوسرے کمرے میں غائب ہو گیا۔

دونوں بزرگ ہوتی بنے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

عجیب احمقوں سے پالا پڑا ہے۔ ان میں سے ایک نے منہ بناتے ہوئے

دوسرے سے کہا۔

ہاں تو بزرگان۔ آپ لوگ کیا پیئیں گے۔ چائے۔ شربت۔ خوں جگر

یا آب حیات۔ میرا مطلب ہے۔ سادہ پانی۔ سلیمان نے ان کا مفکد اڑاتے ہوئے کہا۔

تمیز سیکھو بزرگوار!۔ تمہیں کسی گدھے نے تمیز نہیں سکھائی۔ وہ

بزرگ سلیمان پر الٹ پڑے۔

میں تو کسی نے نہیں سکھائی۔ اب آپ سکھا دیجئے تاکہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ

تمہیں کسی گدھے نے تمیز نہیں سکھائی۔ سلیمان نے چوٹ کر دی۔

دونوں بزرگوں کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب

دیتے۔ سلمان نیاہ شیردانی اور سفیداننگا پا جامہ پہنے، سر پر ترکی ٹوپی جاتے کمرے

میں داخل ہوا۔ اس نے بڑے مودبانہ انداز میں جھک کر سات تسلیں بجالاتے ہوئے

بزرگوں کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

جیتے رہو۔ جگ جگ جیتو۔ خدا عمر و آرزو کرے۔ دو دھوں نہاؤ

پوتوں چلو۔ دونوں بزرگوں نے دعائی قصیدہ سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

بس بس۔ آج کے دن کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ زیادہ پوچھ مجھ سے

نہیں اٹھایا جاسکتا۔ کچھ ذرا دل کا کمزور واقع ہوا ہوں۔ عمران نے انہیں

ٹوکتے ہوئے کہا اور سلیمان جو حیرت سے آنکھیں چھارے انہیں دیکھ رہا تھا۔ مسکرا دیا۔

سلیمان چائے لے آ۔ عمران نے بڑی سنجیدگی سے سلیمان کو حکم دیا اور

سلیمان فوراً نو دو گیارہ ہو گیا۔

فرمائیے حضرت! — میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں —؟ کیونکہ بزرگوں کی خدمت کرنا میں ثواب دارین سمجھتا ہوں — یعنی نیکی کر دیا میں ڈال — اور اگر وہ نزدیک نہ ہو تو فلتس گٹر میں ڈال — اب دیکھیے نا — صرف ایک نیکی ڈالنے کے لئے کون بیس گین پٹول پیو تک کر دیا پر جائے — آپ جانتے ہیں کہ آجکل مہنگائی کا زمانہ ہے۔ ایک گین پٹول چرانے کے لئے دس پٹول پیپ جھاکنے پڑتے ہیں اور عمران کی زبان جو کافی دنوں سے کھلا رہی تھی۔ شٹل ہو گئی۔

”چرانے کے لئے“ —؟ دونوں بزرگوں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

جی ہاں! — اب سوچیے اگر پٹول چرایا نہ جائے تو گاڑی کیسے چلے —؟ اور اگر گاڑی نہ چلے تو کیرے صاحب وہ جو مشہور شاعر ہیں آپ جانتے ہی ہوں گے وہ جو ہر بات پر شعر کہہ دیتا ہے یعنی — چلتی گا نام گاڑی — اور دیکھ کیرا دیا وغیرہ وغیرہ — میرا مطلب ہے!

بس بس — میں آپ کا مطلب سمجھ گیا — اب آپ ذرا میرے سوالوں کا جواب دیجئے — ان میں سے ایک بزرگ نے اکتا کر ہاتھ کے اشارے سے عمران کو روک دیا۔

”ضرور ضرور — لیکن یہ بتائیے کہ آپ کون سے فلمی اخبار کے ناقدے ہیں اور کیا اس انٹرویو کے بعد مجھے فلم میں چانس مل جائے گا یا نہیں“ — عمران نے پوچھا۔

”ہم کسی اخبار کے رپورٹر نہیں بلکہ تمہارے اشتہار کے جواب میں حاضر ہوئے ہیں“ ان میں سے ایک بزرگ نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

”میرا اشتہار! —؟ اب حیران ہونے کی باری عمران کی تھی۔

”جی ہاں! — بزرگ نے کہا اور پھر حیرت سے ایک انجیل نکال کر اسے پھیلایا اور ایک اشتہار عمران کے سامنے کر دیا۔

عمران بڑے اشتیاق سے اشتہار پڑھنے لگا۔ جیسے جیسے وہ اشتہار پڑھتا جاتا اس کی آنکھیں حیرت کی شدت سے پھیلتی چلی گئیں اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ ہواؤں میں اڑ رہا ہو۔ اشتہار تھا

حیرت رشتہ

### ضرورت رشتہ

ایک غریب یافتہ ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی۔ (آکسن) پر دوش روزگار نوجوان جس کی روزانہ آمدنی اگر ہو جائے تو دس لاکھ روپے اور اگر نہ ہو تو ایک سو بیس بھی نہیں۔ کورشتے کی فوری ضرورت ہے روکی خوبصورت اور خوب ریت بالکل غیر تعلیم یافتہ جو ذات پات، جہیز وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں، اندھی ہو۔ کافی ہو۔ ٹولی ہو۔ لنگڑی ہو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، باورچی موجود ہے اس لئے خانہ داری بھی جاننے کی ضرورت نہیں۔ کنواری ہو، بیوہ ہو یا مطلقہ سب چل جائے گی۔ بس ایک شرط ہے کہ روکی ہو۔ تیسری صفت نہ ہو۔ فوراً ملے۔

علی عمران، ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی۔ (آکسن) فلیٹ نمبر ۱۱ کنگ روڈ۔

”ہوں! ترہ بات ہے“ — عمران نے اشتہار پڑھ کر ایک طویل سانس لی۔

”نواس رشتہ کے سلسلے میں آپ تشریف لائے ہیں“ — عمران نے پھٹی ہوئی آنکھوں کو دوبارہ اپنی اصل حالت پر لے آتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں! — میسر خیال میں پہلے تعارف ہو جائے تو بہتر ہے“ — ایک بزرگ نے تجویز پیش کی اور پھر تعارف ہی شروع کر دیا۔

”مجھ حقیر فقیر ناچیز کو حکیم عاشق علی دلشاد لکھنوی المعروف حکیم کلن کہتے ہیں“ — اور مجھ خاکسار — غم گسار — دل نگار کو تمنا لکھنوی المعروف پڑے مسیّر کہتے ہیں“ — دونوں بزرگوں نے اپنا اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

عمران جو بڑے مودبانہ انداز میں یہ دل پذیر تعارف سن رہا تھا۔ اپنی باری آتے ہی بولا۔

”تو صاحبو! — اب دل تمام کر بیٹھو کہ میری باری آئی — مجھ کو بے پیر — پرتقصیر بہیمان کو علی عثمان المعروف بندہ نادان کہتے ہیں“

اتنے میں سلیمان نے چائے کی ٹرے لاکر میز پر رکھ دی۔

”اور یہ ہے میرا باورچی — اس کو مورت حرام — عاشق ناکام — بندہ بے لگام سپاہی بے تشکر سلیمان المعروف کٹھنر کہتے ہیں“ — عمران نے سلیمان کا بھی مہذبانہ تعارف کرا دیا۔

”صاحب! — آپ میرا غلط تعارف کیوں کر رہے ہیں“ — سلیمان کو اپنا تعارف سن کر بے حد غصہ آیا۔

”تو اچھا تم اپنا تعارف خود کرا دو“ — عمران نے بے چارگی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”بس صاحب بس تعارف ہو چکا — اب آپ ہمارے چند سوالوں کا جواب دیں تو ہزار شکر یہ نوازش“ — ایک بزرگ نے ہاتھ اٹھا کر سلیمان کو چپ کرا دیا

جو اپنا تعارف کرانے کے لئے منہ کھول ہی رہا تھا۔

”اب میں کیا کر سکتا ہوں سلیمان! — تمہاری قسمت ہی خراب ہے“ — عمران نے جڑی بے چارگی سے سلیمان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا اور سلیمان منہ بنائے ہوئے واپس چلا گیا۔

”آپ کے بقول والد صاحب کی شغل کرتے ہیں“ — بے حکیم کلن نے پہلا سوال کرتے ہوئے کہا۔

”جو شغل ایک بڑھا آدمی کر سکتا ہے — یعنی وعظ و نصیحت — جدید نشین کے خلاف تقریریں — اپنے آباء اجداد کے قعیدے — نئی نسل کی بے راہروی کے مرتبے وغیرہ وغیرہ“ — عمران نے وضاحت سے جواب دیا۔

”یہ نلیٹ آپ کا اپنا ہے“ — بے پرلے میاں نے سوال کیا۔

”یہی تو رونا ہے — میں ہمیشہ سو پر نیاض کو کہتا رہتا ہوں کہ یہ نلیٹ فی سبیل اللہ میرے نام کر دو۔ تمہیں ثواب دارین حاصل ہو گا۔ لیکن اس کم بخت کے کان پر جو سن ہی نہیں سنی سکتی“ — عمران نے فیاض کی شکایت کر دی۔

”آپ نوکری کرتے ہیں“ — بے حکیم کلن نے پوچھا۔

”اجی نوکری تو ہمارے آباء اجداد کرتے آتے ہوں گے — خدا نخواستہ میں کیوں کروں — اپنا تو ایک پشت سے ہے پیشہ سپاہ گری“ — عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”آپ اکیسے رہتے ہیں“ —

”اجی کون کم بخت اکیلا رہتا ہے — یہ پیر لسمہ پاسلیمان عرف کٹھنر میاں جو میری جان سے چٹے ہوئے ہیں — یہ کوئی کم ہیں“ —

”دیکھتے بات یہ ہے کہ میری بیٹی باہ لقا بیگم بڑی قبول مورت — خوب سیرت —



خانہ داری میں ماہر ہے۔ اگر آپ اپنے بزرگوں سے ملا دیں تو ہمیں یہ رشتہ منظور ہے حکیم کلن نے کہا۔

"کیا آپ کی صاحبزادی سینا پرونا جانتی ہے؟" — "ہے عمران نے سوال کیا۔" — "تکیہ پردہ یہ شعر لکھتی ہے؟"

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو

تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

"جی ہاں! — جی ہاں! — ابھی کل ہی اس نے یہ شعر ایک تکیہ پر کاٹا ہے اور بڑے خوبصورت ہیل بوٹے بناتے ہیں صاحبزادی نے — ماشاء اللہ چیم پردہ حکیم کلن نے اپنی بیٹی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"ادریز پرش پر کونسا شعر کاڑھتی ہیں؟" — "ہے عمران نے ایک سوال کر دیا۔

۴ ہزار سال زگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چپس میں دیدہ و پریدا

حکیم کلن نے بڑے فخریہ انداز میں شعر سنایا۔ اور عمران نے ماہ لقا بیگم کے ذوق سلیم میں جھرمنا شروع کر دیا۔

ایک کمرے میں ٹیلیفون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ عمران نے ایک کرسی پر اٹھایا۔

"ہیلو بے پیر — پُرتقصیر — بچہ مان علی عمران — بندہ نادان بول رہا ہوں" — عمران نے بڑے مودبانہ انداز میں مقابل کو اپنا تعارف کر لیا۔

"عمران! — فوراً میری کوٹھی میں پہنچو — بہت اہم کام ہے — فوراً پہنچو مومٹ امپارٹمنٹ" — سلطان کی پریشانی سے مہر پور آواز آئی۔

"اجی سینے تو" — عمران ہنسا، مگر دوسری طرف سے سینور رکھا جا چکا تھا۔ اور عمران نے بھی جھنجھلا کر سینور رکھ دیا اور پھر زور سے چنچا۔

"سیمان — سیمان"

دوسری آواز پر سی سیمان کمرے میں داخل ہوا۔

"سنچالو اپنے بزرگان دین کو — میں تو چلا اور پھر اگر تجھ سے پوچھوں گا کہ تم نے استہار کیوں دیا تھا۔"

"اجی سینے تو صاحبزادہ صاحب" — حکیم کلن نے عمران کو مخاطب کرنا چاہا مگر عمران برق جیسی تیز رفتاری سے کمرے سے نکل گیا۔

"عجیب بدترین نوجوان ہے — یعنی کوئی احترام و عزت ہی نہیں بزرگوں کی" — حکیم کلن کا غصہ سے رنگ سرخ ہو گیا۔

"جی ہاں! — بالکل بدترین — ناہنجار — ناعلیف — شتر بے مہار میں صاحب! — سیمان نے اپنے تعارف کا بدلہ چکالیا۔

"چلو پرلے میاں چلیں — میں ایسے نوجوان سے اپنی ماہ لقا کی شادی کا تصور بھی نہیں سکتا" — حکیم کلن نے پرلے میاں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بجائے فرمایا آپ نے؟" — پرلے میاں نے بڑے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

بندے کے متعلق کیا خیال ہے حضور! — اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے کھانا کھا

آپ کی صاحبزادی کو — بس کچھ نہ پوچھیے انگلیاں پانتی رہ جائیں گی — یس آپ ہاں فرمائیے۔ باقی سب کام ٹھیک ہو جائے گا" — سیمان نے اپنے آپ کو امید داری میں پیش کرتے ہوئے کہا۔

"تم چپ رہو — اب حکیم کلن اتنا گیا گورا بھی نہیں کہ اپنی حور صفت بیٹی کو ایک



بادرچی سے بیاہ دے۔۔۔۔۔ حکیم کلن نے سیمان کو بڑی طرح ڈانٹ دیا۔ اور پھر دونوں بزرگ مرکز فلیٹ سے باہر نکل گئے۔

’خس کم جہاں پاک‘۔۔۔۔۔ سیمان نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

’آجاتے ہیں ماہ لقا کو لے کر۔۔۔۔۔ یہاں کئی ماہ لقا تیں میری جوتیاں چاٹتی پھرتی

ہیں۔۔۔۔۔ ہونہر‘۔۔۔۔۔ سیمان بڑبڑایا اور پھر بادرچی خانے کی طرف چل دیا۔ لیکن

اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اشتہار تو موڈ میں آکر دے بیٹھا مگر اب عمران سے جان بچانے

تو کس طرح۔۔۔۔۔؟

بہر حال کوئی نہ کوئی ترکیب لڑائی ہی پڑے گی۔



’حمید بات سنو‘۔۔۔۔۔ کرنل فریدی نے حمید کو آواز دی ہرشاک اسکن کا سوٹ

پینے عطر میں لسا بڑے رومانٹک موڈ میں انگریزی دھن بجاتا برآمد پار کر رہا تھا۔ فریدی

کی آواز سنکر وہ ٹھٹھکا۔ انگریزی دھن اس کے ہونٹوں میں دب کر رہ گئی۔ چہرے

پر ناگواری کی چند شکنیں پھیلیں۔ لیکن جلد ہی سمٹ گئیں۔ اس نے کندھے جھٹکے

اور پھر فریدی کی طرف مڑ گیا جو برآمد سے میں ایک آرام کرسی پر بیٹھا کسی ضخیم کتاب کے

مطالعے میں مگن تھا۔

’فرایتے۔۔۔۔۔؟ اس نے نزدیک جا کر بڑے مودبانہ لہجہ میں پوچھا۔

’بیٹھو‘۔۔۔۔۔ فریدی نے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

سپاٹ لہجہ میں کہا۔

اور حمید کو نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً بیٹھنا پڑا۔

’کہاں جارہے ہو‘۔۔۔۔۔؟ فریدی نے قد سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

’کیوں۔۔۔۔۔؟ کیا میکے آنے جلنے پر پابندی لگی ہوتی ہے‘۔۔۔۔۔؟ حمید

فریدی کے سوال پر چڑ گیا۔

’میرا خیال تو ایسا ہی ہے‘۔۔۔۔۔ فریدی مسکرا دیا۔ وہ دل ہی دل میں حمید کی

بہنی کیفیت سے محفوظ ہو رہا تھا۔

’آپ کا خیال قطعاً غلط ہے۔۔۔۔۔ میں آزاد ملک کا ایک آزاد شہری ہوں۔

مرد درفت میرا بنیادی حق ہے اور ملکی آئین کے مطابق مجھے اس بنیادی حق

کے استعمال سے کوئی نہیں روک سکتا‘۔۔۔۔۔ حمید نے ہاتھ بچاتے ہوئے پوری

تحریر کر دی۔

’لیکن تمہارے جملہ حقوق میرے پاس محفوظ ہیں‘۔۔۔۔۔ فریدی نے جواب دیا۔

’کیوں۔۔۔۔۔ کیا میں آپ کا شوہر ہوں‘۔۔۔۔۔؟ حمید نے چوٹ کی۔

’آپ۔۔۔۔۔ ابھی تک کسی لڑکی کا نام نہیں رکھا گیا۔ اس لئے تمہارا یہ

نقہ غلط ہے۔۔۔۔۔‘ فریدی نے جواب دیا۔

’جلو آپ نہ سہی۔ آپا سہی‘۔۔۔۔۔ حمید نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا۔

’اب اپنی آپا کا شوہر تو تم ہی بن سکتے ہو۔ میں اس بارے میں کیا کہہ

سکتا ہوں‘۔۔۔۔۔ فریدی نے ہنستے ہوئے کہا اور حمید کھٹ کر رہ گیا۔ وہ جلدی میں

لفظ بھی غلط کہہ گیا تھا۔

’آپ بات بتائیے۔۔۔۔۔ مجھے کیوں بلایا تھا۔۔۔۔۔ باقی باتیں چھوڑیں‘۔۔۔۔۔ حمید

نے جینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟ فریدی نے دوبارہ وہی سوال کیا۔

"لکی دیو میں" حمید نے سیدھا سیدھا جواب دینے میں ہی عافیت

"کوئی خاص پروگرام ہے" فریدی نے پوچھا۔

"صرف خاص ہی نہیں۔ بلکہ خاص الخاص" حمید نے خاص الخاص

زور دیتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں فریدی اسے کوئی اور کام

بتا دے۔

"تمہیں یہ پروگرام کیسے کرنا پڑے گا؟" فریدی نے کہا۔ وہی ہوا جس

حمید کو ڈر تھا۔

"جی! کیا کہا آپ نے؟" حمید یوں اچھلا جیسے اسے کسی سانپ

کاٹ لیا ہو۔

"میں بات کو دوبارہ کہنے کا عادی نہیں ہوں" فریدی نے سرد لہجے

جواب دیا۔

"مگر یہ ظلم ہے۔ جبر ہے۔ قبر ہے۔ اور میں اس ظلم کے خلاف ف

کروں گا۔ چیخوں گا۔ چلاؤں گا۔ گلا بھاڑ بھاڑ کر روؤں گا۔

چینا۔

"تم کچھ بھی نہیں کرو گے۔ بس تم میرے ساتھ چلو گے۔ میں کپڑے تبد

کر کے ابھی آتا ہوں" فریدی نے کہا اور پھر اٹھ کر اندر چلا گیا۔

حمید نے بے بسی سے سر ہٹ لیا۔ اب فریدی کے حکم کی خلاف ورزی کا تصور تو اس

کے فرشتے بھی نہیں کر سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد اس کے کانوں میں فریدی کے قدموں کی آواز آئی جو کپڑے تبدیل

کے واپس آ رہا تھا۔ اس نے سر اٹھایا۔

"اے خدا! اے زمین و آسمان کے مالک! کیا اس فرعون جیسے تو نے کرا فریدی

ہم کو رکھا ہے۔ کے لئے تو کوئی مؤلے پیدا نہیں سکتا۔ تاکہ مجھے اس کے

سے نجات مل سکے اور میں بھی آزاد فضا میں سانس لے سکوں" حمید نے فریدی

سنانے کے لئے خدا سے فریاد کی۔

"چلو کار میں بیٹھو۔ تمہاری یف ریڈ قبول ہونے کا ابھی وقت نہیں

فریدی نے اسے کان سے کپڑا کراٹھاتے ہوئے کہا۔

"چلتا ہوں بندہ نواز چلتا ہوں۔ آپ میل کان تو چھوڑیے۔" حمید

معصوم لہجے میں کہا۔

فریدی نے اس کا کان چھوڑ دیا۔

"اے خدا! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرا کان کسی پلاس کے شکنجے

میں لٹکا ہوا ہے۔ سیدھے کان ملتے ہوئے کہا اور پھر پورچ میں کھڑی کا کارڈوازہ

سول کر بیٹھ گیا۔

سیٹنگ پر فریدی تھا۔ کار آہستہ آہستہ ریٹنگی ہوئی کوٹھی سے باہر نکل گئی۔



عمران نے کار سلطان کے بنگلے کے پورچ میں روکی اور پھر اتر کر اندر کی طرف

بڑھ گیا۔

ڈرائنگ روم کا پردہ اٹھا کر عمران اندر داخل ہوا تو ٹھٹک کر رہ گیا۔ سلطان  
پریشانی کے عالم میں اپنا سر کپڑے بیٹھے تھے۔  
"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" — عمران نے سلام کرنے میں کسی نجی

کام نہیں لیا۔

"وعلیکم السلام" آؤ بیٹو! — سلطان نے سراٹھا کر جواب دیا۔ ان  
چہرے پر پریشانی منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔

"کیا بات ہے — نصیب دشمنانِ دین کچھ طبیعتِ ناساز معلوم ہوتی ہے۔"  
عمران پر ابھی تک کھنکھنسی انداز کا اثر تھا۔

"نہیں طبیعت تو ٹھیک ہے مگر — سلطان نے رک رک کر کہا۔  
"تو میرے نصیب دوستاں ہی میں کچھ خرابی رہ گئی ہوگی" — عمران نے اپنی  
اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سچیدگی اختیار کرو عمران! — میں بہت سنت پریشان ہوں۔"  
نے قد سے بیزار ہوتے ہوئے کہا۔

"تو آپ کا کیا خیال ہے کہ سنجیدہ ہو کر میں بھی پریشانی کے ساگر میں غوطے لگانا  
کردوں" — عمران کا لہجہ بدستور مضحکہ خیز تھا۔

"کیا تمہیں میسر ہی پریشانی کا کوئی احساں نہیں؟ — سلطان کے  
میں بے پناہ شکوہ تھا۔

"آپ کے لئے تو میں آسمان سے تارے تو نہیں توڑ سکتا۔ البتہ زمین سے  
سکتا ہوں — خون کی جگہ لیسینہ بہا سکتا ہوں — آپ حکم نو دیجئے پھر دیکھ  
کیا کرتا ہے" — عمران نے جواب دیا۔

سلطان خاموش بیٹھے رہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور ان کی حالت دیکھ  
ان کو مجبوراً سنجیدہ ہونا پڑا۔

"کیا بات ہے — آپ کیوں اتنے پریشان ہیں؟ — عمران نے  
اپنی سنجیدگی سے سوال کیا۔

سلطان نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی۔ عمران کو سنجیدہ دیکھ کر ان کی  
بھی پریشانی غائب ہو گئی۔

"ان بیٹے غضب ہو گیا ہے — تم جانتے ہو وہ پروفیسر ڈاکٹر رینالڈ جو ہماری  
حکومت کے لئے ایک اہم تجربہ کر رہا تھا" — سلطان نے تہیہ شروع کی۔

"ہاں — ہاں — اچھی طرح جانتا ہوں — وہ جرمن سائنسدان جس نے مشرقی  
زمین سے بھاگ کر مارے ملک میں پناہ لی تھی — تو کیا ہوا اُسے؟ — کیا  
ہو گیا ہے؟ — عمران نے جواب دیا۔

"اگر مر جاتا تو اتنا دکھ نہ ہوتا — وہ کم نجات اس نادولے کو جس پر وہ تجربات کر  
رہا تھا اور جس پر ہماری حکومت کا تقریباً دو کروڑ روپیہ خرچہ آچکا ہے لیکر ہمسایہ

ملک فرار ہو گیا ہے" — سلطان نے بتلایا۔

"آپ کو کب اطلاع ملی ہے؟ — عمران اب قطعاً سنجیدہ تھا۔

"کل اطلاع ملی تھی — آج صبح صدر مملکت نے اس صورت حال پر مینگ طلب  
کی۔ وہاں میں نے سب کو یقین دلایا کہ ایکسٹرا اس ناموے کو واپس لے  
آتے گا۔ لیکن اب" — سلطان بولے۔

"کون سے ملک گیا ہے؟ — عمران نے پوچھا۔

"ہمسایہ ملک ساگالینڈ" — سلطان نے جواب دیا۔

"تو اس میں پریشانی کی کونسی بات ہے — ساگالینڈ ہمارا بہترین دوست



تو آسانی کو اس کر سکتی ہے ان کو کئی رکاوٹ نہیں ہوتی — لیکن کوئی  
 ہے۔ وہ اسے فارمولے کو واپس کر دے گا۔ — عمران نے سادہ سادہ  
 ہوئے کہا۔

”یہی تو پریشانی کی بات ہے۔ — سفارتی طور پر ان سے مطالبہ کیا گیا تھا  
 ساگا لینڈ کی حکومت نے پروفیسر فارمولے کو واپس دینے سے صاف انکار دیا۔

وہ اس پروفیسر کو پناہ دے چکے ہیں اور اس فارمولے کو انہوں نے ایک کروڑ  
 میں خرید لیا ہے۔“

”کیا وہ فارمولا اتنا اہم ہے۔ —؟“ عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ  
 ہوئے کہا۔

”ہاں۔ — بہت ہی زیادہ اہم۔ —“ سر سلطان نے بتلایا۔  
 ”کیا میں اس فارمولے کی تفصیلات سے آگاہ ہو سکتا ہوں۔ —؟“ عمران  
 سوال کیا۔

”کیا یہ ضروری ہے۔ —؟“ سر سلطان نے پچھتے ہوئے پوچھا۔

”بہت ضروری۔ — میں اس کی صحیح اہمیت سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔“  
 عمران نے بڑے پروتار انداز میں جواب دیا۔

”تو ٹھیک ہے۔ — میں مختصر طور پر بتا دیتا ہوں۔ — جی ریز کا فارمولا ہے جسے

سرکاری طور پر ڈاکٹریز کا نام دیا گیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹریز کے نام پر۔ پروفیسر  
 نے ان ریز کو دریافت کیا ہے۔ ان شعاعوں کی خاصیت یہ ہے کہ انہیں حسب منشاء

سیکڑا اور پھیلا جاسکتا ہے۔ یعنی جتنے رتبے پر آپ چاہیں اسے پھیلا جاسکتا ہے  
 اور جب چاہیں ان شعاعوں کے اثرات ختم کئے جاسکتے ہیں۔ اب ان شعاعوں کی  
 خصوصیت یہ ہے کہ جس رقبہ پر یہ شعاعیں پھیلا دی جائیں اس علاقے کو وہ شعاعیں  
 چھتری کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں۔ ان میں سے ہوا — سورج کی شعاعیں — بارش



کر ڈریں وہ نارمولا غریب لیا۔ سرسلطان نے بتلایا۔

”کیا وہ نارمولا پوری طرح مکمل ہو چکا تھا؟“ — عمران نے پوچھا۔

یہ سنہیں کہا جاسکتا — سرکاری طور پر جو رپورٹ پرڈیفسر سے ملی تھی

تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نارمولا ابھی نامکمل ہے — ویسے خدا بہتر جانتا ہے کہ

ہو چکا ہے یا نہیں۔ سرسلطان نے جواب دیا۔

ہوں — ٹھیک ہے — میں کوشش کروں گا کہ نارمولا واپس اپنے

لے آسکوں۔ عمران نے اطمینان سے کہہ دیا۔

”تو میں بے فکر ہو جاؤں اور صد مملکت کو رپورٹ دے دوں۔“

نئے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

”یاں۔ بیشک دیدیں۔ میں اپنی پوری کوشش کر دوں گا۔“ — عمران نے

دیا اور پھر سرسلطان سے ہاتھ ملا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر اس کی کا

ہوئی سرسلطان کے سلگنے سے باہر نکل آئی۔ اس کے چہرے پر غور و فکر کی بیشمار

اُشد آتی تھیں۔ معاملہ واقعی بے نہاں تھا اس لئے وہ آئندہ کسے لئے لاتن

ایکشن سوچ رہا تھا۔



کار کا کافی تیزی سے بھاگ رہی تھی۔

آخر یہ بیٹھے بیٹھے آپ پر کیا جنون سوار ہوا کہ کار نکالی اور چل پڑے۔

مید نے جو کافی دیر سے خاموش تھا۔ مزید خاموش نہ رہ سکا۔

”بس خاموش — دیکھتے جاؤ — زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔“

فریدی نے اسے ڈانٹ دیا۔

یعنی ایک تو میرے بہترین پروگرام کا استیفاء کر دیا۔ اب الٹا ڈانٹ بھی

رہے ہیں — یعنی بقول معتمدی

یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروز عید قربان

وہی ذبح بھی کرے۔ جسے وہی لے ثواب الٹا

حمید نے بڑا سا منہ پٹا تے ہوئے کہا۔

”ابعد عید قربان بڑی دور ہے۔ اس لئے بے فکر ہو۔ ابھی سے

فکر نہ کیا تو عید تک وہ بلے ہو جاؤ گے۔“ — فریدی نے جواب دیا۔

”ہوں تو یہ پروگرام ہے۔“ — حمید نے کہا — لیکن — مگر اب اس نے

ایسا منہ بند کرنا ہی مناسب سمجھا کیونکہ یہ کار فرما جبر کی کو مٹھئی کے چھانک پر رک

چکی تھی۔

کو مٹھئی کے چھانک پر موجود باوردی فوجی آگے بڑھ کر فریدی کے قریب آیا۔

”کار ڈسٹر۔“ اس نے بڑے موزانہ لہجے میں پوچھا۔ اور فریدی نے خاموشی

سے ایک کارڈ جیب سے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

فوجی نے ایک لمحہ کے لئے کارڈ دیکھا اور پھر بڑی پھرتی سے اسٹیشن ہیکر

سیلوٹ مار دیا۔ پھر وہ پھانک کی چھوٹی کھڑکی کھول کر اندر چلا گیا۔ تقریباً ایک منٹ

بعد پھانک کھل گیا اور وہی فوجی باہر آیا۔

”آپ اندر تشریف لے جاتے سر۔“ اس نے بے حد موزانہ لہجے میں کہا اور

فریدی کی کار رینگتی ہوئی اس دبیغ و غریف کو مٹی میں داخل ہو گئی۔ کو مٹی کے اندر پوری گارد حفاظتی فرائض انجام دے رہی تھی۔ فریدی کی کار پورچ میں جا کر رک گئی۔

وہ دونوں کار کے دروازے کھول کر باہر نکل آئے۔ کیپٹن حمید ماحول کو دیکھ کر بے حد سنجیدہ ہو گیا۔ پورچ میں ہی ایک باوردی کیپٹن موجود تھا۔ اس نے کرنل فریدی کو سیلوٹ کیا اور کہا۔

”سر۔ وزیر خارجہ آپ کا ڈیوٹینگ روم میں انتظار فرما رہے ہیں۔ ادھر تشریف لے آئیے۔“ اس تہ ایک کمرے کے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید اس کمرے کی طرف چل پڑے۔ دروازے پر بڑا ہوا ریشمی پردہ ہٹا کر دونوں اندر داخل ہوئے۔ سامنے ادھیڑ عمر وزیر خارجہ ایک غیر ملکی کیسا تختہ بیٹھ گشتاؤں میں مصروف تھے۔

کرنل فریدی اور حمید دونوں نے وزیر خارجہ کو سلام کیا۔

”آئیے کرنل تشریف لے آئیے۔“ وزیر خارجہ نے اٹھ کر فریدی سے ہاتھ ملایا۔ اور پھر حمید سے بھی ہاتھ ملا دیا۔

”ان سے ملو کرنل!۔۔۔ یہ ہمارے نئے دوست پروفیسر ڈاکٹر رینالڈ ہیں۔ مشہور سائنسدان۔“ وزیر خارجہ نے غیر ملکی کا تعارف کرایا۔

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید نے پروفیسر سے ہاتھ ملایا۔ چند رسمی جملے کہے اور پھر سب آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔

”یہ شام آپ کے ساتھی کیپٹن حمید ہیں۔“ وزیر خارجہ نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ کرنل فریدی نے مختصر جواب دیا۔

”پروفیسر!۔۔۔ یہ ہمارے ملک کے مایہ ناز جاسوس کرنل فریدی اور یہ ان کے ساتھی کیپٹن حمید ہیں۔“ وزیر خارجہ نے مکمل طور پر تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”ان کا شہر تو بڑی مدت سے سن رہا تھا۔ آج خوش قسمتی سے ملاقات بھی ہو گئی۔“ غیر ملکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”فرمائیے جناب!۔۔۔ مجھے کیسے یاد فرمایا۔“ کرنل فریدی نے رسمی جملوں سے انکار کر مطلب کی بات کی طرف آتے ہوئے کہا۔

”بھئی پہلے چائے پی لو۔ پھر اطمینان سے بتاؤں گا۔“ وزیر خارجہ نے ملازم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو چائے کی ٹرالی کھینچتا ہوا اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس نے چائے کی پیالیاں تیار کر کے سب کے سامنے رکھیں اور پھر بڑی خاموشی سے ٹرالی سے کباب ہر چلا گیا۔

ملازم کے جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ سب لوگ پائے پینے میں مصروف ہو گئے۔ اور پھر چائے ختم ہونے پر وزیر خارجہ نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔

”ہاں تو کرنل!۔۔۔ وہ بات جس کے لئے آپ کو بلا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے دوست پروفیسر ڈاکٹر رینالڈ مشرقی جرمنی کے رہنے والے ہیں۔ وہاں حکومت کے دہرازدہ افراد سے ان کے اختلاف ہو گئے۔ چونکہ مشرقی جرمنی ایک کمیونسٹ ملک ہے اس لئے حکومت سے اختلافات کا مطلب تھا۔ موت۔ چنانچہ وہاں سے فرار ہو کر ہمارے ہمایہ ملک پاکستان آ گئے اور وہاں انہوں نے پناہ لی۔ وہاں آ کر انہوں نے ایک فارموسے پر ریسرچ شروع کر دی۔ یہ فارمولا شعاعوں سے متعلق ہے اور چونکہ وہ شعاعیں انہوں نے دریافت کی تھیں اس لئے ان کے نام پر ان شعاعوں کا نام ڈاکٹر رینر رکھا گیا۔ یہ شعاعیں ایک اہم دفاعی ہتھیار ہیں۔“ اور پھر وزیر خارجہ

نے مختصر ان شاعروں کی خاصیت بتائی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ شعاعیں کسی بھی ملک کے لئے نعمت غیر مترقب ہوتی ہیں۔ وہاں وزارت و فراع کے چند اہم آفیروں سے ان کے نظریاتی اختلافات ہو گئے۔ پھر انہوں نے اس فارمولے کا معاوضہ طلب کیا جو پاکیشیا کی حکومت نے دیئے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ یہ فارمولے سمیت وہاں سے منسحاب ہو کر ہمارے پاس آ گئے۔ ہمارے ملک سے انہیں پناہ دے دی جاتی ہے اور فارمولے کا ایک کروڑ بیس سو ارب ملین کر لیا ہے۔ فارمولا بنیاد پر غیر مکمل ہے اس لئے انہیں مزید تجربات کے لئے پوری سہولتیں میں فراہم کی جاتیں گی۔

پاکیشیا نے ان کی اور فارمولے کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن یہ فارمولا ہمارے دفاع کے لئے اتنا اہم ہے کہ ہم نے ان کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا ہے اور پھر ہم اس فارمولے کو سودا کر چکے ہیں اس لئے اس فارمولے پر ہمارا حق ہے۔ میں نے فارمولے پر مزید تجربات کے لئے کامیابی کی پہاڑی کے نیچے بنی ہوئی تجربہ گاہ کا انتخاب کیا ہے کیونکہ ایک تو وہ ہر قسم کے جدید ساز و سامان سے لیس ہے اور دوسرا محفوظ ترین ہے۔ لیبارٹری کا پروفیسر صاحب معائنہ کر چکے ہیں۔ انہوں نے میسٹر انتخاب کی داو دی ہے۔ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم نے ہر قیمت پر اس لیبارٹری اور پروفیسر صاحب کی حفاظت کرنی ہے کیونکہ مجھے پورا یقین ہے کہ پاکیشیا فارمولے اور پروفیسر کو حاصل کرنے کے لئے اپنے جاسوس ضرور بھیجے گا۔ اس لئے تمہیں یہاں بلا یا ہے کہ تم پروفیسر سے مل جی لو اور فارمولے کی اہمیت کا بھی تمہیں اندازہ ہو جائے۔ وزیر خارجہ نے تفصیل سے تمام صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہے۔ پروفیسر صاحب! آپ بے فکر ہو کر کام کریں۔ انشا اللہ آپ

کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ کرنل فریدی نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

ٹھیک ہے پروفیسر! آپ بے فکر رہیں۔ کرنل فریدی جو کہتا ہے وہ مرکزِ تباہی ہے۔ وزیر خارجہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مجھے خوشی ہے۔ اب میں اطمینان سے فارمولا مکمل کر سکتا ہوں۔ پروفیسر ڈاکٹر رینالڈ نے جواب دیا۔

اچھا مجھے اجازت دیجئے۔ میں نے انتظامات بھی کرنے ہیں۔ کرنل فریدی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

کیپٹن حمید بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

چلو۔ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔ پروفیسر! ایک منٹ کے لئے اجازت دیجئے۔ وزیر خارجہ نے پروفیسر سے اجازت لیتے ہوئے کہا۔

ضرور ضرور۔ بڑی خوشی سے۔ پروفیسر نے خوش اخلاقی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

وزیر خارجہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکلا آئے۔ باہر آکر وہ فریدی سے مخاطب ہوئے۔

کرنل! لیبارٹری اور پروفیسر کی حفاظت کے ساتھ ساتھ آپ نے ایسے انتظامات بھی کرنے ہیں کہ پروفیسر کسی اور ملک میں نہ جھاگ سکے۔ کیونکہ ایسے آدمی پر مکمل بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ وزیر خارجہ نے کہا۔

آپ بے فکر رہیں۔ یہ پہلو پہلے ہی میری نظر میں ہے۔ کرنل فریدی نے جواب دے لہجے میں کہا۔

اچھا۔ گڈ بائی۔ وزیر خارجہ نے کہا اور پھر واپس کمرے میں چلے گئے۔



رک گئی۔

”اندر لے چلو۔“ — عمران نے کہا۔ اور ٹیکسی کھلے ہوئے پھاٹک کے اندر رینگ گئی۔

پورچ میں پہنچ کر عمران نیچے اتر آیا۔ اور پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک نوٹ ٹیکسی ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیا اور خود موٹر کار برآمد سے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

ٹیکسی کی آواز سن کر ایک ملازم کو کھٹی کے برآمدے میں آگیا۔  
”فرمائیے جناب!“ — اس نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

”فرماتے ہیں بھائی فرماتے ہیں — تم کہیں بھاگے جا رہے ہو نہ میں — اطمینان سے فرمائیے گے — جلدی کا ہے کی ہے“ — عمران کی حسبِ عادت زبان چل پڑی۔

ملازم حیرت سے عمران کو تکتے لگا۔

”فریدی صاحب ہیں“ — عمران نے ملازم کو حیرت سے گنگ پاکر سوال کیا۔  
”جی ہاں“ — ملازم نے فوراً جواب دیا۔ وہ شاید عمران کو کوئی سسکی سمجھ رہا تھا۔

”انہیں اطلاع دو کہ علی عمران ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی (اگن) شریف لار ہے ہیں“ — عمران نے بڑی شان سے کہا۔

”آپ ڈرائیونگ روم میں تشریف رکھتے — میں ان کو اطلاع کرتا ہوں“ — ملازم شاید عمران کی بتائی ہوئی ڈگریوں کی لمبی لائن سے مغرب ہو گیا تھا۔

”ڈرائیونگ روم میں — تو کیا فریدی صاحب اب آرٹس بھی بن گئے ہیں جو ڈرائیونگ کے لئے علیحدہ کمرہ بنا لیا ہے“ — عمران نے حیرت سے آنکھیں میکا کر کہا۔

عمران آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا جہاز کے ساتھ لگی ہوئی سیڑھیاں اترنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں ایک برلیٹ کیس تھا۔ وہ میک آپ کے بغیر تھا۔

یہ ساکالینڈ کے دار الحکومت کا ایئر پورٹ تھا۔ کسٹم سے فارغ ہو کر عمران ٹیکسی سٹینڈ کی طرف بڑھا اور پھر ایک ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

”کنڈی کلب روڈ کو مٹی نمبلر۔“ — عمران نے پتہ بتلایا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے میٹر ڈاؤن کیا اور ٹیکسی ایک جھٹکا کھا کر آگے بڑھ گئی۔

عمران بیک مرر پر کافی دیر سے نظریں جماتے ہوئے تھا۔ ایک موٹر سائیکل سوار ایئر پورٹ سے ہی اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہ ایک مناسب فاصلے سے تعاقب کر رہا تھا۔ یہ عمران ہی تھا جس نے تعاقب کا احساس کر لیا۔ ورنہ تعاقب جس محتاط انداز میں کیا جا رہا تھا اور کوئی شخص مشکل سے ہی باخبر ہو سکتا۔

”اوہ! — تو اس کا مطلب ہے کہ کرنل فریدی کی بلیک فورس کافی ہوشیار واقع ہوئی ہے“ — عمران نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ ”یونکہ اسے مکمل یقین تھا کہ یہ موٹر سائیکل سوار بلیک فورس کا رکن ہوگا اور اسے اجنبی سمجھ کر اس کا تعاقب کر رہا ہوگا۔“

بہر حال عمران خاموش بیٹھا رہا۔ مھوڑی دیر بعد کار کو مٹی کے پھاٹک پر جا کر



”جی جی — میں اطلاع کرتا ہوں —“ ملازم نے گھبرا کر کہا اور پھر فوراً اندر چلا گیا۔

عمران خاموشی سے ڈرائیونگ روم میں چلا گیا۔ اس نے بریف کیس میز پر پٹکا اور خود صوفے پر بیٹھ کر ناچکیں میز پر پھیلا دیں اور صوفے کی پشت سے ”یک لگا کر خراٹے لیتے شروع کر دیئے۔

”ہیلو عمران صاحب! — کیا حال ہیں؟ —“ فریدی کی پُر وقار آواز عمران کے کانوں سے گھرائی لیکن عمران جان بوجھ کر سوتا بنا رہا۔  
”یہ ایسے نہیں اُسنے گا — میں پانی کی بالٹی لے آتا ہوں —“ کیپٹن حمید نے کہا۔

”ارے صبر و صبر — کیوں تکلیف کرتے ہو — میں خود ہی اٹھ جاتا ہوں —“ نرن نے تیزی سے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا اور پیرلوں آنکھیں بھاڑ کر چاروں طرف دیکھتے لگا جیسے وہ کسی انجان جگہ پر آگیا ہو۔ اور پھر فریدی کے متبسم چہرے پر اس کی نظریں پکڑ لیں۔

”افاہ — بزرگوار فریدی صاحب! — آپ کب تشریف لے آئے —؟“  
”زب نصیب — وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے —“ عمران نے تیزی سے اٹھ کر فریدی سے زبردستی مصافحہ کرنا شروع کر دیا۔ اور فریدی بے اختیار قبضہ مار کر ہنس پڑا۔

حمید کے چہرے پر ناگواری کے اثرات نظر آنے لگے۔

”کیا عمران کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں — جو یہ اوٹ پٹانگ باتیں بھی کریں تو آپ قبضہ لگانے شروع کر دیتے ہیں —“ کیپٹن حمید سے رہانہ جاسکا۔

”اٹوہ! — برخوردار حمید سلما طو لعمروہ بھی آتے ہیں — ماشاء اللہ — چشم بردوز حجت پہلے سے کافی خراب ہے —“ عمران نے بے ساختہ کہا۔ اور فریدی ایک بار پھر ہنس پڑا۔

اب عمران بڑی سنجیدگی سے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

”کیا پیو گئے — گرم یا ٹھنڈا —؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کچھ معتدل پلا دیجئے —“ عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”چائے لے آؤ —“ فریدی نے ملازم سے کہا اور ملازم سر جھکا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

”یہ بغیر اطلاع کے کیسے چلے آئے —؟“ فریدی نے عمران سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

”بقیہ اطلاع — اللہ کے تعالٰی عارفانہ — کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کی بلیک فورس سے واقف نہیں ہو سکتا —؟“ عمران نے بڑا سا منہ بنا تے ہوئے کہا۔

”اوہ! — تو تم تعاقب سے باخبر ہو گئے —“ فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔  
”نہیں نہیں — توبہ توبہ — میری بھلائی مجال —“ عمران نے بے اختیار اپنے گال پٹینے شروع کر دیئے۔

”تم میں اور مجھ میں آخر کیا فرق ہے —؟“ حمید ناگوار لہجہ میں بولا۔  
اسے عمران سے خدا واسطے کا بیر متا۔

”جو مجھ میں اور تم میں ہے —“ عمران نے جواب دیا اور حمید کٹ کر رہ گیا۔  
اتنے میں ملازم نے چائے لاکر تینوں کے سامنے رکھ دی۔

”فریدی صاحب! — اب آپ یقیناً یہ پوچھیں گے کہ میں نے یہاں آنے کی تکلیف

کس لئے کی ہے" — عمران اب فریدی سے مخاطب ہوا۔

"بالکل نہیں پوچھوں گا عمران! — کیونکہ مجھے ابھی طرح علم ہے تم جس مقدمے کے لئے یہاں آئے ہو" — فریدی نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"پھر کیا فرمت میں علمائے دین و مفتیان متین بیچ اس مسئلے کے؟" — عمران نے سوال کیا۔

"دیکھو عمران! — سیدھی سی بات تو یہ ہے کہ یہ میرے ملک کی عزت کا سوال ہے — ہمارے ملک نے پروفیسر سے اس کا فارمولا خرید لیا ہے اس لئے اب

اس فارمولے پر ہمارا حق ہے — اور تم جانتے ہو کہ میں ملک کی عزت کے آگے ہر قسم کے رشتے کو بیچ سمجھتا ہوں" — فریدی کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"ادو! — تو اس کا مطلب ہے کہ میرا خیال غلط نکلا۔ آپ اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کریں گے — اب آپ میری بات بھی سن لیں — ہمارے

ملک نے سب سے پہلے اس پروفیسر کو پناہ دی — فارمولے کے تجربات کے لئے ایک کثیر رقم مہنیا کی۔ اس کے علاوہ اسے ہر قسم کی سہولتیں جمیا کیں — مگر

پروفیسر کو یہی چھپے خزانہ ہرگز آپ کے پاس — ہے۔ دوستی کے لحاظ سے آپ کا یہ حق تھا کہ آپ اسے پناہ دینے سے انکار کر دیتے اور پروفیسر اور فارمولے کو ہماری حکومت

کے سپرد کر دیتے کیونکہ زیادہ حق اس پر ہمارا ہے" — عمران بھی اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے سے حماقتوں کی تہیں ہریں سرگئیں کہ حمید بھی شہر

رہ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے — اپنا اپنا خیال ہے — بہر حال میں تمہیں یہ بتا دوں کہ ملک کی طرف سے میرے ذمہ یہ فرض لگایا گیا ہے کہ میں پروفیسر اور فارمولے کی حفاظت

کروں — اور تم جانتے ہو کہ فرض کے لئے میں نے کبھی اپنی جان کی بھی پروا

نہیں کی" — فریدی نے کہا۔

"لیکن اسی طرح میرے ملک نے میرے ذمے یہ فرض عائد کیا ہے کہ میں پروفیسر اور فارمولے کو واپس اپنے ملک لے آؤں" — عمران نے جواب دیتے

ہوتے کہا۔

"تو تم اپنا فرض پورا کرو — اور میں اپنا" — فریدی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن — عمران نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی نے اس بات کا ٹٹے ہوئے کہا۔

"دیکھو عمران! — صاف صاف بات یہ ہے کہ میں کسی قیمت پر بھی پروفیسر یا فارمولے کو واپس نہیں جاتے دوں گا۔ اور اس کا مجھے یقین ہے کہ تم ہر قیمت

پر پروفیسر اور فارمولے کو واپس لے جانے کی کوشش کرو گے — چنانچہ آج حالات نے میں آئے سامنے آنے پر مجبور کر دیا ہے — نہ تم پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ

میں — تم میرے مہمان ہو — تم جتنا عرصہ چاہو اس کو مٹھی میں رہو۔ تمہارا کوئی بال بیک نہیں کر سکتا — لیکن جیسے ہی تم نے کو مٹھی سے باہر قدم نکالا — تمہاری حیثیت

میرے نزدیک ایک غیر ملکی جاسوس کی ہوگی اور تم جانتے ہو کہ غیر ملکی جاسوس کو گولی مارتے ہوئے مجھے دلی فرحت ہوتی ہے" — فریدی کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

"ٹھیک ہے — میں بھی کوشش کروں گا کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو کوئی گزند نہ پہنچے — لیکن اگر ایسا ہو گیا تو میں اس کے لئے مجبور ہوں گا — اچھا اجازت

دیکھئے۔ اب ہمارا ٹکراؤ دوستوں کی طرح نہیں — دشمنوں کی حیثیت سے ہوگا — عمران نے فریدی کی طرح سرد لہجے میں کہا۔ اور پھر رلیف کیس اٹھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بجائے

اس کے بچے میں کیا بات تھی کہ حمید کے سیم میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔

"بیٹھو — کھانا وغیرہ کھا کر جانا" — فریدی نے نرمی سے کہا۔

’ نہیں۔ اب مجھے اجازت دیجئے گڈ بائی‘ — عمران نے سپاٹ لپے میں کہا اور پھر برلیف کیس لے کر کمرے سے باہر آگیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کومرو سے باہر آگیا۔

کومرو سے باہر آتے ہی اتفاقاً اس کی نظر ایک خالی ٹیکسی پر پڑی۔ اس نے ہاتھ دے کر ٹیکسی کو روکا اور دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

’صدر بازار‘ — عمران نے پتہ بتلایا۔

ٹیکسی ایک جھٹکے سے آگے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

ٹیکسی میں بیٹھا عمران گہری سوچوں میں غرق ہو گیا۔ مقابلہ واقعی بڑا زوردار تھا۔

زندگی میں پہلی بار عمران اور فدیتا ایک دوسرے کے مقابل ہو رہے تھے۔ عمران نے

بیک مرر میں دیکھا کہ شاید تعاقب ہو رہا ہو۔ سیکن فی الحال تعاقب کوئی نہیں تھا۔

صدر بازار کے چوک میں عمران اتر گیا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور

خود سامنے ایک چھوٹے سے ریسٹوران میں گھس گیا۔ پہلے چونکہ وہ متعدد بار اس ملک

پہن آیا تھا اس لئے اسے اس کے چپے چپے کے متعلق علم تھا۔

اس ریسٹوران کے دو دروازے تھے۔ عمران ایک دروازے سے گھسا اور پھر دوسرے

دروازے سے باہر نکل آیا۔ سڑک پار کر کے وہ سامنے والی ایک بہت بڑی کمرشل بلڈنگ

کی سیڑھیاں چڑھ گیا۔ دوسری منزل پر مختلف دفاتر تھے۔ وہ کارڈیور پارک تہا ہوا کوئے

میں بنے ہوئے ٹوائلٹ میں گھس گیا۔ کارڈیور سنان پڑا تھا اور پھر اس نے

حتی الوسع احتیاط کی تھی۔ اس لئے اسے یقین تھا کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔

ٹوائلٹ کا دروازہ بند کر کے اس نے برلیف کیس کھولا اور پھر ٹوائلٹ میں لگے ہوئے

آئینے کے سامنے میک اپ کرنا شروع کر دیا۔ میک اپ کا ایرجنسی سامان اس کے

برلیف کیس میں موجود تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کا چہرہ مکمل طور پر بدل چکا تھا۔ اس نے

برلیف کیس سے دوسرے رنگ کی قمیض نکال کر پہنی اور ڈبل سائڈ کوٹ کو الٹا کر پہن لیا۔  
برلیف کیس میں موجود ضروری چیزیں نکال کر اس نے جیبوں میں ڈالیں اور برلیف کیس  
اٹھا کر باہر نکل آیا۔

اب عمران کو دیکھ کر کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ وہ عمران ہے۔ وہ تیزی سے

سیڑھیاں اترتا ہوا بلڈنگ سے نیچے اترتا اور اسی ریسٹوران میں گھس گیا جس کے دروازے

تہ وہ باہر نکلا تھا۔ کونے میں موجود ایک خالی میز پر بیٹھ کر اس نے برلیف کیس ایک

سائڈ میں رکھا اور ایک میرے کو چلنے لانے کا آرڈر دے دیا۔ اور پھر جلد ہی آرڈر سپلائی

کر دیا گیا۔

عمران بڑے اطمینان سے چائے پیتا رہا اور پھر اس نے ٹیبل پر سی بل ادا کیا

اور بڑے اطمینان سے لیٹر برلیف کیس اٹھاتے چلتا ہوا ریڈیو نمٹ سے باہر نکل آیا۔ برلیف کیس

سے وہ بڑی جلدی پہچانا جا سکتا تھا اس لئے اس نے برلیف کیس سے پیچھا چھڑانا ہی

مناسب سمجھا۔

عمران کافی دور تک پیدل ہی ہجوم کے درمیان چلتا رہا۔ پھر اس نے ایک ٹیکسی

پکڑی اور اسے گلڈین کالونی کا پتہ بتا دیا۔

گلڈین کالونی کی ایک چھوٹی سی کومٹی سے تقریباً دو سو گز دور وہ ٹیکسی سے اتر گیا۔

اور پھر ٹیکسی کے جانے کے بعد وہ چاروں طرف بڑی محتاط نظروں میں دیکھتا ہوا کومٹی

کے پچاسک کی طرف بڑھا۔

پچاسک پر پہنچ کر اس نے کال بیل دہائی۔ چند لمحوں بعد پچاسک کی چھوٹی کھڑکی

کھلی اور ایک شخص باہر نکلا۔

’ فرمایتے‘ —؟ اس نے بڑے مہذبانہ انداز میں پوچھا۔

’ ایکسٹو‘ — عمران نے آہستہ سے کہا۔



”اوہ! — تشریف لائیے“ — آنے والا قدرے زبردست سا ہو گیا۔

عمران اس کے پیچھے پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے ڈرامٹک روم میں پہنچ گئے۔  
”کیا میں آپ سے متعارف ہو سکتا ہوں“ — وہ شخص جو یقیناً گوٹھی کا مالک تھا۔ بولا۔

”نادر! — میں عمران ہوں“ — عمران اب اپنی اصل آواز میں بولا۔

”اوہ! — عمران صاحب — آپ کمال ہیں — اگر میں آپ کی آواز اور کوڑ نہ پہچانتا تو زندگی بھر یقین نہ کرتا“ — نادر کے چہرے پر خوشیاں بکھر گئی تھیں۔  
”وہ کچھ ایسا ہی معاملہ ہے — تمہارا چوکیدار کہاں ہے جو تم نے خود پھاٹک کھولا ہے“ — عمران نے سوال کیا۔

”وہ تین دن کی چھٹی پر گیا ہوا ہے“ — نادر جتنے جواب دیا۔

”یہ بھی ٹھیک ہے — اچھا نادر! — ذرا غور سے سنو! اس بار تمہیں بھی خطرناک کام سرانجام دینا پڑے گا۔ ہمارے ملک سے ایک سائنسدان پروفیسر ڈاکٹر میناڈ ایک اہم نامورے کے ساتھ فرار ہو کر یہاں آ گیا ہے — یہاں کی حکومت نے اسے پناہ دے دی ہے — چنانچہ اس بار ہمارا مقابلہ براہ راست کرنل فریدی اور اس کی بیک فوس سے ہو گا“ — عمران نے اسے تفصیلات بتائیں۔

”اوہ! — یہ واقعی خطرناک ترین کام ہے — کرنل فریدی سے ٹکراؤ کا تصور بھی بھیاٹک ہے — بہر حال اگر حالات ایسے ہو گئے ہیں تو کوئی پرواہ نہیں — کرنل فریدی تو کیا — کی آن کے لئے اور مفاد کے لئے میں دنیا کی ہر قوت سے ٹکرا جاؤں گا“ — نادر نے جذبات میں آتے ہوئے کہا۔

”گڈ — مجھے تمہارے حالات سُن کر خوشی ہوئی ہے — بہر حال میں جذبات

میں نہیں آنا چاہیئے — ہر کام محنت سے دل سے کرنا چاہیئے — عمران نے جواب دیا۔

”کیا آپ کرنل فریدی سے ملے ہیں“ — نادر نے سوال کیا۔

”ہاں — اس کی کوٹھی سے باہر نکلنے کے بعد اب ہم ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں — کرنل فریدی نے مجھے چیلنج کیا ہے اور میں اس چیلنج کا ہر قیمت پر جواب دوں گا“ — عمران نے جواب دیا۔

”کیا آپ یہیں رہ رہے“ — نادر نے پوچھا۔

”ہاں — اس کیس کی کانڈ ایکسٹو نے میرے ذمہ لگا دی ہے“ — عمران نے جواب دیا۔

”پھر تو یقیناً جیت ہماری ہے“ — نادر نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔  
”کیونکہ اس ملک میں ایکسٹو کا نام نہ تھا اور اس سے پہلے عمران کے ساتھ کئی کیسوں میں کام کر چکا تھا۔

”اچھا — اب آپ آرام کیجئے گا — میں کھانا تیار کرتا ہوں“ — نادر نے کہا اور عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔  
نادر باہر نکل گیا۔



ہر قیمت پر بروقت محتاط رہنا پڑے گا۔ میں معمولی سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کروں گا۔ فریدی نے سخت لہجے میں حمید کو حکم دیا۔  
 "یہجے ہو گیا بیڑہ غرق۔ اب اپتے پھر عمران کے پیچھے۔ حمید نے بیزار سے کہا۔

اور پھر اس سے پہلے کہ فریدی کوئی جواب دیتا۔ پاس پڑے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی زور سے بج اٹھی۔

فریدی نے تیزی سے رسیور اٹھالیا۔

"بارڈ اسٹون" فریدی نے کہا۔

"نمبر الیون سر۔ عمران کو ہم گم کر بیٹھے ہیں۔ وہ کوٹھی سے صدر بازار چلا گیا تھا وہاں سے اسے ہائی لک ریٹورنٹ میں جاتے دیکھا گیا۔ لیکن اس کے بعد وہ گم ہو گیا وہ شاید اس کے دوسرے دروازے سے نکل گیا تھا۔ ریٹورنٹ کے ارد گرد اسے کانی تلاش کیا گیا لیکن وہ نہیں ملا۔ البتہ بعد میں ریٹورنٹ کی ایک میز سے اس کا بریف کیس مل گیا ہے۔ بہرے نے جو حلیہ بتایا ہے وہ بالکل ایک مختلف آدمی کا تھا۔ دوسری طرف سے نمبر الیون نے رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔  
 ہوں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ عمران اس ریٹورنٹ سے باہر نہیں گیا۔ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"لیکن سر۔ پہلے اس ریٹورنٹ کو اچھی طرح دیکھا گیا تھا۔ وہاں وہ نہیں تھا۔ نمبر الیون نے جواب دیا۔

"ہوں۔ تم وہ بریف کیس مجھے بھیج دو اور تم بلیک فورس کے تمام نمبرز کو وارنٹ کر دو۔ وہ اس جیلے یا اس سے ملے جیلے آدمی کو تلاش کریں۔ جہاں وہ ملے مجھے فوراً رپورٹ دی جائے۔" فریدی نے اسے حکم دیا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" عمران کے کوٹھی سے باہر جلتے ہی حمید نے فریدی سے کہا۔

"پروگرام کیا۔ عمران میرے آؤمید کی نظر میں ہے۔ اکیلا عمران تو کچھ نہیں کر سکتا۔ یقیناً وہ اپنے آدمی بوائے کا۔ پھر ہی کوئی پروگرام بن سکتا ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"جب عمران آپ کی نظروں میں ہے تو کیوں نہ اسے گرفتار کر لیا جائے۔ معاملہ ہی ختم ہو جائے گا۔" حمید نے سادہ سی ترکیب بتلائی۔

"کہتے کو تو یہ آسان سی بات ہے لیکن تم سے زیادہ میں عمران کو جانتا ہوں۔ اس لئے یہ کام آسان نہیں ہے۔ جتنا تم سمجھتے ہو۔" فریدی نے جواب دیا۔  
 "ہوں۔ اس میں مشکل کوئی بات ہے۔ اس کا آدمی کو تو ایک کچھ بھی مگر تیار یا سٹوٹ کر سکتا ہے۔ احمق کہیں کا۔" حمید نے اپنے دل کے پھپھوٹے پھوٹے۔

"حمید۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ عمران بظاہر کیا ہے اور دراصل کیا ہے۔ اس لئے پھول جیسی باتیں نہ کیا کرو۔ اور ہاں! ایک بات آج سے یاد رکھنا۔ اب ہمارا مقابلہ کسی مجرم سے نہیں ہے ایک شاطر ترین دماغ سے ہے اس لئے ہمیں

”بہتر سر۔ ویسے مجھے افسوس ہے۔“ فبرالیون نے کہا۔

”تمہیں افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ عمران ہے کوئی عام آدمی نہیں۔“ فریدی نے جواب دیا اور پھر رسیور رکھ دیا۔

”کیا ہوا۔“؟ حمید نے پوچھا۔

”عمران تعاقب کرنے والوں کو جل دے کر غائب ہو گیا۔“ فریدی نے جواب دیا۔ اس کی پیشانی پر گہری سوچ کی ٹیکریں نمودار ہو گئی تھیں۔

”اوہ۔“ حمید نے ایک طویل سانس لی۔

چند منٹ کی خاموشی کے بعد فریدی حمید سے مخاطب ہوا۔

”حمید! تم میک اپ کرو اور کار لے کر شہر کا گشت لگاؤ۔ تم عمران کو اچھی طرح پہچانتے ہو۔ اس لئے اگر وہ کسی بھی میک اپ میں ہوا تو تم اسے پہچان لو گے۔ اس کا نظروں میں رہنا سخت ضروری ہے۔“ فریدی نے حمید کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہ ہوٹل وغیرہ چیک کئے جائیں۔“؟ حمید نے ایک اور رات دیتے ہوئے کہا۔

”تم عمران کو احمق سمجھتے ہو کہ وہ ہوٹلوں میں قیام کرتا پھرے گا۔“؟ فریدی نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

”تم جاؤ۔ اور جیسے ہی وہ نظر آئے۔ مجھے فوراً ٹرانسمیٹر پر رپورٹ دینا۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

حمید نے ایک طویل انگڑائی لی اور پھر میک اپ کرنے کے لئے دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید ایک خوبصورت نوجوان کے روپ میں باہر نکلا اور گیاراج میں کھڑی ہوئی فوکس ویگن کی طرف بڑھ گیا۔ آج چونکہ اس نے خود میک اپ کیا تھا اس لئے اس نے اپنے آپ کو خوبصورت بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ چند لمحوں بعد اس کی کار سڑکوں پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔



عمران نے ایک بوڑھے کے میک اپ میں ایئر پورٹ پر موجود تھا۔ اس سے مقورے نامی پر ناور بھی میک اپ میں موجود تھا۔ وہ دونوں ہی وزٹنگ گیلری میں کھڑے تھے۔

عمران بڑے محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ کرنل فریدی کی بلیک فورس کا ایئر پورٹ پر جال بچھا ہو گا۔

اس فلائٹ سے سفدر۔ کیپٹن شکیل اور نعمانی آرہے تھے۔ عمران نے ٹرانسمیٹر پر ایک زیر کو تمام ہدایات دے دی تھیں۔ اب وہ خود ایئر پورٹ پر ان کی آمد کے بعد کے رد عمل کا جائزہ لینے کے لئے موجود تھا۔

جہاز کی آمد کا اعلان ہوا اور پھر چند لمحے بعد ایک دیوہیکل طیارہ رن وے پر اتر آیا۔

عمران خاموشی سے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ طیارہ اپنی مخصوص جگہ پر رک گیا۔ اس کے

ساتھ بیڑھیاں لگا دی گئیں اور پھر طیارے میں موجود مسافر آہستہ آہستہ طیارے سے اترنے لگے۔

تیسرا مسافر کیٹن شکیل تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر شخص کے میک اپ میں تھا۔ میک اپ اچھا کیا گیا تھا لیکن عمران نے اسے فوراً پہچان لیا۔ پھر دو تین مسافروں کے بعد مسافر اتر آیا۔ اس نے ہلکا سا میک اپ کیا ہوا تھا لیکن اس نے وہ بھی نہ پہچانا جاسکتا تھا۔ سب سے آخر میں باہر آنے والا شخص تھا جس نے غیر ملکی سیاح کا روپ دھارا ہوا تھا۔ وہ تینوں جہاز سے اتر کر کسٹم گیٹ کی طرف بڑھے۔

سب مسافروں کے اتر آنے کے بعد عمران بھی واپس مڑا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور کچھ غصہ تھا۔ اس نے پلنگ کی تاروں کو اچھی طرح سے ہلایا۔ "اب اسٹارٹ کیجئے" اس نے عمران سے کہا۔ عمران نے سلف لگایا تو کار فوراً اسٹارٹ ہو گئی۔ نغانی نے کار کا بیڈ بند کیا۔ وہ اپنا بیگ اٹھا رہا تھا۔ "تھینک یو مسٹر" عمران نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ "جیکرڈ" میرا نام جیکرڈ ہے اور میں اطالوی ہوں۔" نغانی نے فوراً اپنا کارڈ عمران کو پیش کیا۔

عمران نے کار کو اسٹارٹ کیا لیکن کار گھور گھور کر سسے رک جاتی۔ وہ اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔ عمران کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ پھر اسے یوں لگا کہ وہ باہر نکلتا ہوا نظر آیا۔ وہ کیٹن شکیل تھا۔

کیٹن شکیل نے باہر نکل کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر متحکماً تھکے قدم اٹھاتا ٹیکسی سٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے استقبال میں کسی کو موجود نہ ہو۔ پھر وہ یلوس ہو گیا ہو۔

عمران کی کار ابھی تک اسٹارٹ نہیں ہوئی تھی۔ پھر نغانی مین گیٹ سے باہر آیا۔ وہ یوں چاروں طرف دیکھ رہا تھا جیسے وہ پہلی بار اس ملک کی سیاحت کر رہا ہو۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد عمران کی کار کی طرف بڑھا۔

محترم۔ کیا بات ہے آپ کی کار اسٹارٹ نہیں ہو رہی — میں کچھ مدد کر سکتا ہوں۔" نغانی نے بڑے مہذب لہجے میں پوچھا۔ "معلوم نہیں۔ کیا مصیبت ہے۔" اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہی۔" عمران نے لہجے میں جھجھلاہٹ تھی۔

نغانی نے جھٹ سے کانٹے پر لدا ہوا بڑا بیگ ایک طرف رکھا اور پھر بیڈ بند کیا۔ "اب اسٹارٹ کیجئے" اس نے عمران سے کہا۔ عمران نے سلف لگایا تو کار فوراً اسٹارٹ ہو گئی۔ نغانی نے کار کا بیڈ بند کیا۔ وہ اپنا بیگ اٹھا رہا تھا۔

"تھینک یو مسٹر" عمران نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ "جیکرڈ" میرا نام جیکرڈ ہے اور میں اطالوی ہوں۔" نغانی نے فوراً اپنا کارڈ عمران کو پیش کیا۔

"تم نے کہاں جانا ہے؟" عمران نے پوچھا۔ "کسی ہٹل تک لفٹ دے دیجئے۔" نواز شش ہوگی۔" نغانی نے پچھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"بیڈ جاؤ۔" عمران نے پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اور نغانی جھٹ سے تقیلاً اندر گھس کر بیٹھ گیا۔ اور کار آگے بڑھ گئی۔

ایئر پورٹ کی غارت سے باہر نکل کر عمران اصل آواز میں بولا۔



نعمانی۔ تعاقب کا خیال رکھنا۔

میں دیکھ رہا ہوں۔۔۔۔۔ نعمانی نے جواب دیا۔

تم نے ہدایات پر بڑی اچھی طرح عمل کیا ہے۔۔۔۔۔ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایکھٹو کے بڑے سوت آرڈرز تھے اس بارے میں۔۔۔۔۔ نعمانی نے جواب دیا۔

ہوں۔۔۔۔۔ عمران نے ہنکارتا بھرا۔

عمران تعاقب کے لئے بے حد چوکنا تھا۔ لیکن تعاقب میں کوئی بھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ ان کا ڈرامہ خاصا کامیاب رہا ہے۔

مختلف سطحوں سے گزرنے کے بعد عمران نے کارنادر کی کوشی کے کھلے میں موڑ دی۔ کارنادر نے پورچ میں جا کر کھڑی کی۔ نعمانی اور عمران دونوں اندر چلے گئے۔ اندر نادر اور صفدر پہلے سے ہی موجود تھے۔

تمہاری کار کہاں ہے نادر۔۔۔۔۔؟ عمران نے نادر سے پوچھا۔

وہ ہٹل شیراز کی پازنگ شیڈ میں اٹھ بیٹھی ہے۔۔۔۔۔ نادر نے جواب دیا۔

گڈ۔۔۔۔۔ عمران نے کہا۔

تم باہر بیٹھو۔ کیپٹن شکیل جی آنے والا ہوگا۔۔۔۔۔ اس پاس کا خیال رکھو۔

عمران نے نادر کو کہا۔

نادر کمرے سے باہر نکل گیا۔

آپ لوگ میک آپ صاف کر کے دوسرا میک آپ کر لیں تو بہتر ہے۔

نے سنجیدگی سے کہا۔ اور وہ دونوں اٹھ کر ٹوائٹ میں چلے گئے۔

چند لمحوں بعد کیپٹن شکیل بھی وہاں پہنچ گیا۔

کسی نے تعاقب تو نہیں کیا کیپٹن۔۔۔۔۔؟ عمران نے پوچھا۔

ایک نے کیا تھا۔ اسے جھٹک کر آ رہا ہوں۔۔۔۔۔ کیپٹن شکیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

مکمل یقین ہے کہ وہ ڈاج کھا گیا ہے۔۔۔۔۔؟ عمران نے پوچھا۔

جی ہاں۔۔۔۔۔ کیپٹن شکیل نے پُر اعتبار لہجے میں جواب دیا۔

تو پھر جتنی جلدی ہو سکے۔ اپنا یہ میک آپ اتار کر دوسرا میک آپ کر لو۔ بلکہ فی الحال تمہیں میک آپ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ کرنل فریدی نے تمہیں ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے اے بی چلے گا۔۔۔۔۔ عمران نے کہا۔ اور کیپٹن شکیل بھی سر ہلاتے ہوئے ٹوائٹ میں گھس گیا۔

مقنوطی دیر میں وہ سب ہال میں اکٹھے ہو گئے۔ صفدر اور نعمانی کی شکلیں بدلی ہوئی تھیں۔ نئے لباس انہیں مہیا کر دیئے گئے تھے۔ چنانچہ لباس بھی بدلے ہوئے تھے۔

نادر!۔۔۔۔۔ تم ذرا اس پاس کا خیال رکھو۔ میں دریاں سے چند باتیں کروں۔

نادر نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ہاں تو دوستو!۔۔۔۔۔ پہلے درویش کا قصہ سنو۔۔۔۔۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ہمارے ملک ایک سائنسدان پروفیسر ڈاک رینالڈ بلچر ایک اہم فارمولے کے وہاں سے فرار ہو کر یہاں کیسے۔ ہم نے وہ فارمولا اور پروفیسر کو واپس لے جانا ہے۔ لیکن یہاں ایک قریب رہا ہے۔

ہے پالا پڑا ہے جسے کرنل فریدی کہتے ہیں۔۔۔۔۔ کرنل فریدی سے آپ لوگ اچھی طرح واقف ہیں اس لئے مجھے اس کے متعلق تفصیلات بتانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں

تقریر کے مقابلہ انتہائی زوردار ہے اور خطرناک ہے۔ آج سے آپ لوگ اپنی زندگی

کے اہم ترین کیس میں کام کریں گے اس لئے سب سے پہلے یہ بات میں آپ کو  
کہ آپ لوگوں نے اپنے سامنے سے بھی محتاط رہنا ہے۔ کرنل فریدی کی بلیک فزرس  
پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے اس لئے آپ اپنے سوا اور کسی پر۔ چاہے وہ کسی  
یا کسی قسم کا ہو۔ قطعی اعتبار نہ کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ لوگ اب یہاں  
چلے جائیں گے۔ میں آپ کو ٹرانسپیرسٹ و اجز و سے دیتا ہوں۔ آپ نے کہاں  
ہے۔ یہ آپ لوگوں نے خود انتخاب کرنا ہے۔ سوائے میسک اور کسی  
لوگوں کی رہائش کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کو بھی نہیں۔  
ٹرانسپیرسٹ وقتاً فوقتاً آپ کو آرڈر دیتا رہوں گا۔ آپ اس کے مطابق کام کریں  
کیس میں معمولی سی کوتاہی۔ لا پرواہی۔ سستی کا انجام فوری موت ہو گا۔  
اس بات کو یاد رکھیں کہ یہ کیس ہم سب کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔  
عمران نے پوری تقریر جباڑ دی۔

”آپ بے فکر رہیں۔ انشاء اللہ ہم یہ کیس بھی جیت لیں گے۔“ کیپٹن  
نے کہا۔

”ولیے اس کیس کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ  
میں عمران صاحب بے حد سنجیدہ ہیں۔“ سفدر نے کہا۔

پھر عمران نے ان تینوں کو ٹرانسپیرسٹ و اجز و سے دیں۔ فرکیوئنسی بتا  
اور پھر انہیں باری باری جانے کا کہہ دیا۔ اور وہ تینوں سامنے والے دروازے  
جانے کی بجائے پچھلے دروازے سے کوٹھئی سے باہر نکل گئے۔

Mahesh  
Chauhan

حمید کافی دیر سے کار میں بیٹھا سڑکوں کا گشت لگا رہا تھا لیکن کوئی بھی ایسی  
گرت اب تک اس کی نظروں سے نہیں گزری تھی جس پر وہ عمران کا شبہ کرتا۔ اب وہ  
اس فنحوں تسمیر کی مڑگشت سے بیزار ہو گیا تھا۔ اس نے کار ایک ریسٹورنٹ کے باہر  
رکی اور چائے پینے کے لئے اندر داخل ہو گیا۔

ایک خامی میز پر بیٹھ کر اس نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی اور پھر فوراً سر پر  
سلط ہو جانے والے بیرے کو چائے لانے کا آرڈر دے دیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ عمران  
کہاں سے ڈھونڈے۔؟ عمران تو یوں غائب ہو گیا تھا جیسے گدھے کے سر سے  
لٹنگ۔ وہ اپنی سوچوں میں غرق تھا کہ بیرے نے چائے لاکر سامنے رکھ دی۔ اس  
نے چائے کی پیالی بنائی اور پھر آہستہ آہستہ چسکیاں لے کر اسے پینے لگا۔

ابھی اس نے آدھی پیالی ہی پی سنی کہ ایک بوڑھا شخص ریسٹورنٹ میں داخل ہوا۔  
اس نے ایک لمحہ کے لئے بال میں ٹھہر کر تنگی تنگی نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور  
کوئی میز خالی نہ پا کر وہ قدرے مایوس سا ہو گیا۔ پھر اس کی نظر حمید کی میز پر پڑی  
اس کی تین کرسیاں خامی پڑی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک ابھری اور  
آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا حمید کی میز کے قریب آیا۔

”بیٹے! کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔“ بوڑھے نے بڑی پُر امید نظروں

مے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بیٹے! کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟“ اس نے پھر کہا۔  
”جی ہاں۔ جی ہاں۔ ضرور تشریف رکھیے“ حمید نے اس کی بزرگ  
خیال رکھتے ہوئے کہا۔

بوڑھا شخص کسی گھیسٹ کر اس پر یوں بیٹھ گیا جیسے میلوں کی مسافت کے  
بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہو۔

”آپ کیا پیتے گے محترم؟“ حمید نے انراہ اخلاق پوچھا۔  
”مجھے تہور علی کہتے ہیں۔“ میرے خیال میں چائے ٹھیک رہے گی۔  
تہور علی نے تحفہ کو ایک فضول چیز سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

”مجھے ساجد کہتے ہیں۔“ حمید نے بھی جواباً اپنا تعارف کرایا اور پھر  
کو پائے کا حکم دیا۔

چائے آنے تک خاموش رہی۔ اور پھر چائے آنے پر حمید نے ایک پیالی چائے  
بنائی اور تہور علی کے سامنے رکھ دی۔

”شکریہ!۔“ تہور علی نے چائے اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔  
”تمہیں شاید کسی کی تلاش ہے۔“ تہور علی نے چائے کی چسکی لے کر بغیر  
کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اور حمید یہ سن کر چونک اٹھا کہ اسے کیسے پتہ چلا کہ مجھے کسی کی تلاش  
اس کی آنکھوں سے شہ و حیرت جھلکنے لگا۔

”حیران مت ہو بیٹے!۔“ مجھے قدرت نے ایک خاص حس بخشی ہے  
کے تحت میں لوگوں کا ذہن پڑھ لیتا ہوں۔“ تہور علی نے بڑے پراسرار  
میں کہا اور حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یہ بوڑھا اسے یکدم پراسرار اور حیرت انگیز

کا تھا۔

”کیا آپ کو پتہ ہے کہ مجھے کس کی تلاش ہے؟“ حمید نے سوال کیا۔  
”ہاں!۔“ تمہیں کسی علم۔“ ان نامی شخص کی تلاش ہے۔“ اور تمہارا نام صرف

ساجد ہی نہیں۔ ساجد حمید ہے اور تم مشہور زانہ سرائے ساں کرنل فسریدی کے  
اسسٹنٹ ہو۔“ بوڑھے نے انکشاف کرنا شروع کر دیا اور حمید کو یوں محسوس ہوا  
جیسے وہ دریائے حیرت میں غوطے کھا رہا ہو۔ کچھ عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی اس کی۔  
کبھی تو اس کو شک گزرتا کہ یہ بوڑھا فراڈ ہے اور کبھی حیرت انگیز۔

”تم مجھ پر شک مت کرو۔“ میں نے جو کچھ بتلایا ہے۔“ صحیح بتلایا ہے۔“  
بوڑھے نے اس کی کیفیت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ شخص عمران اس وقت کہاں ہے؟“ حمید نے  
سوال کیا۔

”یہاں بیٹھ کر تو نہیں بتا سکتا۔“ ہاں! البتہ اگر تم میرے ساتھ بیٹھ کر مختلف  
سرکوں پر گھومتو تو یقیناً بتلا دوں گا۔ وہ جس سرک پر موجود ہو گا۔“ مجھے پتہ چل  
جائے گا۔“ بوڑھے نے کہا۔

ایک لمحے کے لئے حمید کے ذہن میں اس شک نے سرائٹ بیاک کہیں اس کے  
خوش! کوئی گہری سازش نہ ہو۔“ لیکن پھر وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ یہ  
بوڑھا اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔

”ٹھیک ہے۔“ آپ میرے ساتھ چلیں۔“ اگر اس شخص کا پتہ چل گیا تو میں  
آپ کو محنت کا معقول معاوضہ دوں گا۔“ حمید نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ بوڑھے نے اس بات پر سر ہلادیا اور پھر چائے پی کر وہ  
دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ چائے کا بل حمید نے ادا کیا اور دونوں ریسٹورنٹ سے نکل



کر کار میں آ بیٹھے۔

اب کدھر چلوں؟ — حمید نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”کسی طرف بھی نکل چلو“۔ بوڑھے تہور تلے نے جواب دیا۔

اور حمید کی کار ایک سڑک پر تیزی سے بھاگنے لگی۔ مختلف سڑکوں پر گزرنے کے بعد جب وہ ایک قدرے سنان سڑک پر آئے تو بوڑھا بول اٹھا۔

”وہ شخص اسی سڑک پر کہیں موجود ہے۔“

اب اس کا کیسے پتہ چلے گا؟ — حمید نے سوال کیا۔

”تم چلے چلو۔ جب وہ قریب آیا تو میں بتا دوں گا“۔ بوڑھے نے جواب دیا اور حمید نے عجیب سی نظروں سے بوڑھے کو دیکھتے ہوئے کار کی رفتار قدرے آہستہ کر دی۔

”کافی دور نکل آنے کے بعد سڑک کے کنارے بنی ہوئی ایک چھوٹی سی کوٹھی کے قریب بوڑھے نے کار رکوادی۔

”حمید صاحب! — وہ شخص اس کوٹھی میں موجود ہے۔“ بوڑھے نے انکشاف کیا۔

”لیکن اس کا ثبوت؟ — حمید نے سوال کیا۔

”ثبوت حاصل کرنا تمہارا کام ہے۔ جہاں تک میسٹر م میں آیا ہے میں بتا دیا“۔ بوڑھے نے قدرے بے نیازی سے کہا۔

حمید نے کار ایک سائیڈ پر روکی اور پھر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ ویسے وہ گرد و پیش سے پوری طرح سے چوکنا تھا۔ اور پھر بوڑھا بھی کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

یہ جگہ آبادی سے کافی ہٹ کر تھی اس لئے یہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔

حمید بوڑھے کو ساتھ لئے دبلے قدموں سے کوٹھی کی طرف چلا۔ اس کا ہاتھ جیب میں پڑے ریوالور پر تھا اور پوری طرح سے محتاط تھا۔ کوٹھی سے چند قدم دور بوڑھا اس سے دو قدم پیچھے رہ گیا جس وقت حمید کو خیال آیا تو اس نے پلٹنا چاہا لیکن اسی لمحے اس کی پشت پر ناقابل برداشت دھکا لگا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا فرش پر جا گرا مگر اس نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔ لیکن اب بوڑھے کے ہاتھ میں ریوالور چمک رہا تھا۔

حمید کے دماغ میں جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی۔ اس نے ریوالور کی پرواہ کئے بغیر بوڑھے پر چھلانگ لگا دی۔ لیکن بوڑھے نے اسے یوں ہوا میں اچھال دیا جیسے گیسند اچھالی جاتی ہے۔ اس بار نیچے گرنے پر اسے بے حد چوٹ آئی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے اس کے دماغ پر دھند سی چھانے لگی۔ لیکن اس نے سر جھٹک کر اس دھند کو دور کر دیا لیکن اتنے میں اس بوڑھے کی زرد دار لالت اس کے جبرے پر پڑ چکی تھی۔ وہ اٹھتے اٹھتے پھر گر گیا۔ سجانے اس بوڑھے کے جسم میں کتنی طاقت تھی کہ حمید اس کی بے پناہ قوت کے سامنے اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگا۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور پھر قی سے ریوالور جیب سے نکال لیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا۔ بوڑھے کے ریوالور نے شعلہ اگلا۔ اور حمید کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر دور جا کر آ۔

”اب اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ میسٹر حمید“۔ بوڑھا بولا۔

حمید کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں کیونکہ وہ آواز پہچان چکا تھا۔ یہ بوڑھا یقیناً عمران تھا۔ حمید زبردست دھوکا کھا چکا تھا۔

”کار کی طرف چلو۔ اگر کوئی حرکت کی تو گرلی مار دوں گا“۔ عمران نے اسے حکم دیا اور حمید دل ہی دل میں اسے گایا اور دیتا ہوا کار کی طرف چل دیا۔ بوڑھا اس

سے ودھم پیچھے تھا۔

اچانک حمید کے کانڈھول پر ناقابل برداشت بوجھ پڑا۔ اس نے پھرتی سے اس بوجھ کو جھٹک دینا چاہا۔ یہ عمران تھا جس کے ہاتھوں نے اس کی گردن جگر لی تھی۔

حمید بے بس ہو گیا۔ دوسرے لمحے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر عمران نے انگوٹھے سے مخصوص دباؤ ڈالا اور حمید کو ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے جسم سے جان نکل گئی ہو۔ وہ ہاتھ پیر لانے سے بھی معذور ہو گیا تھا۔ عمران نے اسے گھسیٹ کر کار میں ڈالا اور پھر خود سٹیرنگ پر بیٹھ گیا۔ کار اس نے واپس موڑ دی۔

سنو حمید! — میں اگر چاہتا تو تم سے تشدد کے ذریعہ بھی پروفیسر کا سراخ لگوا لیتا — لیکن یہ پہلی بار تھی اس لئے میں نے جھوڑ دیا ہے۔ کرنل فریدی سے کہنا کہ یہ عمران کی طرف سے اس کی خدمت میں پہلا تحفہ ہے۔ مجھے علم ہے کہ کرنل فریدی نے تہاڑ بھی تعاقب کر لیا ہے اور تعاقب کرنے والا اس وقت بھی جا رہے آگے جا رہا ہے — اس نے یقیناً فریدی کو رپورٹ دے دی ہوگی لیکن وہ مجھے نہیں پاسکتا۔ اسے کہہ دینا کہ وہ پروفیسر اور فارمولے کو سنبھال کر رکھے۔ یہ میرا چیلنج ہے — میں یہ دونوں اس کے ہاتھ سے ضرور چھین لے جاؤں گا۔ عمران نے حمید سے مخاطب ہوئے کہا۔

حمید بے بس تھا۔ لیکن وہ سُن رہا تھا نہ ہاتھ پیر لاسکتا تھا اور نہ ہی بول سکتا تھا۔

کار اب شہر میں داخل ہو گئی تھی۔ عمران نے کار ایک تنگ گلی میں موڑ دی اور پھر پھرتی سے نیچے اتر کر ایک سائڈ گلی میں گھس گیا۔ مختلف جگہوں سے ہوتا ہوا وہ ایک تنگ سے مکان میں داخل ہو گیا۔

ناشتہ کی میز پر حمید کرنل فریدی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ فریدی نے اس کی وہ کیفیت رات ہی ریڑھ کی ہڈی کا مہرہ ٹھیک کر کے دور کر دی تھی۔ حمید کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔

”میں اسے کچا چا جاؤں گا۔ اس نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔؟ سالہ دھوکے باز۔ فراڈیا“ — حمید غصے سے بلبل رہا تھا۔

”صبر فرزند صبر۔ بہر حال اس نے تمہیں بے بس کر کے دوبارہ زندہ اٹھایا ہے ایک تو مجھ پر اپنی کارکردگی کا رعب جمایا ہے — دوسرا تعاقب سے بچ نکلا۔ جب تم ریٹائرمنٹ میں گئے تھے اس سے معذرتی دیر پہلے میکہ ایک آدمی کو اس پر شک ہوا۔ اس نے اس کا تعاقب کیا تو وہ تعاقب سے بچنے کے لئے ریٹائرمنٹ میں داخل ہو گیا۔ وہاں اسے تم نظر آ گئے۔ اس نے تمہیں سامنے لیا۔ اور پھر ایک تو تمہیں بے بس کر دیا۔ پھر تمہاری کار استعمال کر کے وہ تعاقب سے بچ نکلتے ہیں کہامیاب ہو گیا۔ اس کا مقصد دراصل فوری طور پر کار حاصل کرنا تھا“ فریدی نے اسے سچویشن کی تفصیل بتائی۔

”ہوں — تو یہ بات حق“ — حمید نے دانت کاٹتے ہوئے کہا۔  
”ہاں — اب اس نے پہل کر دی ہے — اب وہ میکہ ہاتھ بھی دیکھے

گا۔ فریدی نے سر دھجے میں کہا اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا۔  
”حمید! تم یہیں بیٹھو۔ اگر کوئی فون آتے تو فون کر لینا۔ میں دو گھنٹہ  
بعد آؤں گا۔“ فریدی نے حمید سے کہا اور پھر برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر پورے  
میں کھڑی لیکن کی طرف بڑھ گیا۔

دوسرے لمحے اس کی لیکن بڑی تیزی سے کماٹی کی پہاڑیوں کی طرف دوڑ رہی  
تھی۔ جہاں پر وینسٹر ڈاک ریز کے ناموں کو مکمل کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے  
اپنے تعاقب کا خیال رکھا لیکن کسی نے بھی تعاقب نہ کیا تھا۔

کافی دیر زیر زمین تجربہ گاہ میں رہ کر فریدی واپس شہر کی طرف آ رہا تھا۔  
اچانک اس کی نظر فٹ پاتھ پر پیدل جاتے ہوئے ایک آدمی پر پڑی۔ جو خاصی  
تیز رفتاری سے چل رہا تھا۔ فریدی کو اس کا چہرہ دیکھ کر شبہ ہوا کہ وہ میک آپ  
میں ہے۔ اس نے کار آگے جا کر ایک سائیڈ میں روک دی اور اس آدمی کا وہاں  
پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ آدمی کار کو اس کر کے آگے نکل گیا تو فریدی کا  
سہمے لیچے اتر آئے۔ اس نے کار لاک کی اور پھر اس کا تعاقب کرنے لگا۔

مختلف بازاروں سے ہوتا ہوا وہ شخص میٹروپول ہسٹل کے کمپاؤنڈ میں گھستا  
چلا گیا۔

یہ ایک اوسط درجے کا ہسٹل تھا جہاں اکثر درمیانی طبقے کے کاروباری لوگ رہائش  
پذیر ہوا کرتے تھے۔ فریدی اس کے مال میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس شخص نے ایک کمرہ  
حاصل کیا اور پھر بیڑھیاں چڑھ کر ادھری منزل کی طرف چلا گیا۔ اس کے جانے کے  
بعد فریدی کاؤنٹر پر آیا۔

”ایک فون کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے کاؤنٹر کلرک سے اجازت طلب کی

فریدی چونکہ میک آپ میں تھا۔ اس لئے کاؤنٹر کلرک نے اسے گاہک ہی سمجھا  
اس نے بڑی خوش اخلاقی سے اجازت دے دی۔

فریدی نے کوئٹی کے نمبر ڈائل کئے۔ جلد ہی دوسری طرف سے رسیور اٹھا  
لیا گیا۔

”حمید! میٹروپول ہسٹل فوراً پہنچو۔ میں تمہارے والا سودا نقد چکنا چاہتا  
ہوں۔ یعنی اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔“ فریدی نے حمید کو اشارہ  
کرتے ہوئے کہا۔

”میں آ رہا ہوں۔“ حمید کی خوشی سے بھرپور آواز آئی۔

فریدی نے رسیور رکھا۔ جیب سے ایک چھوٹا سا سکہ نکال کر کاؤنٹر پر رکھا  
اور خود میٹرکروپس اپنی میز پر آ بیٹھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ہی حمید بال میں داخل ہوا۔ اس نے ہلکا سا میک آپ  
کیا ہوا تھا۔ وہ سیدھا کرنل فریدی کی طرف آیا۔

”عمران کہاں ہے؟“ حمید نے بیٹھتے ہی فریدی سے پوچھا۔

”عمران نہیں۔ اس کا ساتھ تھا۔“ فریدی نے جواب دیا اور پھر اٹھ کر  
کھڑا ہو گیا۔

”آؤ چلو۔“ اس نے حمید کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور حمید اٹھ کر اس کے  
پچھے چل پڑا۔

فریدی سیدھا کاؤنٹر پر آیا۔

”ابھی ابھی میس ایک دوست یہاں آئے تھے۔ انہوں نے کونسا کمرہ  
لیا ہے؟“ فریدی نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔

”الوز صاحب۔“ کاؤنٹر کلرک نے نام کے ساتھ ساتھ حلیہ بھی بیان کر دیا۔



"ہاں۔ ہاں۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کمرہ نمبر چالیس میں بٹھڑے ہوئے ہیں۔ کیا میں انہیں فون پر آپ کی اطلاع کروں؟" کاؤنٹر کلرک نے خوش اخلاقی سے کہا۔  
 "نہیں۔ اسے مجھے اچانک مل کر زیادہ خوشی ہوگی۔" فریدی نے جواب دیا اور پھر سر پر بیڑھیال چڑھنے لگا۔

چند لمحوں بعد کرنل فریدی اور جمید دوم نمبر چالیس کے سامنے کھڑے تھے۔ فریدی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے قدرے سخت آواز آئی۔

"دوست۔" فریدی نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

دومنٹ کے انتظار کے بعد دروازہ کھل گیا۔ وہی شخص دروازے میں کھڑا بڑی حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"فرمائیے۔" اس کے لہجے میں حیرت صاف جھلک رہی تھی۔

"کیا آپ اخلاقاً ہمیں اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گے؟" فریدی کا لہجہ

بستور نرم تھا۔

قدرے ہچکچاہٹ کے بعد انور نے انہیں اندر آنے کو کہا اور ایک طرف ہو گیا۔ فریدی اور جمید اندر داخل ہو گئے۔

"تشریف رکھیے؟" انور نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور وہ دونوں صوفے پر بیٹھ گئے۔

"فرمائیے!۔" میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" انور نے لیک بار پھر سڑے مہذبانہ لہجے میں سوال کیا۔

"عمران کہاں ہے؟" فریدی نے اچانک سوال کیا۔ اس کا خیال تھا کہ

شخص ضرور اس غیر متوقع سوال پر چونکے گا۔ لیکن انور کا چہرہ بدستور سپاٹ تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی ضرور لہرائی تھی۔

"عمران۔" یہ صاحب کون ہیں؟" انور نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ فریدی کو اب مکمل یقین ہو گیا تھا کہ یہ شخص ضرور میک آپ ہیں۔ اور فریدی دل ہی دل میں اس کے میک آپ کی داد دینے لگا۔ جسے وہ خود بڑی مشکل سے

پہچان سکا تھا۔

مجھے کرنل فریدی کہتے ہیں۔ اور یہ میک اسسٹنٹ ہیں۔" کرنل فریدی

نے قدرے طنز پر لہجے میں اپنا تعارف کر لیا۔

"اوہ!۔ آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی ہے۔ آپ کے کارنامے تو ضرور

میں نے سنے تھے لیکن آپ کی زیارت نہیں ہوئی تھی۔" انور کا چہرہ بدستور سپاٹ تھا۔ جمید کو فریدی کی یہ سب باتیں ناگوار گزر رہی تھیں۔ اسے اب یقین ہو گیا تھا

کہ یہ عمران کا ساتھی ہے۔ وہ اپنا بدلہ لینے کے لئے بے چین تھا اور بار بار اپنی

مٹیال بند اور کھول رہا تھا۔

"آپ براہ مہربانی اپنا میک آپ صاف کریں۔" میں آپ کی اصل شکل دیکھنا

چاہتا ہوں۔" کرنل فریدی کا لہجہ مضحکہ اڑانے والا ہی تھا۔

"میک آپ۔" آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" اب انور بڑی طرح

بچھڑک پڑا۔

"جی ہاں!۔ میک آپ۔" فریدی نے میک آپ کے لفظ پر زور دیتے

ہوئے کہا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوتی ہے کرنل صاحب!۔" انور نے قدرے سخت

لہجے میں جواب دیا۔

”حمید! — تم میری غلط فہمی دور کرو“ — فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور جو کافی دیر سے دل ہی دل میں بیچ و تاب کھا رہا تھا، ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ حمید کے ارادے کو انور بھی بجانب کیا تھا، اس لئے وہ بھی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

”آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں اور میں زیادتی قطعی برداشت نہیں کر سکتا۔“ انور کے لہجہ میں غصہ تھا۔

لیکن حمید نے اس غصہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انور پر چھلانگ لگا دی۔ فریدی بڑے اطمینان سے اٹھا اور اس نے اٹھ کر دروازے کی اندر سے چھوٹ کر باہر نکل گیا۔ جیسے اس کے سامنے ڈرامہ ہو رہا ہو۔

حمید نے اپنی طرف سے بڑے محتاط ہو کر چھلانگ لگائی مگر اس کی جگہ پر فریدی کی پٹری پڑی تھی۔ فریدی نے اس کی پٹری سے ٹکرائے اور حمید اپنے ہی زور میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیپٹن ٹشکیل نے بڑی پھرتی سے اس کی پشت پر زوردار لٹ مارا۔ حمید بڑے سے کڑھ بڑھ گیا اور کیپٹن ٹشکیل اپنے ہی زور میں گھوم کر فرش پر گر پڑا۔ حمید پلٹ کر اس کے اوپر آگیا۔ حمید نے اوپر آتے ہی تیزی سے کیپٹن ٹشکیل کی ناک پر ٹکڑ مارا۔ اتنا زوردار تھا کہ اگر وہ ہاتھوں کا سہارا نہ لیتا تو یقیناً اس کا سر پاش پاش ہو جاتا۔ حمید دیوار سے ٹکرا کر پھرتی سے مڑا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے سرخ چادر آگئی ہو۔

”کیپٹن ٹشکیل اب بھی بڑے اطمینان سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ ویسے وہ فریدی کے قدموں میں جاگرا۔ کی طرف سے بھی پوری طرح چرکنا تھا۔ لیکن فریدی دروازے سے ٹیک لگاتے بڑے اطمینان سے کھڑا تھا۔ اس نے قطعاً دخل اندازی نہیں کی۔

حمید اب بے مد محتاط تھا کیونکہ وہ مد مقابل کی پھرتی اور قوت کا اندازہ لگا چکا تھا۔

”اچانک حمید کا جسم دائیں جانب جھکا۔ کیپٹن ٹشکیل دار پہانے کے لئے بائیں جانب جھکا اور میس وہ مار کھایا۔ حمید نے انتہائی تیزی سے پہلو بدل کر بائیں طرف جھکا۔ حمید کے سر کی زوردار ٹکڑ کیپٹن ٹشکیل کی ناک پر پڑی اور کیپٹن ٹشکیل لرز کھڑا گیا۔ اس کی ناک سے خون بہنے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا حمید کا لیفٹ ہک اس کے دائیں جبرے پر پوری طاقت سے پڑا اور کیپٹن ٹشکیل کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ حمید دوسرا ہک مارنے ہی والا تھا کہ کیپٹن ٹشکیل نے پھرتی سے اس کا بازو پکڑا اور پھر حمید اس کے سر پر سے ہوتا ہوا پچھلی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس بار حمید کو خاصی زوردار چوٹ لگی تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، کیپٹن ٹشکیل کی زوردار فلائنگ کلک اس کے سینے پر پڑی اور وہ — اوه — کرتا ہوا فرش پر جاگرا۔ اس کے جسم میں شدید درد کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔

”کیپٹن ٹشکیل نے اس کے جبرے پر بوٹ کی ٹھوک مارنی چاہی لیکن حمید تیزی سے کڑھ بڑھ گیا اور کیپٹن ٹشکیل اپنے ہی زور میں گھوم کر فرش پر گر پڑا۔ حمید پلٹ کر اس کے اوپر آگیا۔ حمید نے اوپر آتے ہی تیزی سے کیپٹن ٹشکیل کی ناک پر ٹکڑ مارا۔ اتنا زوردار تھا کہ اگر وہ ہاتھوں کا سہارا نہ لیتا تو یقیناً اس کا سر پاش پاش ہو جاتا۔ حمید دیوار سے ٹکرا کر پھرتی سے مڑا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے سرخ چادر آگئی ہو۔

”کیپٹن ٹشکیل اب بھی بڑے اطمینان سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ ویسے وہ فریدی کے قدموں میں جاگرا۔ کی طرف سے بھی پوری طرح چرکنا تھا۔ لیکن فریدی دروازے سے ٹیک لگاتے بڑے اطمینان سے کھڑا تھا۔ اس نے قطعاً دخل اندازی نہیں کی۔

حمید اب بے مد محتاط تھا کیونکہ وہ مد مقابل کی پھرتی اور قوت کا اندازہ لگا چکا تھا۔

رہا تھا۔ جس کا رخ کیپٹن شکیل کی طرف تھا۔

کیپٹن شکیل کا چہرہ خون سے تر ہونے کے باوجود سپاٹ تھا اور آنکھوں میں غصہ کی بے پناہ چمک تھی۔

حمید نے اسٹکر ایک بار پھر کیپٹن شکیل کی طرف لپکنا چاہا مگر فریدی اسے سختی سے ڈانٹ دیا۔

”مٹھو حمید“ فریدی بولا۔

اور حمید بادل نوار سے رک گیا۔

کیا تم میرے سوالوں کا جواب دینا پسند کرو گے؟ فریدی نے کہا۔

”ہرگز نہیں“ کیپٹن شکیل نے غصہ سے بھرپور لہجہ میں جواب دیا۔

”میں کہتا ہوں تمہیں جواب دینا پڑے گا“ فریدی کے لبے میں

کا سا زہر پلایا تھا۔

”اگر حمید سے کچھ نہیں ہو سکا تو تم بھی اپنے دل کے ارمان پورے کر لو“

کیپٹن شکیل نے ہنسنے لہجے میں جواب دیا۔

”میں تمہیں اس کا بھی موقع دوں گا“ لیکن ابھی نہیں۔ ابھی تو صبح

میرے سوالوں کا جواب دو“ فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

کیپٹن شکیل خاموش رہا۔

”تمہارے اور کتنے ساتھی اس ملک میں داخل ہوئے ہیں؟“ فریدی نے

پہلا سوال کیا۔

”میرا کوئی ساتھی نہیں ہے“ کیپٹن شکیل نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

”عمران کہاں ہے؟“ فریدی نے دوسرا سوال کیا۔

”میں کسی عمران کو نہیں جانتا“ کیپٹن شکیل نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

”حمید“ یہ ریوڑو رسنا لو۔ اگر یہ بھاگنے لگے تو بے شک اسے گولی مار دینا۔

فریدی نے ریوڑو حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

کیپٹن شکیل بھی سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

کرنل فریدی دو قدم اور آگے بڑھ آیا۔ کیپٹن شکیل اپنی جگہ جا کھڑا رہا۔ اس کی

فرق فریدی کے جسم پر چمکی ہوئی تھیں۔ فریدی اچانک اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر اس

کے پہلے کیپٹن شکیل اس کی حرکت کو سمجھتا۔ فریدی کے بوٹ کی مٹھو کیپٹن شکیل

مٹھو کیپٹن شکیل پر پڑی اور وہ اچھل کر سامنے بچھے ہوئے پٹنگ پر جاگرا۔ پٹنگ پر گرتے

ہی اس نے قلم بازی کھائی اور اب وہ پٹنگ کی دوسری طرف تھا۔

اب کرنل فریدی اور کیپٹن شکیل کے درمیان پٹنگ آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر

دو قدم اور آگے بڑھ کر اپنی پٹنگ کی دوسری طرف آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر

دو قدم اور آگے بڑھ کر اپنی پٹنگ کی دوسری طرف آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر

دو قدم اور آگے بڑھ کر اپنی پٹنگ کی دوسری طرف آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر

دو قدم اور آگے بڑھ کر اپنی پٹنگ کی دوسری طرف آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر

دو قدم اور آگے بڑھ کر اپنی پٹنگ کی دوسری طرف آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر

دو قدم اور آگے بڑھ کر اپنی پٹنگ کی دوسری طرف آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر

دو قدم اور آگے بڑھ کر اپنی پٹنگ کی دوسری طرف آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر

دو قدم اور آگے بڑھ کر اپنی پٹنگ کی دوسری طرف آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر

دو قدم اور آگے بڑھ کر اپنی پٹنگ کی دوسری طرف آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر

دو قدم اور آگے بڑھ کر اپنی پٹنگ کی دوسری طرف آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر

دو قدم اور آگے بڑھ کر اپنی پٹنگ کی دوسری طرف آگیا تھا۔ کرنل فریدی نے پھر



"تمہاری سلاحتوں کو زنگ لگ گیا ہے بر خوردار! — تمہیں عورتوں کی غفلت  
 دن لے ڈوبیں گی" — فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"آپ کا جسم تو فولاد کا بنا ہوا ہے — میں تو گشت پوست کا آدمی ہوں  
 حمید نے ڈھیٹ بن کر جواب دیا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔  
 "اب اس کہ کیا کرنا ہے —؟" — "میرے خیال میں گولی مار کر ختم کر دیں" —  
 نے رائے دی۔

"نہیں — اس سے ہمیں معلومات لینی ہیں — یہ شائد عمران کا کوئی نیا  
 ہے۔ اس کے چہرے کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ وہ ہر وقت سپاٹ رہتا ہے۔  
 سپاٹ پن سے ہی مجھے شک ہوا تھا کہ یہ میک آپ میں ہے" — فریدی  
 جواب دیا۔

"بسک اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ عمران کا سا بھتی ہے" —؟ حمید نے  
 اور نکتہ نکالا۔

"اسی شک کو مٹانے کے لئے تو میں نے تمہیں اس سے لڑایا تھا۔ اس  
 لڑنے کا انداز ہی بتاتا ہے کہ یہ سیکرٹ سروس کا رکشن ہے" — فریدی نے جواب  
 دیا اور حمید سر ہلا کر رہ گیا۔

"اچھا تم ایسا کر دو کہ اسے کانڈھے پر لا دو کہ نیچے لے چلو" — فریدی نے حمید  
 کو حکم دیا۔ اور پھر آگے بڑھ کر کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ میز کی دروازے  
 سے ایک ریوار کے علاوہ فریدی کو اور کچھ نہ ملا۔

حمید نے قوی ہیکل کیٹن شکیل کو بشکل اپنی پشت پر لا دیا اور پھر وہ دروازے  
 کھول کر سیڑھیاں اترنے لگے۔

جیسے ہی وہ بال میں پہنچے۔ کیٹن شکیل اور حمید کا علیحدہ دیکھ کر بال میں بیٹھے  
 نے لوگ چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

سکاؤٹز کمرے کے منہ سے چیخ بکھٹے بکھٹے رہ گئی۔ کرنل فریدی نے آگے بڑھ کر  
 اس کے سامنے اپنا کارڈ کر دیا۔ اور کارڈ پر کرنل فریدی کا نام دیکھ کر کاؤنٹر کھڑک  
 صحت اور خوف سے گنگ رہ گیا۔

کرنل فریدی اور کیٹن شکیل کو اٹھائے ہوئے حمید خاموشی سے بال سے باہر  
 نکلے اور پھر ریٹورنٹ کی سائیڈ میں کھڑی ہوتی حمید کی فوکس دیگن کی پچھلی سیٹ پر  
 کیٹن شکیل کو لٹا دیا اور وہ خود دونوں آگے بیٹھ گئے۔

"سندھ روڈ سے ہوتے ہوئے کو مٹی چلو — مجھے اپنی کار لینی ہے" — فریدی  
 نے حمید کو کہا اور حمید نے کار کا رخ سندھ روڈ کی طرف کر دیا۔



عمل خانے نے میک آپ میں کار لے کر نکالا۔ اس کا پردہ گرام تھا کہ وہ ذیہ خارجہ  
 کے سیکرٹری کا روپ دھارے۔ چنانچہ وہ چاہتا تھا کہ ذیہ خارجہ کے دفتر کا پورا  
 محل وقوع دیکھ لے اور پھر مزید کارروائی کرے۔

جب اس کی کار میٹروپول ہوٹل کے سامنے سے گزری تو وہ یہ دیکھ کر چونک پڑا  
 کہ حمید اور کرنل فریدی بے ہوش کیٹن شکیل کو ایک کار میں ڈال رہے ہیں۔ کرنل فریدی

اور کپٹن شکیل اپنی اصل شکل میں تھے۔ حمید کا میک اپ بھی بگڑا ہوا تھا۔ اس  
 عمران نے دُور ہی سے انہیں پہچان لیا تھا۔  
 "ہوں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ کرنل فریدی، کپٹن شکیل تک پہنچے  
 ہے۔" عمران نے دانتوں پر دانت جاتے ہوئے کہا۔

عمران نے اپنی کار کی رفتار کم نہیں کی تھی۔ کافی آگے جا کر اس نے ایک چوکر  
 سے کار موڑ دی اور پھر فٹ پاتھ کی سائیڈ میں کھڑی کر دی۔ وہاں ادھر ادھر بہنے کے پیچھے لیکن اسے دور دور تک نظر نہ آئی۔ شاید کرنل فریدی کسی اور جگہ چلا گیا تھا اتنے  
 کاریں کھڑی تھیں اس لئے کسی کا اس کی کار کی طرف متوجہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔  
 پھر اس کو فریدی کی کار مخالف سمت میں ہاتھی نظر آئی اور اس نے کافی فاصلہ پارچو کر خاموشی سے تیز رفتار سے جا رہی تھی اس لئے یہ عمران ہی تھا جس کا پہلا نشانہ  
 سے اس کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ سڑک پر چونکہ ٹریفک کا کافی رش تھا اس لیے صبح لگا۔  
 فریدی تعاقب سے باخبر نہیں ہو سکتا تھا۔

سندر روڈ پر جب فریدی کی کار کی تو عمران نے بھی ایک سائیڈ میں کار روک کر  
 فریدی کی کار سے اتر کر سڑک کو اس کر کے مخالف سمت میں گیا۔ اور پھر وہاں  
 کو فریدی کی لیکن کھڑی نظر آگئی۔  
 "یہ یقیناً کوٹھی پر جائیں گے۔" عمران نے سوچا اور پھر اپنی کار آگے  
 بڑھا دی۔

عمران انہیں کراس کرتا ہوا آگے نکل گیا۔ اس نے کار کی رفتار اور بڑھا دی۔ عمران جواب قریب آچکا تھا۔ چینا۔  
 اور پھر اگلے چوک سے سڑک روک دیا۔ اس سڑک پر کافی دُور  
 ایک اور چوک آتا تھا۔ یہ سڑک قدرے غیر آباد تھی اس لئے اس نے سڑک  
 سائیڈ میں ایک زیر تعمیر کوٹھی کی ایک دیوار کی اوٹ میں کار کھڑی کی اور خود نیچے آ  
 آیا۔ زیر تعمیر کوٹھی خالی پڑی تھی۔ آج شام مزدوروں وغیرہ کی چھٹی کا دن تھا۔ اسے

حمید ٹھٹھا کر رہ گیا۔ وہ عمران کو پہچان نہ سکا تھا۔  
 عمران قریب آتے ہی اچانک اچھلا اور اس کی زور دار فلائنگ لک حمید کے سینے  
 پر پڑی۔ حمید الٹ کر دوسری طرف جا کر۔ عمران نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور ریلاور  
 بائیں ہاتھ میں کپڑے کا تار بڑا توڑ دو تین گولے اس کے سر پر جڑ دیتے۔ نتیجہ عمران کے

اپنے کام کے لئے ایک سن شیلڈ پیدا اور وہ تیزی سے اچھل کر اس شیلڈ پر چڑھ گیا۔  
 سائیڈ میں دیوار بڑھی ہوئی تھی اس لئے اس طرف سے دیکھے جانے کا کوئی خطرہ نہ تھا  
 اس نے جسم کو سائیڈ میں رکھا اور جیب سے ریلاور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اب ریلاور  
 کی نال کارخ ادھر ہی تھا جدھر سے حمید کی کار آتی تھی۔

چند لمحوں بعد اس کو حمید کی کار آتی ہوئی دکھائی دی۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اس  
 سے دور دور تک نظر نہ آئی۔ شاید کرنل فریدی کسی اور جگہ چلا گیا تھا اتنے  
 کاریں کھڑی تھیں اس لئے کسی کا اس کی کار کی طرف متوجہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔  
 پھر اس کو فریدی کی کار مخالف سمت میں ہاتھی نظر آئی اور اس نے کافی فاصلہ پارچو کر خاموشی سے تیز رفتار سے جا رہی تھی اس لئے یہ عمران ہی تھا جس کا پہلا نشانہ  
 سے اس کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ سڑک پر چونکہ ٹریفک کا کافی رش تھا اس لیے صبح لگا۔

عمران نے شیلڈ سے چھلانگ لگا دی۔ حمید کی کار رک گئی تھی اور پھر حمید کار کا دروازہ  
 کھولا کر باہر نکلا۔ اس نے پیچھے اکر لیوٹا کر کی طرف دیکھا۔  
 عمران اب کافی نزدیک آچکا تھا۔ پھر جیسے ہی حمید منہ سے سیٹی کی آواز نکالتا ہوا  
 سیدھا ہوا۔ عمران نے گولی چلا دی۔ اس نے جان بوجھ کر نشانہ صحیح نہیں لیا تھا اور  
 گولی حمید کے کان کے قریب سے ہو کر گر گئی۔  
 "خبردار جو جیب میں ہاتھ ڈالا۔ دوسری گولی دل میں بھی پیوست ہو سکتی ہے۔"

عمران جواب قریب آچکا تھا۔ چینا۔  
 حمید ٹھٹھا کر رہ گیا۔ وہ عمران کو پہچان نہ سکا تھا۔  
 عمران قریب آتے ہی اچانک اچھلا اور اس کی زور دار فلائنگ لک حمید کے سینے  
 پر پڑی۔ حمید الٹ کر دوسری طرف جا کر۔ عمران نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور ریلاور  
 بائیں ہاتھ میں کپڑے کا تار بڑا توڑ دو تین گولے اس کے سر پر جڑ دیتے۔ نتیجہ عمران کے

حسب توقع ہی رہا۔

بہس کے نیچے تہہ خانے بھی ہیں۔ نادر نے جواب دیا۔

تو ٹھیک ہے۔ تم اپنا ضروری سامان اٹھاؤ اور جلدی آؤ۔ ہم ابھی یہ چھوڑ رہے ہیں۔ عمران نے کہا اور پھر خود بھی اندر چلا گیا۔

جب عمران واپس باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ تھا۔ اور پھر بھی ایک اٹیچی کیس اٹھائے آگیا۔ وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

ادہ! — یہ تو کیسٹن شکیل اور حمید ہیں۔ نادر نے پچھلی سیٹ پر پڑے دونوں کو دیکھ کر کہا۔

ہاں! — چوکیدار کو کہہ دو کہ میں چند دنوں کے لئے باہر جا رہا ہوں۔ اور سیدھا دو کہ میرا ذکر نہ کرے۔ عمران نے کار پھاٹک کے قریب روکتے ہوئے

نادر کا کہہ کر نیچے اتر گیا اور پھر اس نے چوکیدار کو وہ بات اچھی طرح سمجھا دی پھر کار میں آکر بیٹھ گیا۔

کار کو مٹی سے باہر نکلی اور کافی تیز رفتاری سے سڑک پر بھاگنے لگی۔



صفدر ایک ایسے آدمی کے پاس ٹھہرا تھا جو اس کا کافی پرانا دوست

اس ملک میں جب بھی صفدر کا آنا ہوتا وہ دو ایک دان نذر اس کے پاس ٹھہرتا۔ صفدر کا دوست جس کا نام تیمور تھا۔ کاماٹی کی لیبارٹری میں کام کرتا تھا۔ صفدر کو

حمید جو پہلی لڑائی سے تھکا ہوا تھا بے ہوش ہو گیا۔ چونکہ بہر حال یہ سڑک مٹی لئے ٹران نے بھی پھرتی دکھائی تھی اس نے تیزی سے حمید کو گھسیٹ کر فوکس ڈالا اور پھر خود ٹیڑنگ پر بیٹھ گیا۔ کار کو وہ تفریق باکھینٹا ہوا اس طرف لے آیا اس کی اپنی کار موجود تھی۔ اس نے انتہائی تیزی سے ان دونوں کو اپنی کار میں منسلک اور پھر کار اسٹارٹ کر کے سڑک پر چڑھا دی۔ اسی اثناء میں ایک دو کاریں وہاں گزریں لیکن عمران کی کار چونکہ دیوار کی اوٹ میں تھی اس لئے وہ صورت حال اندازہ نہ کر سکے۔

عمران نے کار ادھر ہی دوڑا دی جدھر فریدی کی کو مٹی تھی۔ جلد ہی وہ فریدی کی کو مٹی پر اس کر گیا۔ اب وہ سیدھا جا رہا تھا۔ دو تین سڑکوں پر چکر کھا کر جب اعلیٰ نیاں ہو گیا کہ اس کا تعاقب نہیں ہو رہا۔ اس نے کار کا رخ گھدین کا لونی کی طرف موڑ دیا۔

نادر کی کو مٹی کے پھاٹک پر رک کر عمران نے بارن دیا۔ پھاٹک جلد ہی کھلی گیا وہ کار اندر پورچ میں لیٹا چلا گیا۔ نادر اسے برآمدے ہی میں مل گیا۔ عمران دروازہ کھول کر تیزی سے نیچے اتر آیا۔

نادر! — کیا تمہاری نظر میں اور کوئی محفوظ جگہ ہے۔؟ خاص طور پر اگر اس کے نیچے تہہ خانے ہوں تو۔ عمران نے سوال کیا۔

”کیسٹن — کیا بات ہے۔؟“ نادر نے حیرت سے پوچھا۔

تم میرے سوال کا جواب دو — بات بعد میں پوچھ لینا۔ عمران نے قدرے سختی سے کہا۔

ہاں! — میرے ایک دوست کی ایک کو مٹی خالی ہے۔ وہ فارن گیا ہو



وہ صرف بزنس میں سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کیا ہے ؟  
ادھر صفدر نے کبھی اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی کہ وہ اس سے پوچھتا کہ  
کہاں ملازم ہے ۔۔۔ صفدر کو اس کے پاس جانے سے پہلے میک اپ اتارنا  
اب وہ کمرے میں بیٹھا سوچ ہی رہا تھا کہ تیمور واپس آئے تو اسے اپنے متعلق کچھ  
تھا کہ اگر وہ کسی وقت میک اپ میں جائے یا آئے تو وہ شک نہ کرے اسے کل لیا  
کہ تیمور ایسا دوست ہے جو اس کے لئے کسی صورت سے بھی نقصان دہ نہیں  
تیمور کے آنے کا وقت کافی دیر ہوئی گذر چکا تھا لیکن تیمور ابھی تک نہیں آیا  
یہ شہاب کا لونی میں ایک چھوٹی سی کوٹھی تھی جہاں تیمور اکیلا رہتا تھا۔ اس نے  
تک شادی نہیں کی تھی۔

تیمور کافی دیر بعد واپس آیا۔ اس نے کارپورچ میں کھڑی کی اور پھر تھکے  
انداز میں کمرے میں داخل ہوا۔

غیرت تھی۔ آج بہت لیٹ آئے۔۔۔ صفدر نے اسے دیکھ کر  
سوال کیا۔

"یار کیا پوچھتے ہو۔ کچھ دنوں سے لیبارٹری میں کام بہت کرنا پڑتا ہے"  
تیمور نے جواب دیا۔

"لیبارٹری میں"۔۔۔ صفدر نے چونک کر پوچھا۔  
"ہاں دوست!۔۔۔ میں یہاں ایک لیبارٹری میں کام کرتا ہوں"۔۔۔ تیمور

ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔  
"تو کیا تم سائنسدان ہو؟"۔۔۔ صفدر نے حیرت سے پوچھا۔

"ارے نہیں۔۔۔ میں صرف اسٹور انچارج ہوں لیبارٹری میں ضروری آلات  
دیگر سامان مہیا کرنا میری ڈیوٹی ہے"۔۔۔ تیمور نے کہا۔

"اوہ!۔۔۔ اچھا میں نے سمجھا تیمور صاحب سائنسدان ہیں"۔۔۔ صفدر نے ہنستے  
ہوئے کہا۔

"تم بڑے تو ہوتے ہو گئے"۔۔۔ تیمور نے پوچھا۔  
"نہیں۔۔۔ بڑے نہیں ہوا۔۔۔ بس تمہارا انتظار کر رہا تھا"۔۔۔ صفدر نے سوال

پوچھا۔  
"یار تمہاری بھی مجھے سمجھ نہیں آتی۔۔۔ جب سے آئے ہو کوٹھی میں گھسے ہوئے ہو۔

ارے اللہ کے بندے!۔۔۔ کچھ سیر و تفریح بھی کیا کرو"۔۔۔ تیمور نے کہا۔  
"مقرر کریں گے۔۔۔ آج کل ذرا طبیعت پر کچھ سستی سی چھائی ہوئی ہے۔۔۔ باہر

نکلنے کو دل نہیں چاہتا"۔۔۔ صفدر نے انکار آتی لیتے ہوئے کہا۔  
"کسی ڈاکٹر وغیرہ سے بات کریں"۔۔۔ تیمور نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں۔۔۔ ایسی فی الحال کوئی بات نہیں کر ڈاکٹر کو تکلیف دی جلتے۔۔۔  
صفدر نے ہنستے ہوئے کہا اور تیمور بھی ہنس پڑا۔

"کوئی لیبارٹری میں کام کر رہے ہو؟"۔۔۔ صفدر نے پوچھا۔  
"یہاں سے کافی دور ہے"۔۔۔ تیمور صفدر کا سوال ٹال گیا۔

"میں نے یہ تو نہیں پوچھا تھا کہ وہ دور ہے یا نزدیک۔۔۔ کیا بات ہے کیا ڈاکٹر  
کو تکلیف دینا ہی پڑے گی"۔۔۔ صفدر نے کہا

"اور تیمور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔  
"یار!۔۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایک سکرریٹری راز ہے اور ٹاپ سیکرٹ" تیمور

نے منہ بناتے ہوئے کہا۔  
"اوہ!۔۔۔ پھر ٹھیک ہے مت بتاؤ۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ میں کوئی جاسوس وغیرہ

ٹاپ کی شے ہوں۔ اور کل تو تم بندھے پھرو"۔۔۔ صفدر نے ہنستے ہوئے کہا اور

تیمور شرمندہ ہو گیا۔  
 "نہیں نہیں۔ تم مائدہ مت کرو۔ میں بتا دیتا ہوں۔ یہاں سے میں  
 دُور کا مانی کی پہاڑی ہے۔ اس کے نیچے خفیہ لیبارٹری ہے وہاں کام کرتا ہوں  
 دراصل آج کل ایک نیا سائنسدان آیا ہے۔ جرمن یہودی ہے۔ اس کے آنے پر  
 بہت سیکرٹ کر دیا گیا ہے اور اسی کے لئے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے اور اسی  
 دیر ہو جاتی ہے۔" تیمور نے تمام بات اگل دی۔

"اوہ خفیہ۔ ارے یار تم تو جاسوسی نادلوں کے کردار معلوم ہو رہے ہو۔  
 بڑی دلچسپ زندگی ہو گی تمہاری بھی۔ یعنی خفیہ لیبارٹری۔ پھر جیسے جاسوس  
 نادلوں میں ہوتا ہے۔ آدمی جائے تو کوڑ بٹا کر جاتے۔ چیک پوسٹوں پر  
 دے وغیرہ وغیرہ۔" صفدر نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا۔  
 "خاک پر لطف ہوتی ہے۔ بور ہو جاتا ہے آدمی۔" یہ کیا بات ہو  
 صبح و شام تلاشی دو۔ کوڑ دہرات پھرو۔ تیمور نے اکتائے ہوئے لہجے میں  
 "یار مجھے تو یہ بڑا رومانٹک لگ رہا ہے کہ آدمی جائے اور کوئی اوٹ پٹا ٹنگ  
 کوڑ مثلاً۔ بن بادل برسات۔ ستارے چمک رہے ہیں۔ سورج کو  
 لگ رہی ہے۔ وغیرہ وغیرہ دہرائے۔" صفدر نے آنکھیں میٹکتے ہوئے  
 کہا جیسے وہ اس کے تصور سے ہی لطف اندوز ہو رہا ہو۔  
 "ارے نہیں۔ اس قسم کے کوڑ تو جاسوسی نادلوں میں ہوتے ہوں گے۔  
 تو سیدھا سادہ سا کوڑ ہوتا ہے اور بڑا غیر دلچسپ سا۔ یعنی زیر و مقری  
 اب بتاؤ اس میں کیا رومانٹک پن ہے۔" تیمور نے جواب دیا۔ وہ بے خیالی میں  
 کوڑ بھی بتا لیا تھا۔  
 "اچھا یار۔ چھوڑ دو کوئی اور بات کرو۔ یہ بتاؤ کہ بھابھی کب لارے ہو۔"

تیمور نے فوراً ہی موضوع بدل دیا۔  
 "بہن بھی۔ کیا تباہ یار۔ کوئی لڑکی سی اس قابلِ نظر نہیں آتی کہ اسے  
 ہماری بھابھی بناؤں۔" تیمور نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔  
 "واہ بھتی واہ۔ بڑا اونچا آئیڈل ہے تمہارا۔" میرا کہا نا تو کسی بھی شریف  
 لڑکی کا ہاتھ مقام لو۔ اس دنیا میں حوریں پیدا نہیں ہوتیں مگر تیمور۔" صفدر  
 نے نیندگی سے کہا۔  
 "ہاں۔ اب تو میں بھی یہی سوچنے لگا ہوں۔" تیمور نے کہا۔  
 "اچھا دوست۔" میرے خیال میں چائے بنا کر جاتے۔ یار! یہ ملازم بھی  
 چھٹی چھٹی کر کے گیا ہے۔ کئی دن ہو گئے ہیں آیا ہی نہیں ہے۔" تیمور  
 نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"کوئی ضروری کام پڑ گیا ہو گا اسے۔" صفدر نے لاپرواہی سے کہا۔ اور  
 تیمور سر ہلاتا ہوا کچن کی طرف پہلا گیا۔  
 صفدر کا دل خوشی سے یلوں اچھل رہا تھا۔ قدرت نے خود بخود گھر بیٹھے  
 معلومات دے دی تھیں۔ اب وہ بے چین تھا کہ کوئی موقع کھلے تو عمران کو کال کر کے  
 معلومات دے۔  
 ابھی صفدر اسی سوچ میں تھا کہ تیمور باغیچہ میں برتن لئے آن پہنچا۔  
 "بھتی دُور اور پتی ختم ہے۔ میں ذرا مارکیٹ سے لے آؤں۔" تیمور  
 نے کہا۔  
 "اچھا لے آؤ۔" صفدر نے کہا۔ اور تیمور برآمدہ پارک کے گیٹ کی طرف  
 پہلا گیا۔  
 مارکیٹ دہاں سے کمانی دور تھی۔ اس لئے صفدر نے موقد غنیمت سمجھا اور

تیمور شرمندہ ہو گیا۔  
 "نہیں نہیں۔ تم مائدہ مت کرو۔ میں بتا دیتا ہوں۔ یہاں سے میں  
 دُور کا مانی کی پہاڑی ہے۔ اس کے نیچے خفیہ لیبارٹری ہے وہاں کام کرتا ہوں  
 دراصل آج کل ایک نیا سائنسدان آیا ہے۔ جرمن یہودی ہے۔ اس کے آنے پر  
 بہت سیکرٹ کر دیا گیا ہے اور اسی کے لئے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے اور اسی  
 دیر ہو جاتی ہے۔" تیمور نے تمام بات اگل دی۔  
 "اوہ خفیہ۔ ارے یار تم تو جاسوسی نادلوں کے کردار معلوم ہو رہے ہو۔  
 بڑی دلچسپ زندگی ہو گی تمہاری بھی۔ یعنی خفیہ لیبارٹری۔ پھر جیسے جاسوس  
 نادلوں میں ہوتا ہے۔ آدمی جائے تو کوڑ بٹا کر جاتے۔ چیک پوسٹوں پر  
 دے وغیرہ وغیرہ۔" صفدر نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا۔  
 "خاک پر لطف ہوتی ہے۔ بور ہو جاتا ہے آدمی۔" یہ کیا بات ہو  
 صبح و شام تلاشی دو۔ کوڑ دہرات پھرو۔ تیمور نے اکتائے ہوئے لہجے میں  
 "یار مجھے تو یہ بڑا رومانٹک لگ رہا ہے کہ آدمی جائے اور کوئی اوٹ پٹا ٹنگ  
 کوڑ مثلاً۔ بن بادل برسات۔ ستارے چمک رہے ہیں۔ سورج کو  
 لگ رہی ہے۔ وغیرہ وغیرہ دہرائے۔" صفدر نے آنکھیں میٹکتے ہوئے  
 کہا جیسے وہ اس کے تصور سے ہی لطف اندوز ہو رہا ہو۔  
 "ارے نہیں۔ اس قسم کے کوڑ تو جاسوسی نادلوں میں ہوتے ہوں گے۔  
 تو سیدھا سادہ سا کوڑ ہوتا ہے اور بڑا غیر دلچسپ سا۔ یعنی زیر و مقری  
 اب بتاؤ اس میں کیا رومانٹک پن ہے۔" تیمور نے جواب دیا۔ وہ بے خیالی میں  
 کوڑ بھی بتا لیا تھا۔  
 "اچھا یار۔ چھوڑ دو کوئی اور بات کرو۔ یہ بتاؤ کہ بھابھی کب لارے ہو۔"

اٹھ کر کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ اس نے ریسٹ واپس کا ڈنڈ بٹن کھینچا۔ گھڑی والا خانہ سرخ ہو گیا اور گھڑی سے ہلکی ہلکی سیٹی کی آواز نکلنے لگی۔ چند لمحوں بعد کی سرنجی سبزی میں تبدیل ہو گئی۔

"ہیلو ہیلو۔۔۔ صفر سپیکنگ اور۔۔۔" صفر نے گھڑی کے ساتھ ہلکی سی آواز میں کہا۔

"ہیلو۔۔۔ عمران وس سائیڈ اور۔۔۔" دوسری طرف سے عمران کی سنائی دی۔

"عمران صاحب! ایک خوشخبری ہے۔ میں یہاں ایک دوست کے مٹھا ہوا ہوں۔ ہل کا لون کی کھٹی نمبلا۔ اس دوست کا نام تیمور ہے۔ کامائی کی پہاڑی کے نیچے بنی ہوئی خفیہ لیبارٹری میں کام کرتا ہے۔ پروفیسر ڈاک اسی لیبارٹری میں فارمولا مکمل کر رہا ہے۔ اور۔۔۔" صفر نے مختصر طور پر معلومات آگے بڑھا دیں۔

"اوہ صفر!۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔ ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔ میں تم کے لئے وزیر خارجہ کے سیکرٹری کو اعزا کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ معلومات ہوئیں۔ اور۔۔۔؟ عمران کی مسرت سے جھلپور آواز سنائی دی۔

"بس باتوں ہی باتوں میں پتہ چل گیا۔ میں نے کوڑ بھی معلوم کر لیا۔ یعنی زیر و ستہری۔ اور۔۔۔" صفر نے کہا۔

"ویری گڈ!۔۔۔ کیا بات ہے صفر۔ بڑے تیز جارہے ہو یا۔۔۔" تیمور بھی کان کاٹنے لگے۔ اور۔۔۔ عمران کی آواز میں مسرت و خوشی کا غصہ ہو گیا تھا۔

"مفتیک گڈ۔۔۔ اب بتائیے۔ مزید کیا پروگرام ہے۔ اور۔۔۔؟" صفر۔

سوال کیا۔

"تمہارا دوست دہاں کیا کام کرتا ہے۔ اور۔۔۔؟ عمران نے سوال کیا۔

"سٹور انچارج ہے۔ اور۔۔۔" صفر نے جواب دیا۔

"ویری گڈ!۔۔۔ کیا وہ تمہاری قد قناعت کا ہے۔ اور۔۔۔؟ عمران نے پھر سوال کیا۔

"ہاں۔ اور۔۔۔" صفر نے مختصر سا جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے۔۔۔ تم اس کا میک اپ کر کے لیبارٹری پہنچ جاؤ۔ حالات کی نگرانی کرو۔۔۔ پھر جیسا ہوگا۔ دیکھا جائے گا۔ اور۔۔۔" عمران نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

"سیکن اس کے لئے۔۔۔" صفر کچھ ہچکچایا۔

"تم سوچ رہے ہو گے کہ دوست کو ختم کرنا پڑے گا۔ تو مجائی وطن کی محبت میں آدمی کیا کچھ نہیں کرتا۔ اور قدرت نے یہ موقع ہمیں دیا ہے۔ ہم بھی تو اپنی جانیں ملک کے لئے ہتھیلی پر اٹھاتے پھر رہے ہیں۔ اور۔۔۔" عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ پھر میں جانے سے پہلے آپ کو کال کروں گا۔ اور۔۔۔" صفر نے قہر سے مایوسی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ اور اینڈ آل۔۔۔" عمران نے کہا اور پھر تاریخ والا خانہ ٹاپک ہو گیا۔

صفر نے جلدی سے ڈنڈ بٹن دوبارہ دبا کر فٹ کیا اور پھر آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور پھر اجمعی دہ کر سی پر بیٹھا جی تھا کہ تیمور کو کھٹی میں داخل ہوا اور سیدھا کچن کی طرف چلا گیا۔ صفر سوچنے لگا کہ واقعی کسی بے گناہ کو ختم کرنا انتہائی ظلم ہے۔ لیکن



وہ کیا کرتا۔ مجبور تھا۔ ملک کی عزت اور کرداروں ہم وطنوں کی زندگی کا سوال تھا۔  
نے کندھے جھٹکتے ہوئے سوچا۔

تیمور چائے تیار کر کے آیا۔ دونوں نے چائے پی اور پھر وہ ناش کینے  
کا کافی ات گئے۔ تیمور صدر کو اعلان کر سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا  
کا کافی دیر بعد جب سفدر کو یقین ہو گیا کہ تیمور سو گیا ہو گا۔ وہ آہستہ سے اٹھا۔  
اپنے اپنے بیک کی خفیہ تھپ سے ریوالت نکالا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا تیمور کے  
خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ باہر کا دباؤ دیتے ہی پٹ کھل گئے اور  
آہستہ سے اندر داخل ہوا۔ بیڈ لائٹ کی ہلکی سی روشنی میں تیمور پٹنگ پر گہری نیند  
ہوا تھا۔

”اچھا درست۔ تم میرے ملک کے لئے قربانی دے رہے ہو۔ میں تمہیں  
ہمیشہ یاد رکھوں گا۔“ سفدر نے سوچا اور پھر ریوالت سیدھا کر کے اس کے دل  
نشانہ کیا۔ اور آنکھیں بند کر کے اس نے ٹریجر پر انگلی کا دباؤ ڈال دیا۔ سائمنر کے  
ریوالت سے ایک ہلکی سی آواز نکلی اور تیمور پٹنگ پر تر پٹنے لگا۔ گولی ٹھیک دل پر  
لگی تھی۔ اس لئے چند ہی لمحے بعد تیمور ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں  
ان میں حیرت صاف پھیل رہی تھی۔

سفدر خاموشی سے واپس اپنے کمرے میں چلا گیا اور پھر ریوالت دہاں بیٹھنے کے  
بعد وہ دوبارہ تیمور کے کمرے میں آیا۔ اس کی لاش اٹھا کر وہ سٹائن کے پاس  
اس کے خزانے کو لے کر آئے۔ غفلت نے ان پر پڑے خون کے داغ دھوئے پھر  
وہ بستر کی چادر اٹھا لے لی۔ یہ بھی اچھی طرح دھویا اور پھر سب کپڑوں کو سوکھنے  
کے لئے ڈال دیا۔

اب صبح ہونے والی تھی اور سفدر کو معلوم ہوا کہ تیمور صبح رات بے یہاں سے

بات ہے اس لئے اسے بھی صبح ٹائم پر وہاں پہنچنا تھا۔

سفدر نے تیمور کی لاش کو سامنے رکھ کر پلاٹک ایک آپ کیا۔ پھر اس کی لاش  
کو وہیں غفلت نے میں چھوڑ کر اس نے الماری سے تیمور کا سوٹ نکال کر پہنا۔ پوری  
تیار کر کے وہ کمرے میں آیا اور پھر جانے سے تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے اس نے عمران  
کو دوبارہ کال کیا۔ جلد ہی رابطہ مل گیا۔

”عمران صاحب! میں نے تیمور کو ختم کر دیا ہے اور اس کا میک آپ بھی  
کر لیا ہے۔ آدھے گھنٹے بعد میں یہاں سے لیبارٹری جاؤں گا۔ آپ ایسا  
کریں کہ میسر می عدم موجودگی میں یہاں سے تیمور کی لاش اور وہ کپڑے جن پر خون  
لگا ہوا تھا۔ میں نے دھو دیئے ہیں۔ وہ بھی لے جائیں تاکہ تشک نہ پڑے اور۔“  
سفدر نے رابطہ ملتے ہی کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں انتظام کرادوں گا۔ ہاں! اس بات کا خیال  
رکھنا کہ لیبارٹری سے مجھے کال نہ کرنا اور وہاں محتاط رہنا۔ کہیں کسی کو ہم پر تشک  
نہ ہو جائے۔ وہاں کڑل فہریدی کی بلیک فورس کا جال بچھا ہوا ہو گا اور۔“  
عمران نے اسے ہدایات دیں۔

”ٹھیک ہے۔ میں خیال رکھوں گا۔ اور۔“ سفدر نے جواب دیا۔

”اور اینڈ آف“ عمران نے کہا اور رابطہ ختم ہو گیا۔

سفدر نے اپنی گھڑی اتار کر وہیں میز کی دراز میں رکھی اور تیمور کی گھڑی پہن لی۔  
پھر وہ کار لے کر کوٹھی سے نکل گیا۔ کوٹھی کے گیٹ پر اس نے جان بوجھ کر تالا نہیں  
ڈالا تھا۔

”فریادے۔۔۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔۔۔“ مینجر نے اشتیاق آمیز  
لہجے میں کہا۔

”آپ برلیف کیس تیار کرتے ہیں۔۔۔“ کرنل فریدی نے پوچھا۔  
”جی ہاں جناب!۔۔۔ ہماری کچنی ہر قسم کے برلیف کیس تیار کرنے میں بین الاقوامی  
شہرت رکھتی ہے۔۔۔“ نوجوان مینجر نے بڑے فخر سے جواب دیا۔  
”مجھے ایک خاص قسم کے برلیف کیس تیار کروانے ہیں۔۔۔ کیا آپ میری ہدایت  
کے مطابق اس قسم کے برلیف کیس تیار کر دیں گے۔۔۔“ کرنل فریدی نے کہا۔  
”آپ ہدایت دیجئے۔۔۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی مرضی کے مطابق برلیف کیس  
بن جائیں گے۔۔۔“ مینجر نے جواب دیا۔

”بہتر ہے۔۔۔“ آپ ایک سال سا ناز کا برلیف کیس بنوا دیجئے۔ جس میں فبر ایک  
اس قسم کا لاک لگا ہوا ہو کہ جب اسے مخصوص چابی کے بغیر کھولا جائے تو اس میں سے  
ایک مخصوص قسم کی گیس نکلے۔ اس لاک میں سپرے ٹائپ کا نظام ہو اور چھوٹا سا گیس بھرنے  
کا خانہ بھی ہو۔۔۔ دوسرا اس برلیف کیس کی تہہ ڈبل کی بجائے تہری ہو۔ یعنی اس  
کی تین تہیں ہوں لیکن باقی دو تہیں اتنی خفیہ رکھی جائیں کہ وہ کسی طرف سے بھی  
مخسوس نہ ہوں اور برلیف کیس کی سائیڈول اور چھت کے اندر میگنم دھات کی پلیٹیں موجود  
ہوں جن کا کنکشن ایک ایسی اینٹک بیٹری سے ہو کہ جب بھی کوئی شخص ان تہوں کو  
مہیا نہا چاہے تو جیسے ہی وہ آکر یا ہاتھ اس میگنم دھات کی پلیٹ سے ٹکراتے تو  
اسے زبردست شاک پڑے۔“ کرنل فریدی نے مخصوص برلیف کیس کے لئے  
ہدایت دیں۔

”کرنل صاحب!۔۔۔ بڑا عجیب قسم کا برلیف کیس ہو گا یہ۔“ مینجر نے حیرت  
سے بھنیوں اُبھارتے ہوئے کہا۔

فریدی نے حمید کو حکم دیا کہ وہ بہوش کیپٹن فکیل کو کوٹھی لے جاتے اور خود  
لے کر شہاب روڈ کی طرف چل پڑا۔ اس کی لیکن شہاب روڈ کو گراس کرتی ہوئی ہال روٹ  
پر آئی۔ پھر ہال روڈ کی ایک بلند بالا عمارت کے سامنے اس نے کار روک دی۔ کار سے  
اتر کر وہ تیزی سے ریڑھیاں چڑھتا ہوا دوسری منزل پر آیا اور پھر ایک کمرے کے دروازے  
کے سامنے رک گیا۔

اس دروازے کے باہر میسرز لاک اینڈ سنسز کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ فریدی نے ایک  
لمبے رک کردہ بورڈ پر ڈھکا اور پھر دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔

یہ ایک خاصا وسیع و عریض کمرہ تھا جس میں تین چار کھڑک مختلف میزوں پر بیٹھے  
کام کر رہے تھے۔ کمرے کی سائیڈ میں ہی ایک کیبن بنا ہوا تھا جس کے باہر مینجر کی تختی  
لگی ہوئی تھی۔ دروازے کے باہر سٹول پر بیٹھے ہوئے چہرہ اسی کو اس نے جیب سے کلر  
نکال کر دیا۔ ایک منٹ کے بعد وہ مینجر کے کمرے میں موجود تھا۔

”تشریف لائیے جناب کرنل صاحب!۔۔۔“ زبے نصیب۔“ نوجوان مینجر نے  
ایٹھ کر کرنل فریدی کا استقبال کیا۔

”شکریہ!۔۔۔“ کرنل فریدی نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر  
مینجر اور کرنل فریدی سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"ہاں۔ اسی لئے تو میں آپ کے پاس آیا ہوں۔" کرنل فریدی نے نیچرنگ سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کی مرضی کے مطابق یہ کام کر دیا جائے گا۔ مگر وہ ایک بیڑی اور گیس کا سنڈر آپ کو مہیا کرنا پڑے گا۔" مینجر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"یہ چیزیں میں اپنے کسی آدمی کے ہاتھ بھیج دوں گا۔" کرنل فریدی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ آج اگر آپ یہ چیزیں بھیجوا دیں تو کل ہی بریف کیس آپ کو پہنچا دیئے جائیں گے۔" مینجر نے جواب دیا۔

"بہتر ہے۔ اس ٹاسپ کے دو بریف کیس آپ تیار کروا کر میری کوٹھی بھیجوا دیں کارڈ آپ کے پاس ہے۔" کرنل فریدی نے کہا۔

"بہتر جناب۔" مینجر نے جواب دیا۔

"یہ خیال ہے کہ یہ کام بے خفیہ طور پر کرانا ہے۔ کسی اور کو ان بریف کیسوں کے متعلق پتہ نہ چلے۔" کرنل فریدی نے ہدایت دی۔

"میں سمجھتا ہوں جناب۔" مینجر نے جواب دیا۔

"اچھا اب اجازت۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بھڑبیٹے۔ چائے پی لیجئے۔" دراصل آپ کی آمد سے اتنی حیرت ہوئی کہ میں جلے شکرانا ہی مہول گیا۔" معافی طلبا ہوں۔" مینجر نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ آپ تکلیف مت کریں۔ مجھے ضروری کام ہے۔" کرنل فریدی نے خوش اخلاقی سے کہا اور پھر وہ مینجر سے ہاتھ ملا کر کہیں سے باہر نکل آیا۔ پھر وہ

ریڑھیاں اتر کر جیسے ہی کاریں آکر بیٹھا تو وہ بُری طرح چڑنکا۔ کیونکہ کاریں لگے ہوئے ٹائپٹر کا بلب بار بار اسپارکنگ کر رہا تھا۔ فریدی نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کسی کو نزدیک نہ پا کر بٹن آن کر دیا۔

"ہیلو۔" ہارڈ اسٹون سپیکنگ۔ اور۔" فریدی نے بٹن آن کر کے کہا۔

"نمبرکس سپیکنگ سر۔" کیپٹن حمید کی کار کو سنرورڈ کی ایک زیر تعمیر کوٹھی کے قریب کھڑی ہے اور اس کا ایک ٹائر برسٹ ہو چکا ہے۔ کار کا ٹائر سڑک پر برسٹ ہوا ہے اور پھر اسے چلا کر کوٹھی تک لے آیا گیا ہے وہاں ایک اور کار کی موجودگی بھی ظاہر ہوتی ہے جو آپ کی کوٹھی کی طرف گئی ہے۔ اور۔" نمبرکس نے اطلاع دی۔

"تم کس وقت وہاں پہنچے تھے۔ اور۔" فریدی نے سوال کیا۔

"تقریباً پندرہ منٹ پہلے۔ تب سے میں آپ کو کال کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اور۔" نمبرکس نے بتلایا۔

"اچھا۔ تم وہیں ٹھہرو۔ میں خود آ رہا ہوں۔ اور۔" فریدی نے کہا اور پھر بٹن آف کر دیا۔

اب فریدی کی کار تیزی سے کوئٹیز روڈ کی طرف اڑی پٹی جا رہی تھی۔ اور پھر جلد ہی کار وہاں پہنچ گئی۔ حمید کی کار کے قریب ہی نمبرکس کی موٹر سائیکل بھی موجود تھی۔ فریدی نے کار سے اتر کر موقع کا بغور معائنہ کیا۔ اور پھر سر ہلاتا ہوا واپس اپنے کار میں آکر بیٹھ گیا۔

نمبرکس۔ تم اس کار کا ٹائر تبدیل کر کے کار کو کھلی لے آؤ۔" فریدی نے نمبرکس کو حکم دیتے ہوئے اپنی کار اسٹارٹ کی اور پھر وہ کوٹھی کی طرف تیزی سے دوڑنے لگی۔ کوٹھی پر پہنچ کر وہ سیدھا ڈرائیونگ روم میں آیا اور اس نے ریسورسٹا کر نمبر



ڈال کے اور پھر رابطہ قائم کرتے ہی وہ غرایا۔

”ہارڈ اسٹون“

”نمبر الیون سر“ — دوسری طرف — ایک موبائل آواز سنائی دی۔

”نمبر الیون — کیا بات ہے —؟ بلیک فورس کیوں یکدم نکلی ہوئی جا رہی ہے؟ —؟ عمران شہر میں موجود ہے — عمران کے ساتھی ملک میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں — حمید کو عمران نے اغوا کر لیا ہے — اور تم سب سو سو ہو گئے ہو۔“ فریدی کے لہجے میں بالکل بھیڑیائے جیسی غراہٹ مٹی۔

”سر — پوری بلیک فورس مستعد ہے لیکن“ — دوسری طرف —

”نمبر الیون کی لوزیدہ آواز سنائی دی۔  
”میں لیکن دیکھ نہیں جانتا — تم تمام بلیک فورس کے ممبران کو الٹ کر دو۔ اب اگر کسی سے کوئی ایسی سوئی تو اس کا انجام بڑا ہی بھیانک ہوگا۔“ فریدی کے

”بہت بہتر جناب! — اب آپ کو شکایت نہ ہوگی“ — ”نمبر الیون نے جواب دیا۔

”دیکھو — میں ہر قیمت پر عمران اور حمید کا پتہ چلانا چاہتا ہوں اور اس لئے میں تمہیں صرف صبح تک کا وقت دوں گا — صبح میں پھر آپس پر رپورٹ پہنچانے چاہیے کہ عمران اور حمید کہاں ہیں“ — کرنل فریدی نے حکم دیا۔

”بہت بہتر جناب — صبح تک آپ کو رپورٹ پہنچ جائے گی“ — ”نمبر الیون نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

”اور ہاں — ”نمبر زیرو“ کس کی ایک دو بیٹیاں اور دو کاسک گیس کے سلنڈر ہاں پر لاک اینڈ اسٹنڈ کے مینجر کو پہنچا دو“ — فریدی نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

”اوکے سر — میں ابھی سمجھا دیتا ہوں“ — ”نمبر الیون نے جواب دیا۔  
اور کرنل فریدی نے کرنل دباگر دوسرے ممبران کو مل کرنے شروع کر دیئے۔  
جب یہی رابطہ مل گیا۔

”ہارڈ اسٹون“ — فریدی غرایا۔

”یس سر — ”وان نید سپیکنگ“ — دوسری طرف سے جواب ملا۔

”وان زیرو — پوری طرح سے ہوشیار رہو — لیبارٹری میں آنے والے برادری پر چاہے وہ کتنا ہی اونٹنی یا اسلی آفسر ہو گہری نظر رکھو — میں اس سے میں معمولی سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کر دوں گا“ — ”کرنل فریدی نے سر د لہجے میں کہا۔

”ہم پوری طرح چوکنا ہیں جناب — آپ بے فکر رہیں“ — ”وان زیرو نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے — آئندہ مجھے ڈیلی رپورٹ دیا کرو“ — فریدی نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

”اوکے سر“ — ”وان زیرو نے جواب دیا۔

”کرنل فریدی نے رسیور کرنل پر رکھ دیا اور پھر سونے سے پہلے مطالعہ کے لئے لاہوری میں چلا گیا۔

صبح ابھی کرنل فریدی ناشتہ ہی کر رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ فریدی نے چونک کر رسیور اٹھایا۔

”یس“ — فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

”نمبر الیون سر — عمران کا پتہ چلا لیا گیا ہے جناب“ — ”نمبر الیون کے لہجے میں مختصر تھا۔

"اوہ — دیر کی گڈ — پوری رپورٹ دو" — کرنل فریدی کے چہرے پر اطمینان کی لہریں دوڑ گئیں۔

"شہاب کالونی کی بیسرونی سڑک پر فبرسکسٹی کو ایک بار پر شک پڑا۔ اس کی پوجہ سیٹ پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کے متعلق اسے شک ہوا کہ وہ مروفہ تھا۔ فبرسکسٹی نے اس کا تعاقب کیا — کارشاداب کالونی کی ایک کوسٹی میں چلی گئی۔ فبرسکسٹی داخل ہوا تو اسے وہاں عثمان نظر آیا — عثمان کو ایک آپ میں تھا سیٹ فبرسکسٹی پہچان گیا — فبرسکسٹی نے باہر نکل کر مجھے رپورٹ دی اور میں نے کوسٹی کے محاصرے کا حکم دے دیا ہے — اور اب آپ کو رپورٹ دے رہا ہوں۔ فبرالیون نے تفصیل سے رپورٹ دی۔

"ٹھیک ہے — کوسٹی کا کیا فبر ہے؟ — فریدی نے پوچھا۔

"نمبر ۳۱ سر — فبرالیون نے جواب دیا۔

"اوکے — میں ابھی وہاں پہنچتا ہوں — میرے خیال میں حمید بھی اس کوسٹی میں ہوگا" — فریدی نے خیال ظاہر کیا۔

"جی ہاں — امید تو یہی ہے" — فبرالیون نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے — تم بھی وہیں پہنچ جاؤ" — فریدی نے کہا اور رسیہ رکھ دیا۔ پھر وہ اٹھ کر تیزی سے پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحوں بعد اس کی شاداب کالونی کی طرف دوڑتی چلی جا رہی تھی۔

نعمانی ناور کی کوسٹی سے نکل کر سڑک پر پہنچا۔ اس نے ٹیکسی روکی اور اسے صدر چلنے کو کہا۔ جلد ہی ٹیکسی نے اسے صدر کے چوک پر اتار دیا۔ نعمانی ایک ریسٹورنٹ میں جا کر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ کہاں جائے؟ — عثمان نے راتش کا مسئلہ ان کے اپنے سر ڈال دیا تھا۔ وہ پہلی بار اس ملک میں آیا تھا اس لئے وہ اب پریشان تھا کہ اب کہاں جائے۔ کسی ہوٹل میں ٹھہرنا بے حد خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ تو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی کی بلیک فورس ہوٹل میں آنے والے ہر نئے مسافر پر گہری نظریں رکھ رہی ہوگی۔

کافی دیر تک وہ اسی سوچ بچار میں مصروف رہا۔ اسے کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پیالی اس نے سامنے رکھی ہوئی تھی اور سوچ میں گم تھا۔ اسے وہاں بیٹھے ہوتے کافی سے زیادہ دیر ہو گئی تھی اور وہ اب تک تین چار بار چائے پنی چکا تھا۔

کاؤنٹر پر موجود قوی ہیکل سا شخص نعمانی کی طرف کافی دیر سے متوجہ تھا۔ جب نعمانی کو بیٹھے کافی دیر ہو گئی تو وہ کاؤنٹر سے باہر آیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا نعمانی کی میز کی طرف بڑھا۔

نعمانی نے اس وقت غنڈوں جیسا میک آپ کیا ہوا تھا اور پھر اس کا سٹول اور

مقبوط جسم دیکھنے والوں پر غواغواہ رعب طاری کر دیتا تھا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں" — کاؤنٹر کلرک نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔  
نعمانی آواز سن کر چونک پڑا۔ اس نے ایک نظر بغیر کاؤنٹر کلرک کو دیکھا  
پھر مسکرا کر اسے بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

کاؤنٹر کلرک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے جگو کہتے ہیں" — اس نے بڑے فخریہ لہجے میں اپنا تعارف کر لیا  
ہوئے کہا۔

"مجھے ناگل کے نام سے پکارا جاتا ہے" — نعمانی نے اسے التماس دیا۔

"ناگل" — جگو اپنی جگہ سے بری طرح اچھلا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے  
پھٹنے کے قریب ہو رہی تھیں۔

"ہاں! — مگر تم حیران کیوں ہو گئے" — نعمانی کی آنکھوں میں حیرت  
عود کر آئی۔

"ناگل دادا! — تم یہاں کیسے —؟ اور پھر بڑے غیر بن کر بیٹھے ہو —  
تمہارے مدت سے پرستار ہیں۔ ہمیں کوئی حکم دو" — جگو نے بڑے خوشامدانہ  
انداز میں کہا۔

نعمانی کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ ناگل کوئی مشہور غنڈہ ہوا  
اور یقیناً کہیں باہر کا ہو گا۔ درنہ یہ پہچان جانا کہ وہ ناگل نہیں ہے۔ اس لئے وہ سنبھل  
گیا اور اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی سوچی۔

"کچھ نہیں — میں سب بازوؤں میں ابھی اتنی طاقت ہے کہ میں خود اپنے مسائل  
حل کر سکوں" — نعمانی نے خالص غنڈوں والے لہجے میں کہا۔

"تو چلو دادا سرکار فیروز کے پاس — وہ تمہیں دیکھ کر بڑا خوش ہو گا" —  
جگو نے کہا۔

"کہاں ہے وہ" — نعمانی نے پوچھا۔

"یہ اڈہ اسی کا ہے دادا — اور ہمیں خوشی ہے کہ آپ یہاں آئے

ہیں" — جگو نے خوشی سے بھرپور آواز میں کہا۔ اس کے چہرے سے ایسا  
محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بے انتہا خوش ہو۔  
"چلو" — نعمانی نے کہا۔

اور وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

جگو نعمانی کو لے کر سیدھا منیجر کے کمرے میں گیا۔ وہاں جا کر اس نے میز کے نیچے  
لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور کمرے کی پشت کی دیوار پر لگی ہوئی الماری گھوم گئی۔ اب  
وہاں سیڑھیاں تھیں۔ وہ دونوں ان سیڑھیوں پر سے نیچے اتر کر ایک بہت بڑے  
بال میں پہنچ گئے۔

یہاں بڑے زردوں کا جوا ہورہا تھا۔ وہ دونوں لاپرواہی سے وہاں سے  
گزرتے ہوئے کونے میں بنے ہوئے ایک کیمن میں چلے گئے۔ کیمن خالی تھا۔  
وہاں لگے ہوئے ایک خفیہ بٹن کو جگو نے دبایا تو کیمن کی سائیڈ کی دیوار کھل گئی  
وہاں پر مزید سیڑھیاں تھیں۔ وہ دونوں سیڑھیاں اترنے لگے۔

"بڑا چکر چلایا ہوا ہے فیروز نے" — نعمانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
"ججا ہاں! — ہمارا سردار دارالحکومت کا سب سے بڑا دادا ہے جناب" —  
جگو نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

"تو کیا کرنل فریدی کو اس اڈے کا پتہ نہیں ہے" — نعمانی نے سوال  
کرتے ہوئے کہا۔



"نہیں۔۔۔ کیونکہ ابھی تک سردار فیروز نے کرنل فریدی سے براہ راست حکمرانی سے گریز کیا ہے اس لئے۔۔۔" جگو نے بتلایا۔  
 "اب وہ ایک کمرہ کے دروازے پر پہنچ گئے تھے جو بند تھا۔ جگو نے آگے بڑھ کر دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دی۔

"آجاؤ۔۔۔ اندر سے بیٹھ بیٹھ جیسی غرابٹ بلند ہوئی۔  
 جگو نے ہاتھ کا دباؤ دے کر دروازہ کھول دیا۔ اندر ایک صوفے پر قاضی شخص جو شکل سے بھی نامی گرامی غندہ معلوم ہو رہا تھا۔ ایک نیم عریاں اینگلو انڈین عورت کو بغل میں دبا تے پڑا تھا۔  
 سامنے میز پر شراب کی بوتلیں اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اینگلو انڈین عورت کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا اور فیروز کی آنکھیں کثرت شراب نوشی سے گہری سرخ ہو رہی تھیں۔

"کیا بات ہے جگو۔۔۔؟ یہ کون ہے تیرے ساتھ؟" فیروز نے آنکھیں چمکاتے ہوئے کہا۔ اسے شاید جگو کی دخل اندازی ناگوار گزری تھی۔  
 "سردار!۔۔۔ یہ راج پور کے ناگل دادا ہیں۔۔۔" جگو نے انسانی کا تعارف کرایا اور نعمانی نے راج پور کا نام سن کر اطمینان کی طویل سانس لی۔ کیونکہ یہ بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا جسے جگو نے خود ہی حل کر دیا تھا۔  
 "اوہ ناگل دادا!۔۔۔" فیروز حیرت سے اپنی جگہ سے اُچھلا۔ اس کی آنکھوں سے شدید حیرت صاف جھلک رہی تھی۔  
 اینگلو انڈین عورت کے چہرے پر ناگل کا نام سن کر خون کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

"ریٹا۔۔۔ تم جاؤ۔۔۔" آؤ ناگل دادا۔۔۔ آؤ میٹو۔۔۔ زبہ نصیب آج میرے

اُسے کی خوش قسمتی ہے کہ ناگل دادا یہاں آتے ہیں۔۔۔ اسے جگو فوراً ولایتی شراب کی بوتلیں لے آؤ۔۔۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ناگل دادا شراب پینے میں دُور دُور پہلے مشورے۔۔۔" فیروز کی خوشی سے باجھیں بھی نہیں مل رہی تھیں۔  
 اینگلو انڈین عورت جس کا نام ریٹا تھا، اس تیزی سے کمرے سے باہر نکل جیسے اس کے پیچھے مہجوت لگے ہوئے ہوں۔

ابھی لایا سردار!۔۔۔ جگو واپس پڑا۔  
 "مٹھو جگو۔۔۔ شراب مٹ لانا۔۔۔" میں نے سچیلے دنوں سے شراب پینی چھوڑ دی ہے۔۔۔ مجھے ڈاکٹر نے سختی سے منع کر دیا ہے۔۔۔" نعمانی نے اپنی جان چھڑانے کے لئے کہا۔

"ارے ناگل دادا۔۔۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔؟ تم نے شراب چھوڑ دی ہے۔۔۔ وہ جو شراب پینے والوں کے لئے ایک مثال بن گیا تھا۔ اس نے شراب چھوڑ دی۔۔۔ حیرت ہے۔۔۔" فیروز نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔  
 "ہاں میں نے چھوڑ دی ہے۔۔۔" نعمانی نے نکتہ جواب دیا۔

"اچھا ناگل دادا۔۔۔ تمہاری مرضی۔۔۔" جگو تم کا ذکر پر ہاتھ۔۔۔ فیروز نے جگو کو واپس ہانک دیا۔  
 "جاسے تو پہنچے گا۔۔۔" فیروز نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔" پاسے منگواؤ۔۔۔" نعمانی نے مسکراتے ہوئے کہا اور جگو سر ہلاتا ہوا واپس مڑ گیا۔

"تم کچھ پریشان معلوم ہو رہے ہو ناگل دادا۔۔۔ کوئی میسر لائق خدمت ہو تو حکم دو۔۔۔" فیروز نے بغیر نعمانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔" دراصل ایک الجھن مٹی بس اسی نے مجھے

پریشان کر رکھا ہے؟ — نعمانی نے کہا۔

”کیا میں وہ الجھن معلوم کر سکتا ہوں جس کے لئے تمہیں یہاں دارالحکومت لانا پڑا؟ — فیروز نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ کرنل فریدی آج کل کہاں سے نعمانی نے سوال کیا۔

”ارے ناگل دادا — کہیں کرنل فریدی سے ماتھا تو نہیں لڑا بیٹھے؟ — فیروز نے قدرے پریشان لہجے میں پوچھا۔

”فرض کرو اگر ایسا ہو گیا ہے تو —؟ — نعمانی نے دراطنہ لہجے میں جواب دیا۔

”اگر ایسا ہوا ہے تو بڑا ہی خطرناک معاملہ ہے۔ کرنل فریدی تو بہت بے بہوت — جس کے پیچھے لگ جائے۔ پاناں تک نہیں چھوڑتا — فیروز کے

میں بدستور پریشانی ممتی۔

”اگر تم کرنل فریدی سے اتنے ہی خوفزدہ ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ تم سے کسی طرح کے بارے میں بات کرنا ہی فضول ہے۔“ — نعمانی نے ناگوار سے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”ناگل دادا — تم نہیں سمجھتے کہ کرنل فریدی کیا چیز ہے؟ — اس سے موت کو دعوت دیتا ہے۔“ — فیروز نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

”تمہارے اعصاب پر کرنل فریدی سوار ہے — تم بے فکر ہو۔ ابھی ناگل دادا — کہیں بعد میں ارادہ تبدیل نہ ہو جائے۔“ — نعمانی نے مسکراتے

میں بھیجا کہ غراہٹ ممتی۔

”تم ٹھیک کہتے ہو ناگل دادا — تمہاری شہرت بھی تو کرنل فریدی سے کم

نہیں ہے مگر — فیروز نے جواب دیا۔

”چلو ٹھیک ہے — میں تمہیں تو نہیں کہہ رہا کہ تم میرا ساتھ دو — میں خود ہی کرنل سے نیٹ لوں گا۔“ — مجھے بزدل انسانوں سے نفرت ہے فیروز! اس لئے

تم اس بات کو مزید نہ بڑھاؤ۔“ — نعمانی نے غراتے ہوئے کہا۔

”دادا تم مجھے بزدل کہہ رہے ہو — سردار فیروز کو جس کے سامنے آتے ہی بڑے بڑے غنڈوں کی روح فنا ہو جاتی ہے۔“ — فیروز نے کہا۔

”کیا ناک کا پتے ہوں گے۔“ — کرنل فریدی کے سلسلے میں تو بے ناکل عورتوں

بسی باتیں کرنے لگے ہو۔“ — نعمانی نے اسے غصہ دلاتے ہوئے کہا۔

”ناگل دادا! — تم مجھے غصہ دلا رہے ہو — خدا کی قسم اگر فیروز تم سے آج سے

کرنل فریدی کو کسی ایک بار چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔“ — فیروز کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

”چھوڑو یاد — باتیں نہ بتاؤ — ابھی تم کچھ کہہ رہے تھے۔ ابھی غصہ آیا تو کچھ کہنے لگے۔“ — نعمانی نے اسے مزید بانس پر چڑھایا۔

”ناگل دادا! — یہ تم کہہ رہے ہو اور میں سن رہا ہوں۔ درنہ کسی اور نے اگر اس سے آدھے الفاظ بھی کہے ہوتے تو اب تک اس کی لاش تڑپ رہی ہوتی۔

تم بے فکر رہو۔ واقعی میں بے بزدلی سے کام لیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم دونوں مل کر فریدی کو تباہ کر دیں گے کہ وہ اب تک مہولار رہا ہے۔“ — فیروز بانس پر چڑھ ہی گیا۔

”سوچو — کہیں بعد میں ارادہ تبدیل نہ ہو جائے۔“ — نعمانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں ناگل دادا! — فیروز ایک بار جو فیصلہ کرے۔ صرف موت ہی اسے روک

سکتی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے فیصلے سے ہٹا نہیں سکتی۔ فیروز کا اٹل تھا۔

”تو ٹھیک ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اب تم نے صحیح معنوں میں مردانہ فیصلہ کیا ہے۔“ نعمانی نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”اب تم مجھے اپنی الجھن بتاؤ۔“ فیروز نے قدرے ٹھنڈے بیڑے ہوتے کہا۔

”دراصل ایک بہت بڑی پارٹی نے مجھ سے بات کی ہے اور کبھی زندگی میں وعدہ اس پارٹی نے میری ماں بچائی مگر اس لئے میں اس کا بدلہ اٹارنا چاہتا ہوں۔ پارٹی بہت موٹی ہے۔ رقم بھی کافی کمزوری ملے گی۔ دو سیم رقم میں تمہیں دو لاکھ کی رقم ملے گی تو نصف احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں اس لئے میں اس میں سے کچھ نہیں لوں گا۔“ نعمانی داوا نے کہا۔

”تم غلط ہو داوا۔ تمہارے متعلق جیسے سنتے سنتے تم ویسے ہی ہو۔ کام تو بتاؤ۔“ فیروز نے اسے تجھن آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کام صرف اتنا ہے کہ پاکیشیا کا ایک سائنس دان پر دیندہ ڈاک ریمیٹنڈ بھیج دو۔“ فیروز نے فرار ہو کر میہال آیا بت۔ اس نارمل اور پر دیندہ اغوا کر کے واپس لے جانا ہے۔“ نعمانی نے اصل بات بتلا دی۔ ”اوہ۔“ خاصا خطرناک کام ہے۔ لیکن ایک بات ہے کہ کرنل فریدی تعلق اس سے کیسے ہے۔؟ فیروز نے پوچھا۔

”کرنل فریدی آج کل اس پر دینسٹر اور نارمولے کی حفاظت کر رہا ہے اس لئے صاف ظاہر ہے کہ مقابلہ براہ راست کرنل فریدی اور اس کی بلیک فورس ہوگا۔“ نعمانی نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ کتنی رقم کی آفر کی ہے پارٹی نے۔؟“ فیروز اپنے اصل مطلب پر آگیا۔

”دس لاکھ کی۔ لیکن سوچ لو کہ پیشگی کچھ نہیں ملے گا۔“ نعمانی نے جواب دیا۔

”کوئی بات نہیں ناگل داوا۔“ مجھے تم پر اعتبار ہے۔ بہر حال میں آج ہی اپنے گھر کے چھوڑ دیتا ہوں۔“ فیروز نے رضامند ہوتے ہوئے کہا۔

”سب سے پہلے تو یہ پتہ کرنا ہے کہ وہ پروفیسر اور نارمولا کہاں ہے۔؟ پھر کوئی ایجنشن لیا جاسکتا ہے۔“ نعمانی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”تم بے فکر ہو داوا۔“ کرنل فریدی کو پتہ بھی نہیں چلے گا اور ہم مذمورے اور پروفیسر کو اڑا لیں گے۔“ فیروز نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں بھی آج سے میک اپ تبدیل کر کے کام کروں گا۔ مجھے ایک کار چاہیئے استعمال کے لئے۔“ نعمانی نے کہا۔

”مل جائے گی داوا۔ تمہارے لئے کاروں کی کوئی کمی ہے۔؟ چائے اور منگواؤں۔“ فیروز نے پوچھا۔

”نہیں کافی ہے۔ اب میں آرام کروں گا۔“ نعمانی نے اکتے ہوئے بلے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آؤ میں تمہیں کمرہ دکھا دیتا ہوں۔ امید ہے کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“ فیروز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

نعمانی بس اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کمرے کے پاس ہی ایک دوسرا کمرہ تھا جو ہر قسم کے ساز و سامان سے پوری طرح سجا ہوا تھا۔ فیروز اسے وہ کمرہ دکھا کر واپس چلا گیا اور نعمانی نے کمرے میں جا کر دروازہ بند کیا اور پھر اطمینان کی ایک طویل سانس لی۔ اس



نے ایک بہت بڑا مرحلہ طے کیا تھا۔ قدرت نے واقعی اس کی مدد کی تھی۔ اگر ناگہی نام اتفاقاً اس کے منہ سے نکل نہ جاتا تو کہاں وہ اس محفوظ مقام تک پہنچ سکتا۔ اس نے گہری کاڈنڈٹیں کھینچا اور پھر عمران کو مکمل تفصیل سے اسکاہ کرنے میں مدد ہو گیا۔



معتی اور پھر کافی دیر جا کر رک گئی تھی۔ مجھے چونکہ خیال بھی نہیں تھا اس لئے میں نے ایک بھی نہیں کیا۔ کیپٹن شکیل نے رائے پیش کی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے تمہیں پہچان کیسے لیا؟ جبکہ تم نے میک اپ بھی نہیں کیا تھا اور کرنل فریدی تمہیں پہلے سے جانتا بھی نہیں تھا۔ عمران نے سوچتے ہوئے کہا۔

”وہ دراصل میرے چہرے پر میک اپ سمجھا۔ اسی لئے پیچھے لگ گیا۔“ کیپٹن شکیل نے کہا۔

”تم تنہا کہہ رہے ہو۔ یہی بات ہو سکتی ہے۔“ عمران اب وجہ سمجھ گیا تھا۔

ناور خاموش بیٹھا تھا

ناور! — تم ذرا کیپٹن حمید کو ہوش میں لے آؤ۔“ عمران نے نادر کی طرف دیکھ کر کہا

ناور کرسی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ چند لمحے بعد وہ ہاتھ میں پانی کا گلاس لے کر واپس آگیا۔ اس نے حمید کے منہ پر پانی کے پھینٹے مارے۔ جلد ہی حمید ہوش آگیا۔

”کیا حال ہیں کیپٹن حمید؟“ مزے ہو رہے ہیں۔“ عمران نے ہنستے ہوئے کیپٹن حمید سے کہا۔

”عمران! — تم کس دن میرے ہی ہاتھوں مارے جاؤ گے۔“ حمید نے غصہ سے بے بسی سے دانت کاٹتے ہوئے کہا۔

”شہیدِ ناز کہلاؤں گا ڈیر۔“ عمران نے جواب دیا۔ ہوں۔ شہیدِ ناز کا صرف لفظ ہی سنا ہے تم نے۔ اس وقت پوچھو نہ

ناور عمران کو لے کر اپنے دوست کی کوٹھی شاداب کالونی نمبر ۱۱۱ میں لے گیا۔ فاضل وسیع و سرخس کوٹھی تھی۔

کوٹھی تک جاتے جاتے کیپٹن شکیل کو ہوش آگیا۔ اس نے کراہ کر آنکھیں کھولیں۔ وہیں کوٹھی پہنچ کر عمران نے حمید کو ایک کرسی سے مضبوطی سے باندھ دیا۔

تک بے ہوش تھا اور عمران کیپٹن شکیل سے حالات سننے لگا۔ کیپٹن شکیل نے اپنی حمید اور کرنل فریدی کی جھڑپ کا حال تفصیل سے

سنا دیا۔ لیکن کرنل فریدی تم تک آسنی جلدی کیسے پہنچ گیا۔“ عمران نے متا

ہو کر سوچا۔ ”میرے خیال میں اس نے مجھے راستے میں چپک کر لیا تھا۔ آپ بتا رہے کہ اس

کے پاس لنگن ہے۔ اب مجھے یاد آ رہا ہے کہ لنگن میرے پاس سے گزرا

جب موت بن کر تم پر چھٹوں گا۔ — حمید ابھی تک شدید غصہ میں مبتلا تھا۔  
 "ارے ارے کیوں غصہ دکھا رہے ہو — تم تو صرف آکھ مار دو —  
 پٹ سے گر کر مر جاؤ گے۔" — عمران نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

"تم اس لئے باتیں بنا رہے ہو کہ میں بندھا ہوا ہوں درنہ تمہاری زبان کبر  
 خاموش ہو چکی جوتی" — حمید نے اسے غصہ دلانا چاہا۔

"حمید ڈیتر — میرے دماغ میں غصہ والا خانہ ہی اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں  
 اس لئے تمہاری کوشش فصول ہے" — عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بے غیرت ہو اس لئے" — حمید نے جمل کر کہا۔

"کنفیوژن نے کہا ہے کہ دو چار جوتیوں سے عزت جاتی نہیں — اور ہنر  
 سو کوئی مارنے نہیں آتا — کیا سمجھے؟" — عمران نے ڈھیٹ بن کر کہا۔

"حمید خاموش رہا۔ خواہ مخواہ جی جلانے کا کیا فائدہ —؟"

"اچھا حمید صاحب! — یہ بتائیے کہ پروفیسر آج کل کون سی لیبارٹری میں کام  
 ہے؟" — عمران نے سنجیدہ ہو کر پوچھا سوال کیا۔

"جہنم میں۔" — حمید نے غصہ میں جواب دیا۔

"بہت خوب — بڑی اچھی جگہ ملی ہے اسے ساگا لیسنڈ میں" — عمران

نے جواب دیا اور نادر سنہن پڑا۔

"ہاں — تمہیں بھی عنقریب وہاں بھیج دیا جائے گا — تم بے فکر رہو"

نے غصہ سے دانت کاٹتے ہوئے کہا۔

"جہاں تم بیٹے آدمی ہو۔ وہاں میرے جیسے شریف آدمی کے لئے کہاں جہاں

ہو سکتی ہے؟" — عمران نے چوٹ کی۔

"گدھ صاحب سے زیادہ شریف ہوتا ہے" — حمید نے چوٹ کی۔

"بے شک بے شک — بڑا اچھا لقب دیا ہے تم نے اپنے آپ کو — جواب

نہیں — اچھا یہ تو بتلاؤ — وہ تمہاری جنم بھومی جہنم کہاں واقع ہے؟"

نادر نے دوبارہ اپنے مطلب پر آگیا۔

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا" — حمید نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

"نہ دو — اگر میں تمہاری جنم بھومی بتلا دوں تو؟" — عمران نے بھی بڑے اعتماد

سے جواب دیا۔

"بتلاؤ؟" — حمید اسے چیلنج کرتے ہوئے بولا۔

"جہنم" — عمران نے بڑی معصومیت سے جواب دیا

اور پٹن شکیل اور نادر کھٹکھٹا کر سنہن پڑے اور حمید جھنجھلا کر رہ گیا۔

اسی وقت عمران کی رلیٹ واپس سے ہلکی سیٹی کی آواز آنے لگی۔ وہ

فرز اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"نادر! — حمید صاحب کو نیچے تہہ خانے میں بند کر دو" — عمران نے کمرے میں

دو۔ عمران اسے مزید احکامات دے کر واپس آگیا۔ وہ جو کچھ حمید سے پوچھنا چاہتا

تھا وہ صدر نے اسے بتلا دیا تھا۔ وہ واپس کمرے میں آگیا۔

"نادر! — حمید صاحب کو نیچے تہہ خانے میں بند کر دو" — عمران نے کمرے میں

واپس آکر نادر سے کہا۔

نادر نے حمید کی کرسیاں کھول دیں لیکن اس کے ہاتھ اب بھی پھیل طرف بندھے

ہوئے تھے۔ ریوالور کی نال پروہ اسے نیچے تہہ خانے میں لے گیا۔

"کیٹپن شکیل! — تم ایسا کرو کہ میک آپ کر لو۔ اس کو مٹھی کے سامنے دالی

کوٹھی خالی پڑی ہوئی ہے۔ تم اس کی دوسری منزل پر ڈیرہ لگاؤ۔ نادر تمہیں دُور بین

دے دیگا — تمہارا کام فی الحال اس کو مٹھی کی نگرانی کرنا ہے۔ کیونکہ مجھے شک

بے کزل فریدی ضرور اس کو مٹھی کو تلاش کر لے گا۔ کسی بھی مشتبہ آدمی کو دیکھ کر فوراً مطلع کرنا۔ کہیں بے خبری میں مارے نہ جائیں۔ — عمران نے کیپٹن پریش سے کہا۔ اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”میسر بیگ میں میک اپ کا سامان ہے۔ تم اپنی مرضی سے میک اپ کر لو۔“ عمران نے بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور کیپٹن تشکیل بیگ لے کر باہر نکل گیا۔  
چند لمحوں بعد نادر آگیا۔

”نادر! — صبح ہل کا ہونی کی کو مٹی نمبہ چلے جانا۔ وہاں سے ایک لاش غسل خانے میں موجو دکھڑے اٹھا کر لے آنا۔ یہ بہت ضروری ہے۔“ عمران نے نادر سے کہا۔

”بہت بہتر۔“ میں صبح چلا جاؤں گا۔“ نادر نے جواب دیا۔  
”ایک اور بات — میرا خیال ہے کہ میں ایک لاش اور جگہ شفٹ ہو جاؤں گا۔ کسی وقت کزل فریدی کو پتہ چل جائے تو دونوں چکر میں نہ پڑ جائیں۔“ عمران نے رائے پیش کی۔

”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“ نادر نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔  
”ٹھیک ہے۔ تم صبح الیا کرنا کہ حمید کو یہوش کر کے سامنے لے جانا اور اسے راستے میں ڈال دینا۔ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی۔“ عمران نے کہا۔  
”بہتر۔“ نادر نے کہا۔

”اچھا اب میں سونے کے لئے باتا ہوں۔ تم آدھی رات تک پہرہ دینا اور آدھی رات کے بعد میں پہرہ دوں گا۔“ عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔  
”کیا یہ ضروری ہے؟“ نادر نے سوال کیا۔

”ہاں۔ بے ضروری ہے۔“ عمران نے کہا اور پھر جھانپتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔



کیپٹن تشکیل رات سے ہی سامنے والی کو مٹی کی دوسری منزل پر ڈیرہ جمانے ہوئے تھا۔ صبح نادر اس کے سامنے ہی کار لے کر کو مٹی سے نکلا تھا اور پھر اس کے سامنے ہی وہ کار واپس بھی آئی تھی لیکن چند لمحے بعد وہ ایک اور جگہ کو مٹی سے ڈرا دور رکھتے دیکھ کر چونک پڑا۔

”کہیں سے ایک خوش رو مضبوط جسم والا نوجوان باہر نکلا اور پھر محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس کو مٹی کی پشت کی طرف چلا گیا۔ جلد ہی کو مٹی کی اصل غارت کی سائیڈ میں بنی ہوئی پشتی دیوار جو کیپٹن تشکیل کو صاف نظر آ رہی تھی وہاں سے اسے ایک سڑا ہوا لاش نظر آئی۔ یہ دسی شخص تھا۔ پھر وہ کو مٹی کے اندر کود پڑا۔ اب وہ ریگتا ہوا کو مٹی کی غارت کی طرف آ رہا تھا۔

کیپٹن تشکیل کو دور بین میں اس کی تمام حرکات بخوبی نظر آ رہی تھیں۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ آدمی کیا کرنا چاہتا ہے۔

اسی لمحے عمران کسی کام کے لئے پورچ سے نکل کر لان میں آیا۔ نوادرجسٹ کر غارت کی دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ عمران چند لمحے بعد واپس مڑ گیا۔ اور وہ شخص



بھی واپس ریگنے لگا۔ جلد ہی وہ کوٹھی کی دیوار تک پہنچ کر اس پر چڑھ گیا۔  
کیپٹن شکیل نے اپنی گھڑی کا وڈ بٹن کھینچا۔ وہ عمران کو اس کی موجودگی سے  
گھبراہٹا ہوا دیکھ کر دوسری طرف سے عمران نے کال ریسیور کرنے میں بڑی دیر لگا دی  
اور وہ شخص اب کوٹھی کے سامنے سے گزر کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کار کی طرف  
رہا تھا اور پھر عین اس لمحے جب عمران نے کال ریسیور کی۔ اس کی کار اسٹارٹ  
تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

”عمران سپیکنگ ااور“ — دوسری طرف سے عمران کی آواز سنائی دی۔  
”عمران صاحب! — میں کافی دیر سے کال کر رہا ہوں لیکن آپ ریسیور ہی  
کر رہے تھے۔ ااور“ — کیپٹن شکیل نے شکایت کرتے ہوئے کہا۔  
”کیا کوئی خاص بات ہو گئی ہے۔ ااور“ — عمران نے اس کی شکایت  
نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”نادر صاحب ابھی کار لے کر آئے ہیں۔ ان کے پیچھے تعاقب میں ایک کار  
ہے۔ اس میں سے ایک آدمی نکل کر کوٹھی میں داخل ہوا۔ پھر جب آپ باہر  
تو وہ آپ کو دیکھ کر تیزی سے واپس مڑ گیا تھا۔ ااور“ — کیپٹن شکیل نے  
رپورٹ دی۔

”پھر اب وہ کہاں ہے۔ ااور“ — عمران نے تیزی سے پوچھا۔ اس  
لہجے میں پریشانی تھی۔  
”آپ نے کال ریسیور کرنے میں دیر لگا دی اور وہ کار لے کر نکل گیا۔ ااور“ —  
کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

”تم نے کلر کے نمبر چیک کئے تھے۔ ااور“ — عمران نے پوچھا۔  
”جی ہاں! — جی۔ ایل۔ فور۔ ون۔ زیرو۔ نائن۔ ڈائٹن مٹی۔“

کی۔ کلر لٹ بلیو۔ ااور“ — کیپٹن شکیل نے کار کی تفصیل بتلا دی  
”اس کا مطلب ہے کہ کوٹھی کرنل فریدی کی نظر میں آگئی ہے۔ اچھا کیپٹن!  
تم یہیں رہو۔ ہم یہ کوٹھی خالی کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کرنل فریدی  
ابھی یہاں آئے گا۔ تم بعد میں مجھے ان کی نقل و حرکت کی رپورٹ دینا۔ ااور“ —  
عمران نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ ااور“ — کیپٹن شکیل نے کہا۔  
”اور اینڈ آل“ — عمران نے جواب دیا اور پھر رابطہ ختم ہو گیا۔  
”نادر۔ نادر“ — رابطہ ختم ہوتے ہی عمران چیخا۔  
نادر سمجھا کہ ہوا کرے میں آیا۔

”کیا بات ہے جناب“ —؟ اس نے پریشانی سے پوچھا۔  
”مردا دیا تم نے۔ بلیک فورس کو اپنے پیچھے لگا کر لے آئے ہو۔ اب  
مصرعہ خطے میں پڑ گیا ہے۔“ عمران جھنجھلایا ہوا تھا۔  
”اوہ! — لیکن شہاب کالونی کی بیرونی سڑک تک کوئی بھی نہیں تھا۔ بعد میں  
میں خیالوں میں گم ہو گیا تو ہو سکتا ہے“ — نادر نے مذمت بھرے لہجے میں  
جواب دیا۔

”تمہیں یقین ہے کہ کوٹھی سے تمہارا تعاقب نہیں ہو رہا تھا“ —؟ عمران  
نے پوچھا۔  
”کوٹھی سے بیرونی سڑک تک تو یقیناً نہیں ہو رہا تھا۔ بعد کی میں کہہ نہیں  
سکتا۔“ نادر نے جواب دیا۔

”اچھا تم نے تیمور کی لاش کا چہرہ مسخ کر کے گٹر میں بہا دی“ —؟ عمران  
نے پوچھا۔

"جی ہاں!۔ ابھی اس کام سے فارغ ہو کر آ رہا ہوں۔" نادر نے جواب دیا اور کہہ پڑے۔ "؟ عمران نے سوال کیا۔

ان کو بلا کر ان کی لاکھ گڑ میں بہا دی ہے۔" نادر نے جواب دیا۔  
 "ٹھیک ہے۔ اب کار باہر سنے دو اور تم بھاگ چلو یہاں سے۔" عمران نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر چند لمحوں بعد وہ دونوں ایک ایک بیگ اٹھائے سائیڈ والی کوٹھی کی دیوار پر چاند کر دوسری کوٹھی میں داخل ہوئے اور پھر بڑے اطمینان سے اس کے گیٹ پر نکل کر سڑک پر آ گئے۔

مظبوطی دور چلنے کے بعد انہیں ایک خالی ٹیکسی مل گئی اور وہ دونوں اطمینان سے ٹیکسی میں سوار ہو گئے۔

کیپٹن شکیل انہیں باہر نکلتے دیکھ چکا تھا۔ اس نے یہ دیکھ کر طویل سانس لے کر کسی نے انہیں چیک نہیں کیا۔ وہ کوٹھی پر نظرں جمائے ہوئے تھا۔ جلد ہی اس کے ہرنٹ سکر گئے۔ کیونکہ کئی افراد کوٹھی کے گرد پھیلے ہوئے نظر آتے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد لیکن وہاں پہنچ کر ایک سائیڈ میں رک گئی۔ کرنل فریدی اس میں سے باہر نکلا۔ اس کے باہر نکلتے ہی ایک اور قوی ہیکل آدمی ایک درخت کے پیچھے سے نکل کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اور پھر وہ دونوں کوٹھی کی پشت کی طرف چلے گئے۔

"عمران ابھی اندر ہے۔" کرنل فریدی نے پشت کی دیوار کے قریب پہنچ کر نمبر الیون سے پوچھا۔  
 "جی ہاں!۔ رپورٹ تو یہی ہے۔" اور کار بھی ابھی اندر موجود ہے۔" نمبر الیون نے موڈ نہ بدلے میں جواب دیا۔

"چلو پھر اندر کو دو۔" لیکن احتیاط سے۔" کرنل فریدی نے نمبر الیون کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

اور نمبر الیون جمپ لے کر دیوار پر چڑھ گیا۔ ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور نمبر الیون اندر پائیس باغ میں کود گیا۔

چند لمحوں کے بعد کرنل فریدی بھی اندر کود گیا۔ پھر وہ دونوں رینگتے ہوئے اصل عمارت کی طرف بڑے۔ پورچ سے ہوتے ہوئے وہ برآمدے میں آ گئے۔  
 "کوٹھی خالی معلوم ہوتی ہے۔" کرنل فریدی کی چھٹی جس جاگی۔  
 "لیکن۔" نمبر الیون نے کچھ کہنا چاہا۔

کرنل فریدی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ سستا ہوا تھا۔ اس نے دیوار ہاتھ میں لیا اور پھر تیزی سے ایک کمرے میں گھس گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ پھر وہ دونوں جلدی جلدی دوسرے کمرے میں گھوم گئے۔ لیکن تمام کوٹھی خالی تھی۔

عمران نکل گیا ہے۔“ فریدی نے قدرے مایوسی سے کہا۔

لیکن وہ کس راستے سے یا نہر کی طرف گئے؟ — نمبر الیون بھی تیرے  
نزدہ تھا۔

”پشتی دیوار یا پھاٹک کے علاوہ اور کونسا راستہ ہو سکتا ہے؟“ — فریدی  
نے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

”نمبر سکٹی نے تمہیں رپورٹ فون پر وی مٹی یا ٹرانسمیٹر پر — بہ کرنا  
نے سوال کیا۔

”ٹیلیفون پر“ — نمبر الیون نے بتلایا۔

”تو پھر وہ اسی دوران میں نکل گئے۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے میز کو راز  
مہیا کرو۔“ فریدی نے غصے میں جواب دیا۔

”نمبر سکٹی ابھی اس پوزیشن میں نہیں آیا کہ اسے ٹرانسمیٹر مہیا کیا جائے۔  
الیون نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

”ہوں۔“ فریدی خاموش رہا۔ اس کے چہرے پر الجھنیں ہی الجھنیں  
”کہیں اس کو مٹی کے نیچے تہ خانہ نہ ہو۔“ اچانک فریدی نے کہا۔

”ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عمران وغیرہ تہ خانے میں چھپے ہوئے ہوں۔“  
الیون نے قدرے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ دونوں ہی چھان چھٹک کر کمرے میں تہ خانوں کا راستہ ڈھونڈنے  
کافی دیر کی محنت کے بعد ایک کمرے میں جب فریدی نے دیوار میں اچھری ہوئی ایک

جگہ کو دبایا تو سامنے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی وارڈروب اپنی جگہ سے کھسک گئی  
اب وہاں ایک دروازہ تھا۔ فریدی ہمت میں ریلوے لے اس دروازے کی طرف بڑھ

باتھ کا دباؤ دیتے ہی دروازہ کھل گیا۔ فریدی اور نمبر الیون دونوں ٹیڑھیاں آ رہے

گئے۔ بیڑھیاں کافی نیچے تک اترتی چلی گئیں۔

بیڑھوں کا اختتام ایک گیلری میں ہوا جس کے دونوں سائیڈوں پر کمرے  
بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑی احتیاط سے کمرے کے دروازے کھول کر دیکھے لیکن  
سب کمرے خالی تھے۔ البتہ ایک کمرے میں انہیں ایسے آثار ملے جیسے وہاں کوئی  
آدمی رہا ہو۔

یقیناً یہاں جمید کو قید کیا گیا ہوگا۔ — فریدی نے گھمبیر آواز میں کہا۔  
نمبر الیون خاموش رہا۔

”آؤ چلیں۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر وہ دونوں ٹیڑھیاں  
چڑھتے ہوئے باہر نکل آئے۔

اب وہ دونوں پورچ میں تھے۔ پورچ میں ناور کی کار موجود تھی۔  
اس کار کے نمبر نوٹ کر لو۔ اور ریسٹریشن آفس سے پتہ کر دو کہ یہ نمبر

کس کے ہیں۔“ فریدی نے نمبر الیون سے کہا۔ اور پھر وہ کوسٹ سے باہر نکل  
آیا۔ نمبر الیون بھی نمبر نوٹ کر کے اس کے پیچھے چلا آیا۔

پھاٹک کے قریب پہنچ کر اچانک فریدی ٹھٹکا۔ اس کی آنکھوں پر کسی  
شیے کی چمک پڑی تھی۔ اس نے بغور ادھر ادھر دیکھا اور پھر اسے سامنے والی

کوٹھی کی دوسری منزل پر شیشے چمکتے ہوئے نظر آئے۔  
یہ دوہین کے شیشے تھے۔ حالانکہ دور میں سے دیکھنے والا شخص غاصی آڑ میں تھا

لیکن فریدی کی تیز نظروں سے وہ چھپا نہ رہ سکا۔  
”نمبر الیون۔“ اس سامنے والی کوٹھی کو گھیر لو۔ اب میں سمجھا کہ عمران کو

ہماری آمد کا کیسے پتہ چل گیا۔“ فریدی نے تیز لہجے میں نمبر الیون سے کہا اور  
نمبر الیون کچھ نہ سمجھتے ہوئے تیزی سے بائیں طرف مڑ گیا۔ اور فریدی آہستہ آہستہ



پلتا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھا۔



صفدر نے جو تیمور کے میک آپ میں تھا۔ سب سے پہلے کار ایک بکر پر روکی۔ بکر ٹال کا مالک ابھی دکان کھول ہی رہا تھا۔  
”کیا آپ کے پاس دارالحکومت کا تفصیلی نقشہ مل جائے گا؟“ صفدر نے سوال کیا۔

”جی ہاں! — مل جائے گا۔“ دکاندار نے صبح صبح گاہک کو دیکھ کر خوشی کا جواب دیا۔

”دیکھیے۔“ صفدر نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ وہ زیادہ دلچسپی اس ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ کہیں دکاندار کھٹک نہ جلتے۔

دکاندار نے ایک بنڈل کھولا اور اس میں سے ایک نقشہ نکال کر صفدر کے سامنے رکھ دیا۔

صفدر نے بغور نقشہ کو دیکھا اور پوچھا۔

”کیا اس سے اچھا نقشہ اور آپ کے پاس نہیں ہے؟“

”جی نہیں۔“ دکاندار نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔“ کتنی قیمت دوں؟“ صفدر نے جیب سے بڑھ نکالا۔

ہوئے کہا۔

”صرف ایک روپیہ۔“ دکاندار نے کہا۔

صفدر نے بڑے سے ایک روپیہ نکال کر دکاندار کو دیا اور نقشہ لے کر کار میں آ بیٹھا۔ کمانی دور جا کر اس نے کار روکی اور پھر بغور نقشہ کو دیکھنے لگا۔ وہ دراصل کمانی کی پہاڑی کا مکمل وقوع دیکھنا چاہتا تھا۔

نقشہ میں دیے گئے راستوں کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد اس نے نقشہ کو ضائع کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ سڑک قد سے سنسان تھی۔ اس نے کار سے باہر نقشہ کو منجھالا اور پھر اسے آگ لگا دی۔ اور خود کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔

شہر سے نکل کر جلد ہی صفدر کمانی کی پہاڑی کی طرف جانے والی سڑک پر آپہنچا۔ اس سڑک پر کمانی کاریں اور اسکوٹر جا رہے تھے۔ وہ بھی مناسب رفتار سے کار چلاتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

کمانی کی پہاڑی خشک اور بے برگ دگیاہ اور خاصی خوفناک تھی۔ پہاڑی کے دامن میں پیسچ کر ایک سڑک بائیں طرف مڑ گئی تھی جس پر ایک بورڈ لگا ہوا تھا۔  
”خطرناک علاقہ۔“ ادھر جانا سخت منع ہے۔“

آگے جانے والی ایک اور کار تیزی سے ادھر ہی مڑ گئی۔ صفدر سمجھ گیا کہ یہی سڑک پہاڑی کی طرف جاتی ہوگی۔ اس نے بھی بلا جھجک کار ادھر ہی موڑ دی۔ یہ سڑک بل کھاتی ہوئی پہاڑی کی پچھلی طرف چلی گئی تھی۔ اس پہاڑی کی پچھلی طرف ایک وسیع و عریض جنگل تھا۔ لیکن یہ جنگل پہاڑی سے کافی فاصلہ پر تھا۔ جنگل اور پہاڑی کے درمیان خاصا وسیع و عریض میدان تھا جس میں لمبی لمبی بنود رو لپس اُگی ہوئی تھی۔ سڑک پہاڑی کی جڑ پر جا کر ختم ہو جاتی تھی۔ آگے راستہ بند تھا۔ پھر جیسے ہی صفدر سے آگے جانے والی کار وہاں جا کر رکی۔ فوراً ہی صفدر

راج پیک کیا گیا اور پھر اسے آگے جانے کی اجازت مل گئی۔

صفر نے طویل سانس لیتے ہوئے کارٹارٹ کی وہ ابتدائی مراحل تو کامیابی سے طے کر آیا تھا۔ کسی کو بھی اس پر شک نہیں ہوا تھا۔ سائیڈ میں کار پارکنگ بنی ہوئی تھی۔ اس نے کار وہاں روک دی اور خود نیچے اتر آیا۔

اب اصل مسئلہ تھا تیمور کے آفس کا پتہ کرنا۔ کسی سے پوچھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بہر حال تن بہ تقدیر وہ عمارت کی طرف چل پڑا۔ اور پھر اسے یہ دیکھ کر قدرے اطمینان ہوا کہ کمروں کے باہر آفس کی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔

صفر بڑے اطمینان سے گھومتا ہوا برآمدہ مڑا۔ سامنے ہی ایک دروازے پر سوراخ کی تختی لگی ہوئی تھی۔ وہ سیدھا اوپر ہی چلا گیا۔

دروازے پر ایک چڑا سی بیٹھا ہوا تھا۔ صفر کو اتنے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بڑی بھرتی سے سلام کیا اور پھر آگے بڑھ کر پردہ اٹھا دیا۔

صفر سر کو ہلکی سی جنبش دیتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔ آفس بڑا اچھا سجا ہوا تھا۔ وہ سیدھا جا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی چڑا سی نے کونے سے ایک رجبڑا اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

یہ نامزدی رجبڑا تھا۔ جہاں تارخیوں کے آگے تیمور کے دستخط تھے۔ صفر نے ایک نظر تیمور کے دستخطوں پر ڈالی اور پھر قلم اٹھا کر اسی طرح دستخط کر دیے۔ صفر نے دغیر کو خط سے خط اور دستخطوں سے دستخط لانے کی عمر ان کے کافی ٹریننگ دے رکھی تھی۔ اس لئے اسے جو بھونکتی دستخط کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ چڑا سی نے رجبڑا اٹھا کر واپس کونے میں رکھ دیا۔ اور خود بائزرنگ لگا۔

صفر نے میز کی دراز کھولی۔ وہاں ایک نائل موجود تھی۔ وہ اس نائل کو کھول کر پڑھنے لگا۔ اس میں لیبارٹری میں بھیجے جانے والے مال کی تفصیلات تھیں۔

نے بھی کار اس کے پیچھے روک دی۔ صفر کے پیچھے بھی ایک اور کار آکر روک گئی۔ صفر نے بیک مرر میں دیکھا کہ پچھلی کار کی بتیاں جل رہی تھیں۔ اس نے پھر اپنی کار کی ہیڈ لائٹس جلا دیں۔ اس کا شن کا اسے علم نہ تھا۔ یہ تو اچھا ہونا کے پیچھے کار آگئی اور اس کی جلتی ہوئی بتیاں اس کی نظر میں آ گئیں۔ دروازے کے دروازے میں ہی وہ پکڑا جاتا۔

پندرہ لمحوں بعد ایک بجی کی گڑگڑاہٹ ہوئی اور پہاڑی کا ایک بڑا سا حمار کی طرح کھل گیا۔

یہ ایک طویل سرنگ تھی۔ سرنگ آگے تک چلی گئی تھی۔ صفر نے اگلی کار کی کمرے ہوتے کار آگے بڑھا دی۔ سرنگ میں کافی دور جا کر ایک موڑ آیا۔ وہاں پر چیک پوسٹ تھی۔ صفر نے کار روک دی۔ ایک بار دی سپاہی صفر کی طرف بڑھا۔

"کوڈ۔" اس نے قدرے سخت آواز میں پوچھا۔

"زیر دھری۔" صفر نے باوقار لہجے میں جواب دیا۔ اور سپاہی نے آگے بڑھانے کا اشارہ کیا۔

اگلی کار پہلے ہی جا چکی تھی۔ صفر نے کار آگے بڑھا دی۔

پہاڑی کو نیچے سے کاٹ کر بڑے بڑے ستونوں پر کھڑا کیا گیا تھا۔ اندر عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ بھی انجینئرنگ کا کمال تھا کہ اتنی بڑی پہاڑی کو کاٹ کر ستونوں پر جما دیا گیا تھا۔

عمارتوں کے شروع میں ایک اور چیک پوسٹ تھی جہاں صفر نے دیکھا کہ کار والا نیچے اتر کر جامہ کشش دے رہا تھا۔ اس نے کار روکی اور پھر نیچے کھڑا ہو گیا۔ دو سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اس کی جامہ کشش لی۔ اس کی کار کو

ابھی صفدر فائل کا مطالعہ کر ہی رہا تھا کہ ایک نوجوان ہاتھ میں کاغذات کے  
محلے اندر داخل ہوا۔ اس نے صفدر کو سلام کیا اور پھر وہ کاغذات اس کے  
پڑی ہوئی ٹرے میں رکھ دیئے۔ اور خاموشی سے باہر چلا گیا۔  
صفدر نے کاغذات الٹ کر دیکھے۔ یہ سامان کے متعلق مختلف آرڈرز تھے۔  
سب کاغذات پر تیمور کے دستخط کئے اور دوسری ٹرے میں ڈالتا چلا گیا۔ اس کے  
دوبارہ فائل کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

صفدر تیمور کے آفس کے متعلق ہر چیز جاننا چاہتا تھا تاکہ کسی لمحے اس سے غلط  
ہو جائے۔ فائل میں اس کی نظر ایک ایسے کاغذ پر پڑی جس پر لکھا ہوا تھا کہ آپ  
ڈاکٹر کو اطلاع دینی۔ ڈی۔ آر۔ فقیہین۔ مقرر کیا جاتا ہے۔ آپ اپنے عہدے  
اور کسی سے بھی بات کرتے ہوئے پہلے اپنا کوڈ دہرائیں۔  
صفدر کے لئے یہ ایک قیمتی اطلاع تھی۔ اسی اثناء میں ٹیلیفون کی گھنٹی  
بگ۔ صفدر نے سیوراً منہ کر اپنے کانوں سے لگا لیا۔

"ڈی۔ آر۔ فقیہین" — صفدر نے تیمور کی آواز میں کوڈ دہرایا۔  
"ڈی۔ آر۔ ٹو دس سائڈ" — دوسری طرف سے پروفارسی آواز سنائی  
اور صفدر اس کے نمبر سے ہی سمجھ گیا کہ یہ اونچے رینک کا آفیسر ہے۔  
"فرمائیے" — صفدر نے قدرے مودبانہ لہجہ میں پوچھا۔  
"مسٹر تیمور! — آپ ایک گھنٹے بعد میٹنگ ہال میں پہنچ جائیں۔  
آر۔ ون نے ہنگامی میٹنگ کال کی ہے۔ ڈی۔ آر۔ ڈی۔ اسے حکم دیا ہے۔  
ہوئے کہا۔

"بہتر جناب — میں پہنچ جاؤں گا" — صفدر نے جواب دیا اور پھر  
طرف سے رابطہ ختم ہونے پر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

ب صفدر سوچ رہا تھا کہ پروفیسر اور فارمولے کے اڑانے کے سلسلے میں وہ  
بھی بیٹھ کر کتنا کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس کی پوسٹ اس طرز کی تھی کہ  
بشخص لیبارٹری میں داخل بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بہر حال اسے ایک اطمینان  
تھا کہ وہ لیبارٹری کے اندر تو پہنچ گیا ہے۔ اب کچھ نہ کچھ ہاتھ پیر مارے جاسکتے ہیں  
تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ کرسی سے اٹھا اور کرسی سے باہر نکل آیا۔ چڑچڑاسی نے  
اس کو سلام کیا۔ صفدر نے سر کی جنبش سے سلام کا جواب دیا اور پھر برآمدے سے  
بہر نکل آیا۔

اب میٹنگ ہال کا پتہ نہ تھا۔ اسے قطعی علم نہیں تھا کہ میٹنگ ہال کس جگہ ہے  
تاکہ وہ لیبارٹری کی اصل عمارت تھی۔ اس نے دیکھا کہ چند لوگ ایک طرف بڑھتے چلے  
جائے ہیں۔ وہ خود بھی تن بہ تقدیر ہو کر ادھر ہی چل پڑا۔ اب وہ آگے جانے والے  
میں آدی کے پیچھے تھا۔ ایک عمارت میں داخل ہو کر مختلف گیلریاں گزرنے کے بعد وہ  
بڑے ہال دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ اس پر میٹنگ ہال کی تختی پڑھ کر اس  
ہال ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ صحیح پہنچ گیا تھا۔

دروازے پر موجود گارڈ کو اس نے اپنا نمبر بتلایا اور پھر ہال میں داخل ہو گیا۔ ہال  
میں کئی قریب کرسیاں سجھی ہوئی تھیں۔ ہر کرسی کے پیچھے نمبر لگے ہوئے تھے۔ وہ  
نمبر ۱ پر کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ جلد ہی سب کرسیاں بھر گئیں۔ پھر اس نے ایک ادھیڑ  
کے خیر مل کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ سب لوگ اسے دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو گئے۔  
ان کو کئی گز کا کہ یہ بی غیر ملکی پروفیسر ہو گا۔

غیر ملکی کرسی پر بیٹھتے ہی میٹنگ کی کاروائی شروع ہو گئی۔ کرسی نمبر دو پر بیٹھے  
ایک ضعیف العمر شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔

آپ حضرات کو یہاں اس لئے تکلیف دی گئی ہے کہ محترم ڈی۔ آر۔ ون آپ سے



کچھ کہنا چاہتے تھے۔

یہ کہہ کر وہ شخص بیٹھ گیا۔

اب وہی عینر نکلی کھڑا ہوا جسے ڈی۔ آر۔ ون کہا گیا تھا۔

”دوستو! — مجھے خوشی ہے کہ میں آپ جیسے دوستوں کے درمیان کام کر رہا ہوں۔“

آپ لوگوں نے جس محنت اور لگن کے ساتھ میرا ہاتھ بٹایا ہے اس کے لئے میں

لوگوں کا شکر گزار ہوں۔ — میرا فارمولا مکمل ہونے میں بس اب صرف چند دن

لگتے ہیں۔ اس کے بعد میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے ملک اور جواب میری

بھین بن چکا ہے ہر قسم کے بیرونی حملے سے بچ جائے گا۔ — دنیا کی کوئی طاقت

کے بعد ہمارے ملک پر حملہ آور نہیں ہو سکتی۔ — میں اس کے بعد اور بھی ایک

کردوں گا جن کے فارمولے میں کدوہن میں ہیں اور جن کے بعد ہمارا ملک دنیا

سین سے زیادہ طاقتور ملک شمار ہوگا۔ — آج میں نے آپ لوگوں کو یہاں

لئے بلایا ہے کہ آج سے میرا تجربہ آخری مراحل میں داخل ہو رہا ہے

لئے مجھے دن رات کام کرنا پڑے گا۔ — اس مرحلے میں ذرا سی کوتاہی یا غلطی

کا مطلب یہ ہوگا کہ فارمولے کی ناکامی۔ — اور میرا خیال ہے کہ کم از کم آپ

نہیں چاہیں گے کہ یہ فارمولا ناکام ہو جائے۔ — اس لئے جو حضرات غیر شاہد

ہوں اور جو دن رات یہاں لیبارٹری میں کام کر سکتے ہوں وہ رضا کارانہ طور پر

ہاتھ اٹھا دیں۔“

تقریباً دس آدمیوں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔ جن میں صفدر بھی شامل

”ڈی۔ آر۔ ٹو! — آپ ان حضرات کے نمبر نوٹ کر لیں۔ — میں

بعد ان سے بات کر دوں گا۔ — پروفیسر نے نمبر نوٹ کی طرف دیکھتے ہوئے

”ٹھیک ہے۔ — میں نے نوٹ کر لئے ہیں۔“ — نمبر نوٹنے سامنے

ہونے کاغذ پر جلدی جلدی نمبر نوٹ کرتے ہوئے کہا۔

”مجاہد دستو! — باقی حضرات کے لئے میری یہ گزارش ہے کہ اب انہیں

چوبیس گھنٹوں میں سے صرف پانچ گھنٹے کی چھٹی ملے گی۔ — کیا آپ لوگ تیار ہیں۔“

ڈی۔ آر۔ ون نے پوچھا۔

”ہم سب تیار ہیں۔ — ہم ملک کے لئے اپنی جانیں بھی قربان کر سکتے ہیں۔“

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ — آپ لوگ جائیں اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں۔

میں آپ کا مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔“ — پروفیسر نے کہا۔ اور آٹھ آدمی

نہروں کے باہر چلے گئے۔

اب ہال میں نمبر دن اور نمبر ٹو کے علاوہ دس آدمی رہ گئے۔ اب نمبر دن نے

ہر ایک سے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ مختلف سوالات کرنے کے بعد وہ ان

کے ذمے مختلف کام لگاتا اور پھر انہیں جلنے کی اجازت دے دیتا۔ جلد ہی صفدر کا

نمبر آگیا۔ نمبر دن نے اس سے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔

”آپ کا نمبر؟“ — اس نے پہلا سوال کیا۔

”نفسین۔“ — صفدر نے جواب دیا۔

”آپ کس پوسٹ پر کام کر رہے ہیں؟“ — دوسرا سوال کیا گیا۔

”سٹور آفیسر کے طور پر۔“ — صفدر نے جواب دیا۔

”اوہ! — آپ کی تو مجھے ہر وقت ضرورت پڑے گی کیونکہ کوئی پتہ نہیں کہ

کس وقت کس چیز کی ضرورت پڑ جائے۔“ — آپ ایسا کریں کہ آپ میرے ساتھ

لیبارٹری میں موجود رہیں۔ — آپ کی یہ ڈیوٹی ہوگی کہ جس وقت بھی جس چیز کی

ضرورت پڑے۔ فوراً مہیا کریں۔“ — پروفیسر نے کہا۔

آپ بے فکر رہیں۔۔۔ میرے ہوتے ہوئے آپ کو کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔۔۔ صدف نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ آپ جابیں۔۔۔ پروفیسر نے اسے جانے کا حکم دیا۔

"فائن! آپ یہ کارڈ لے جائیں اور کل آتے وقت اپنے کپڑے وغیرہ لے جائیں۔ جب تک نایم لکھل نہ ہو جائے۔ آپ کو لیبارٹری میں رہنا پڑے گا۔۔۔ میں نے ایک کارڈ اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"بہت بہتر سر۔۔۔ صدف نے اس کے ہاتھ سے کارڈ لے لیا۔ یہ کارڈ کپڑے لے آنے کا اجازت نامہ تھا اور پھر میننگ ہال سے باہر چلا گیا۔

صدف کا دل خوشی سے بیوں اچھل رہا تھا کہ قدرت نے اسے پروفیسر کے سامنے کاموقع دے دیا ہے۔ وہ اپنے آفس میں ڈکر بیٹھ گیا۔ پھر سارا دن آفس مختلف کاموں میں مشغول رہا۔

شام کو چھٹی کا سا ٹرن بجتے ہی وہ اپنے آفس سے نکلا اور پھر کار پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔ کار نکال کر وہ چیک پوسٹ پر آیا۔ وہاں اپنی اور کار کی تلاشی دینے کے بعد وہ باہر نکل آیا۔ سرنگ کے موٹر پر اسے کوڈ نمبر بتانا پڑا۔

اب وہ آزاد تھا۔ جلد ہی وہ کو مٹی پہنچ گیا۔ اس نے کو مٹی آنے کے بعد کو مٹی کی اچھی طرح تلاشی لی کہ کہیں اس کی غیر موجودگی میں کوئی چکر نہ چل گیا ہو۔ وہاں اسے ایسے کوئی آثار نہ ملے۔ اس نے دروازہ بند کیا اور پھر عمران کو کال لگا۔ جلد ہی رابطہ مل گیا۔

"صدف سپیکنگ۔ اور۔۔۔ اس نے سلسلہ ملتے ہی کہا۔

"اوہ!۔۔۔ صدف ڈیئر۔۔۔ شاد کیا حال ہیں۔ کیا گزرا آج کا دن۔ دوسری طرف سے عمران کی چہکتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

سب ٹھیک ہے عمران صاحب۔۔۔ کوئی پریشانی نہیں ہوئی اور پھر اس نے نامہ دن کی تفصیل رپورٹ عمران کو دینی شروع کر دی۔

"ٹھیک۔۔۔ یہ تو ادبیں اچھا ہوا کہ تمہیں پروفیسر کے قریب رہنے کا موقع مل گیا ہے اور۔۔۔ عمران نے جواب دیا۔

"جی ہاں!۔۔۔ گراب اس موقع سے فائدہ کیے اٹھایا جاتے۔ اور۔۔۔ صدف نے پوچھا۔

"تم بے فکر رہو۔۔۔ کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔ اور۔۔۔ عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن اب وہاں رہ کر میں آپ کو رپورٹ کیسے دے سکوں گا۔ اور۔۔۔ صدف نے ایک پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔ البتہ یہ ایک پرابلم ہے۔۔۔ میں اس کے لئے سوچوں گا۔۔۔ میری میڈی میڈیکو پڑی ضرور کوئی نہ کوئی حل نکال لے گی۔ تم صبح جانے سے پہلے مجھے اطلاع ضرور کر لینا۔ اور۔۔۔ عمران نے جواب دیا۔

"بہتر۔ اور۔۔۔ صدف نے جواب دیا۔

اور اینڈ آف۔۔۔ عمران نے کہا۔ اور صدف نے ونڈ بن دیا۔

صدف اب اس مسئلے پر ذہن لڑانے لگا کہ وہاں سے رپورٹ دینے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جب کوئی طریقہ سمجھ میں نہ آیا تو اس نے سر جھٹک کر ذہن سے ان خیال کو نکالا اور پھر اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

ی ہاتھ چلا دیا۔ اس کی کھڑی ہتھیلی نیچے پڑے ہوئے شخص کی گردن پر پڑی۔ ہلکی سی ٹپک کی آواز آئی اور وہ تڑپنے لگا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔ اسے میں پہلا شخص جو نیچے گرا تھا۔ اس پر آگرا۔

کیپٹن شکیل تو اس وقت بھلی بنا ہوا تھا۔ اس نے تیزی سے اس کی گردن پر ہتھ ڈالا اور پھر وہ اس کے سر پر سے سوتا ہوا دوسری طرف جاگرا۔ اس طرف شاہد ہی دو آدمی تھے۔ اور کوئی ہوتا تو متروا بیک الجھ چکے ہوتا۔ اس کے نیچے گرتے ہی کیپٹن شکیل نے لگا کر اس کے چہرے پر پلوٹ کی ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ اس کے ہاتھ کی ٹوہ ناسی نوک لڑا تھی۔ تیسری ضرب اس شخص کی تنہائی پر خاصی زوردار پڑی اور تیرہ ہونے والی تھی۔ ہٹن وہاں سے دوڑیں تھو گئی۔ اس نے دوڑیں جیب میں

اور پھر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگے۔ وہ مسیری کے وہاں پہنچنے سے پہلے نکل جاتا تھا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ خپلی منزل پر آیا اور پھر تیزی سے کوٹلی کی دیوار کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے اسے لیکن مہاک سے اندر داخل ہوتی ہوئی نظر آئی اور وہ جلدی کرنے لگی۔ دیوار کے پاس لمبی لمبی گھاس میں دبک گیا۔

فریدی کار سے اتر کر کوٹلی کے اندر داخل ہو گیا۔ جیسے ہی مسیری اندر داخل ہوئی کیپٹن شکیل نے جمب لگایا اور دو سرے کے لمحے وہ دیوار کی دوسری طرف تھا۔ لیکن وہ کھڑا بھی نہیں ہوا تھا کہ کسی نے اسے چھاپ لیا۔ یہ یقیناً بلیک فورس تھی جس نے اسے گھمسانہ کر لیا تھا۔ کیپٹن شکیل چلتے کی طرح تڑپا اور جھل کر دوسری طرف جاگرا۔

"خبردار! — اگر حرکت کی تو گولی مار دوں گا" — ایک آدمی چیخا۔ لیکن فریدی نے ریوڑ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس پر چھلانگ لگا دی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے نیچے آگے کیپٹن شکیل نے نیچے

ی ہاتھ چلا دیا۔ اس کی کھڑی ہتھیلی نیچے پڑے ہوئے شخص کی گردن پر پڑی۔ ہلکی سی ٹپک کی آواز آئی اور وہ تڑپنے لگا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔ اسے میں پہلا شخص جو نیچے گرا تھا۔ اس پر آگرا۔

کیپٹن شکیل تو اس وقت بھلی بنا ہوا تھا۔ اس نے تیزی سے اس کی گردن پر ہتھ ڈالا اور پھر وہ اس کے سر پر سے سوتا ہوا دوسری طرف جاگرا۔ اس طرف شاہد ہی دو آدمی تھے۔ اور کوئی ہوتا تو متروا بیک الجھ چکے ہوتا۔ اس کے نیچے گرتے ہی کیپٹن شکیل نے لگا کر اس کے چہرے پر پلوٹ کی ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ اس کے ہاتھ کی ٹوہ ناسی نوک لڑا تھی۔ تیسری ضرب اس شخص کی تنہائی پر خاصی زوردار پڑی اور تیرہ ہونے والی تھی۔ ہٹن وہاں سے دوڑیں تھو گئی۔ اس نے دوڑیں جیب میں

اور پھر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگے۔ وہ مسیری کے وہاں پہنچنے سے پہلے نکل جاتا تھا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ خپلی منزل پر آیا اور پھر تیزی سے کوٹلی کی دیوار کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے اسے لیکن مہاک سے اندر داخل ہوتی ہوئی نظر آئی اور وہ جلدی کرنے لگی۔ دیوار کے پاس لمبی لمبی گھاس میں دبک گیا۔

فریدی کار سے اتر کر کوٹلی کے اندر داخل ہو گیا۔ جیسے ہی مسیری اندر داخل ہوئی کیپٹن شکیل نے جمب لگایا اور دو سرے کے لمحے وہ دیوار کی دوسری طرف تھا۔ لیکن وہ کھڑا بھی نہیں ہوا تھا کہ کسی نے اسے چھاپ لیا۔ یہ یقیناً بلیک فورس تھی جس نے اسے گھمسانہ کر لیا تھا۔ کیپٹن شکیل چلتے کی طرح تڑپا اور جھل کر دوسری طرف جاگرا۔

"خبردار! — اگر حرکت کی تو گولی مار دوں گا" — ایک آدمی چیخا۔ لیکن فریدی نے ریوڑ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس پر چھلانگ لگا دی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے نیچے آگے کیپٹن شکیل نے نیچے



مٹی۔ اسی کاشن کے انتظار میں وہ بٹھا ہوا تھا۔ پروگرام کی تمام تفصیلات پہلے سے طے کر لی گئی تھیں۔

”کیپٹن شکیل! — فامولا کتنا بڑا ہوگا؟ —“ — عمران نے وقت گزارنے کے لئے کیپٹن شکیل سے چیڑھا شروع کر دیا۔

”جوگا کوئی دو چار سو کلواگا“ — کیپٹن شکیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اے باپ رے — آنا ذرا —“ — پھر تو دو مزدوروں اور ایک بیل گاڑی کا

انتظام بھی کرنا پڑا۔ عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

”کیا ضرورت ہے — ہم جو مزدور ہیں — اگر آپ مزدور کی گڑھی دیں گے تو

کام ہو جائے گا۔“ — کیپٹن شکیل نے بھی چیڑھا میں مزہ لیتے ہوئے کہا۔

”تو کئی سے کہیں تمہارا مطلب بقول تادم گزرتی عورت سے تو نہیں؟ —“

عمران نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ تادم صاحب کون ہیں؟ —“ — کیپٹن شکیل نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ارے تم تادم کو نہیں جانتے —“ — میرا خالہ زاد بٹ — بڑا گریٹ آدمی

ہے۔“ — عمران نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

پھر ملوایئے کسی وقت — کیپٹن شکیل نے اشتیاق سے جواب دیا۔

”ابھی چلو۔“ — اس وقت شام ہے۔ کسی نہ کسی سوئل میں مل جائے گا۔“ —

عمران نے یکدم فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

”ابھی۔“ — کیپٹن شکیل بوکھلا گیا۔

”کیوں اس وقت تمہارے پاؤں میں مہندی لگی ہوئی ہے؟ —“ — عمران

نے پوچھا۔

”مگر — میرا مطلب ہے۔“ — کیپٹن شکیل گڑبڑا کر کوئی جواب نہ دے سکا۔

عمران پچھلے تین دنوں سے شہر سے دور ایک پرانے کھنڈر میں چھپا ہوا تھا۔ کیپٹن شکیل بھی اس کے ساتھ تھا۔ نادر کو اس نے شہر میں رہنے کے لئے کہا ہوا تھا اور شہر میں اپنے کسی دوست کے پاس تھا۔

عمران اس انتظار میں تھا کہ نادر مولا مکمل ہو جائے تو اس پر ہاتھ صاف کئے جائیں گے۔ اس کے لئے اس نے ایک انتہائی خطرناک ترکیب سوچ رکھی تھی۔ لیکن اس ترکیب پر عمل کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔

صفدر بدستور لیبارٹری میں کام کر رہا تھا۔ اس نے وہاں سے کوئی رپورٹ نہیں بھیجی۔ کیونکہ عمران نے اس کو رپورٹ دینے سے منع کر دیا تھا۔

نعمانی کو عمران نے لیبارٹری کے پیچھے جنگل میں بھیجا تھا تاکہ جس وقت بھی مکمل ہو جائے۔ صفدر راکاشن دے دے۔ یہ ایک چھوٹا سا کیپسول تھا جو صفدر

اپنے منہ میں چھپا کر لیبارٹری میں لے گیا تھا۔ جس وقت فامولا مکمل ہو جاتا۔ صفدر کیپسول کو توڑ دیتا۔ اس میں سے مخصوص قسم کا نظر نہ آنے والی شعاعیں نکلتی اور پھر

ہوا کے رنج پر لیبارٹری سے باہر نکل کر بالائی فضا میں چلی جاتی ہیں۔ اسے بالائی منزلہ کافی ٹھنڈک ہونے کی خبر دے وہ شعاعیں اچانک ہی اٹھتی تھیں جس سے کافی

پیدا ہوتی۔ یہ ایک کاشن تھا۔ جس کو نعمانی نے چپک کر اٹھا اور پھر اسے رپورٹ

مل گیا اس کا پتہ — کیپٹن ٹیکیل نے پوچھا۔  
 ہاں! — اس وقت وہ سلورکنگ ہوٹل میں ہوگا — عمران نے بڑے اعتماد  
 سے جواب دیا۔

اس وقت کا کیا مطلب — کیا اخبار میں اس کی مصروفیت کے پروگرام کا  
 باقاعدہ وقت کے لحاظ سے اعلان ہوتا ہے؟ — کیپٹن ٹیکیل واقعی حیرت زدہ  
 تھا وہ قاسم کی عظمت کا تصور کر رہا تھا کہ وہ کیسا آدمی ہوگا جس کی مصروفیت کا  
 باقاعدہ اخبار میں اعلان ہوتا ہے۔

عمران نے ایک ٹیکسی روکی اور پھر اس میں بیٹھ گیا۔ اور کیپٹن ٹیکیل بھی  
 بیٹھ گیا۔  
 سلورکنگ ہوٹل — عمران نے ٹیکسی والے کو بتایا اور ٹیکسی چل پڑی۔

"عمران صاحب! — مجھے بتا دیجئے کہ یہ کون صاحب ہیں اور کس حیثیت کے  
 ملک ہیں۔" — کیپٹن ٹیکیل نے اپنی حیرت دور کرنے کے لئے پوچھا۔

"ارے بھئی کیوں پریشان ہوتے ہو — یہ وہ ایک رئیس زادہ — باہمی  
 بیجا جم ہے۔ عقل سے خالی ہے۔ کیپٹن جمید کا یار ہے۔ بس اتنا  
 کھانا کافی ہے" — عمران نے بتلایا۔

"لیکن وہ اخبار — کیپٹن ٹیکیل مزید حیرت زدہ ہو گیا۔  
 بھئی میں اخبار میں دیکھ رہا تھا کہ آج کس ہوٹل میں ڈانس کا خصوصی پروگرام  
 ہے۔ وہ یقیناً وہاں موجود ہوگا — اب صرف سلورکنگ ہی ایک ایسا ہوٹل ہے جہاں  
 آج ایک غیر ملکی رقاصہ کا بیسے ڈانس ہے اس لئے قاسم لازمی وہاں موجود ہوگا۔"  
 عمران نے مسئلہ حل کر دیا اور کیپٹن ٹیکیل نے یوں ٹولیل سانس لی جیسے ایک بڑا بوجھ  
 اس کے کامروال سے اتر گیا ہو۔

"مطلب و طلب چھوڑو — یہاں بھی تو بے کار میٹھے ہوئے ہیں —  
 تفریح ہی سہی — عمران نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔  
 چلیے — کیپٹن ٹیکیل بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

دونوں میک آپ میں تھے اس لئے انہوں نے حرف کپڑے تبدیل کئے۔ بیگ  
 اینٹوں کے ایک ڈھیر میں چھپایا اور پھر شکستہ اور تباہ حال کنڈر سے باہر نکل آئے بڑے  
 پر پیدل چلتے ہوئے وہ کافی دور نکل آئے تب کہیں جا کر انہیں ٹیکسی ملی۔

"مین مارکیٹ پلو" — ٹیکسی میں بیٹھ کر عمران نے کہا اور ٹیکسی ڈرائیور نے  
 آگے بڑھا دی۔

جلد ہی وہ مین مارکیٹ پہنچ گئے۔ مین مارکیٹ اتر کر عمران سیدھا ایک کھانا  
 کی طرف بڑھا۔ اس نے وہاں سے اخبار خریدا اور پھر اسے بغور دیکھنے لگا۔  
 "یہ آپ کیا دیکھنا چاہتے ہیں" — کیپٹن ٹیکیل نے عمران کو بربلہ نظر  
 بغور اخبار پڑھتے دیکھ کر کہا۔

"قاسم کی گریٹ کا پتہ — عمران نے جواب دیا۔  
 "کیا اس کا پتہ اخبار میں ہوتا ہے" — کیپٹن ٹیکیل پر حیرت کے پہاڑ  
 ٹوٹ پڑے۔

"ہاں ڈیئر! — تم نہیں جانتے کہ وہ کتنا گریٹ آدمی ہے۔ اس کا پتہ  
 روزانہ اخبار میں چھپتا ہے۔" — عمران نے کہا۔  
 "کمال ہے! — یہ سیکر لے نئی بات ہے۔" — کیپٹن ٹیکیل بدستور حیرت  
 زدہ تھا۔

"ابھی جب تم میرے خالہ نادر سے ملو گے تو تم پر نئی باتوں کا انکشاف ہوگا۔  
 عمران نے اخبار تہہ کرتے ہوئے کہا۔

ٹیکسی جلد ہی سولرنگ ہٹل کے کپاؤنڈ میں پہنچ کر رک گئی۔ کیپٹن تشکیل  
 عمران نیچے اتر آئے، عمران نے ٹیکسی والے کو کرایہ دیا۔ اور پھر وہ دونوں مٹر کر  
 کے بین گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

ہٹل کا نال کھپ کھپ بھرا ہوا تھا۔ کوئی میز بھی خالی نہیں تھی۔ عمران نے  
 ایک نظر ہال پر ڈالی۔ پھر اسے سیٹج کے قریب ہی تاسم اپنی تمام تر جولاہیوں کے ساتھ  
 بیٹھا ہوا نظر آگیا۔ اس کی میز کی باقی تین کرسیاں خالی تھیں اور وہ کسی اداس  
 کی طرح منہ لٹکائے بیٹھا تھا۔ اور ہال میں بیٹھی کوئی لڑکیوں کو حسرت بھری نظروں  
 سے دیکھ رہا تھا۔

"آؤ۔۔۔ سامنے بیٹیاں۔۔۔" ان کے کیپٹن تشکیل کو کہا۔  
 "ارے وہ صاحب!۔۔۔ تو بہ تو بہ۔۔۔ یہ آدمی ہے یا کوئی دیوانہ۔۔۔" کیپٹن  
 تشکیل نے حیرت سے تاسم کی جسامت کو دیکھتے ہوئے کہا۔  
 وہ دونوں چلتے ہوئے تاسم کی میز کے قریب پہنچ گئے۔  
 "کیا تم یہاں بیٹھ سکتے ہیں۔۔۔؟" عمران نے بڑے میٹھے لہجے میں تاسم

پوچھا۔

تاسم چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ بیکس پھر ان کے ساتھ کوئی لڑکی نہ دیکھا  
 اس کا منہ جڑا گیا۔

"یہ میز جڑو ہے۔" تاسم نے اپنی طرف سے نیا انکشاف کرتے ہوئے کہا۔  
 "یہ تو میں بن پتا ہے۔۔۔ ویسے اجازت دینے کا شکریہ۔" عمران  
 نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو جی!۔۔۔" نے سیٹھ صاحب نے ہمیں بیٹھنے کی اجازت  
 دی ہے۔" عمران نے کیپٹن تشکیل سے مخاطب ہو کر کہا جو ابھی تک

شش و پنج کے عالم میں کھڑا تھا۔ عمران کے کہنے پر وہ بھی بیٹھ گیا۔  
 "ارے ارے۔۔۔ یعنی کمان نہ مان۔۔۔ میں تیرا میجبان۔۔۔ یعنی کہ میں نے  
 سب اجازت دی ہے۔۔۔" کھانکھا کو جی جبر دستی ہے۔" تاسم بڑی طرح

بھیند گیا۔  
 "ایک گڑھی سی مل فلوٹی سے ملاؤں۔۔۔؟ خدا قسم بڑی جوردار ہے۔" عمران نے اس کی ناراضگی کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑے راز دارانہ انداز میں تاسم

سے پوچھا۔  
 "گڑھی سی مل فلوٹی۔" تاسم کی ذہنی رویکم بدل گئی۔ اس کے منہ میں

پانی بھر گیا۔  
 "جی جی تو نہیں کر رہے دوست۔" تاسم نے کہا۔  
 اب عمران اس کا دوست بھی بن گیا۔ کیپٹن تشکیل وٹیرے سے مسکرا دیا۔ وہ

تاسم کی ٹاسپ کو کسی حد تک سمجھ گیا تھا۔  
 "ایمان سے سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔ مزے کر دگے مزے۔" عمران نے ہنسی

سے کہا۔

"کہاں ہے وہ۔۔۔؟" تاسم نے چٹخارہ لیتے ہوئے پوچھا۔  
 "پائے والے تو پلاؤ۔۔۔ ابھی آجاتی ہے۔" عمران نے اسے پلٹے کا

دھڑلواتے ہوئے کہا۔  
 "جی جی آتے پتھر۔۔۔ اس سالے ہٹل کی ساری چائے پیو۔ مگر  
 وہ ملاؤٹی۔۔۔" تاسم موج میں آگیا۔

"ایک بار کہا جو ہے۔ آج لے گئی۔" عمران نے تدریسے اکتائے ہوئے لہجے  
 میں جواب دیا۔



”بہرہ — ارے اوہرے کی اولاد — اوہر آ — وہاں کھڑا کیا میرا  
رہا ہے — سالے حرام خور — کام کے نہ کاج کے — دمن اناج کے —  
نے منہ پھاڑتے ہوئے کہا۔

اور اوہر اوہر بیٹھے لوگ بے اختیار ہنس پڑے۔

بیرا تیر کی طرح اڑتا ہوا قاسم کے پاس پہنچا۔

”فسرہایتے حضور! — اس نے قدرے جھک کر بڑے مودبانہ لہجے میں

اپنے سالے سیدھا کھڑا ہو — کیا پیٹ میں درد ہو رہا ہے؟ —  
کو کس کے جھکنے پر غصہ آگیا۔

بیرہ سیدھا ہو گیا۔ قاسم کے نخرے انہیں برداشت کرنے پڑتے تھے کیونکہ  
جو بڑی موٹی ملتی مستی۔

”چائے والے لاؤ — اندھے ہو۔ نجر نہیں آتا — یہ سالے دوست  
آتے ہیں میرے؟ — اس نے بیرے کو آؤر دیتے ہوئے کہا۔

عمران اور کیپٹن شکیل اپنے نئے لقب پر بے اختیار مسکرا پڑے۔  
بیرہ واپس مڑ گیا۔

”ہاں تو دوست! — وہ نسل فلوٹی؟ — قاسم دوبارہ اپنے مقصد پر آگیا

”تمہارا یار حمید کہاں ہے آج کل؟ —“ عمران نے اس کا سوال نظر  
کرتے ہوئے کہا۔

اس کا نام نہ لو میرے سامنے — سالہ سالے حرام ہر دفعہ مجھے چکرتے

ہے — میں — مگر تم اسے کیسے جانتے ہو؟ — قاسم بات کرتے کرتے  
اچانک چونک پڑا۔

”میرا کھالا جادو ہے وہ“ — عمران نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

کھالا جادو — قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”اے — تم کہیں عمران و عمران تو نہیں؟ —“ قاسم کو یاد آگیا کہ عمران ہی  
کھالا جادو استعمال کیا کرتا تھا۔

”نہیں نہیں — وہ کوئی اور ہوگا —“ میرا نام تو ابن بطوطہ ہے“ — عمران

نے اسے اٹھانے کے لئے کہا۔ ورنہ وہ وہیں شام گھٹے مٹی ملنے کی کوشش کرتا۔ اور  
قاسم سے کھیلنے کا مطلب ہے۔ اپنی پسلیاں تڑوانا۔

”طوطا — کیوں مجاہد کرتے ہو؟ — تم تو آدمی ہو“ — قاسم کی جی جی  
سٹارٹ ہو گئی۔

”نستے وقت قاسم کی باجیس کالوں سے جا ملیں۔ آنکھیں گوشت میں دھنس گئیں  
اور سر زور زور سے آگے پیچھے ہلنے لگا۔

”عمران! — سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ خبردار! اگر حرکت کی“ — عمران  
پھوٹے ریوالور کی نال لگی اور ساتھ ہی کرنل فسریدی کی سرد آواز آئی۔

قاسم کی ہنسی میں یکجہت بریک لگ گئے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے چلتا ہوا ٹریکٹر  
رک گیا ہو۔

”عمران اور کیپٹن شکیل چونک کر مڑے۔ اور پھر عمران نے یہ دیکھ کر ایک طویل  
نفس کی کرنل فسریدی، کیپٹن حمید اور ان کے دو ساتھی ریوالور لئے انہیں

کھڑے تھے۔

چپ کر اس دراز کی اینٹیں کھسکا کر دوبارہ فٹ کر دی تھیں تاکہ کسی وقت بھی ان  
بٹوں کو ہٹا کر دراز میں گھسا جاسکے۔  
صفر اب نامولے کے مکمل ہونے کے چکر میں تھا کہ کب فارمولا مکمل ہو اور وہ  
نانی کو کاٹش دے۔

پروفیسر ڈاک رینالڈ ان دونوں میں صفر سے خاصا بے تکلف ہو گیا تھا۔  
لیکن صفر بدستور لے دیتے رہتا تھا۔ تاکہ کسی کو اس پشیمانی نہ ہو سکے اور وہ  
ایکسپریس پر وگام پورا ہونے سے پہلے ہی کپڑا نہ جاتے۔

یہاں کام کرتے ہوئے دونوں جگہ تھے۔ دو چار گھنٹوں کے لئے اُسے چھٹی  
اور اسے وہیں ایک مہرہ ہا کر دیا گیا تھا جہاں وہ جا کر سوتا تھا۔ لیکن ان  
دونوں میں وہ سویا نہ تھا۔ اس نے لیبارٹری کے محل وقوع کی چھان بین نہ  
کی تھی۔

”مڑھ تیرے۔۔۔ ذرا سہجیئے!“ اس نے آواز دی۔  
صفر رگ گیا۔

”فرمائیے۔ کیا بات ہے؟“ صفر نے قدرے ناگواری سے جواب دیا۔  
”آپ میرے ساتھ ذرا سیکورٹی آفس چلیئے۔“ اُس نے قدرے سخت  
لہجے میں کہا۔

”کیوں؟“ صفر نے حیرت سے پوچھا۔

اس کا جواب آپ کو وہیں ملے گا۔“ سیکورٹی آفس نے جواب دیا۔

”چلیئے۔“ صفر نے لاپرواہی سے کہا۔ لیکن اس کے دل میں کدہ بہ  
رہی تھی کہ کہیں کسی کو اس پر شک تو نہیں پڑ گیا۔ لیکن شک ہونے والی کوئی وجہ  
بظاہر نظر نہیں آتی تھی۔ بہر حال وہ دونوں چلتے ہوئے سیکورٹی آفس میں پہنچ  
گئے۔ وہاں چیف سیکورٹی آفس موجود تھا۔

صفر اب پروفیسر ڈاک رینالڈ کے ساتھ لیبارٹری میں کام کر رہا تھا۔  
یہاں کام کرتے ہوئے دونوں جگہ تھے۔ دو چار گھنٹوں کے لئے اُسے چھٹی  
اور اسے وہیں ایک مہرہ ہا کر دیا گیا تھا جہاں وہ جا کر سوتا تھا۔ لیکن ان  
دونوں میں وہ سویا نہ تھا۔ اس نے لیبارٹری کے محل وقوع کی چھان بین نہ  
کی تھی۔

ستور آفس ہونے کی وجہ سے صفر لیبارٹری میں ہر جگہ بڑی آسانی سے  
سکتا تھا۔ اس نے دونوں میں تمام لیبارٹری کو اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا۔  
لیبارٹری سے باہر نکلنے والے ایسے راستے کہ تلاش تھی جہاں سے وہ پروفیسر  
انوار کے نکل سکتا ہو۔

آج صبح وہ ایسے راستے کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیبارٹری  
عمارت کے پیچھے پہاڑی ایک دراز تھی۔ جو دور اوپر تک چلی گئی تھی۔  
دراز کو اینٹوں سے پڑ کیا گیا تھا۔ یہ دراز شاید اس وقت پیدا ہوئی تھی جب  
کوئی نیچے سے کھود کر کے لئے ڈائنامیٹ استعمال کیا گیا ہو گا۔  
دراز خاصی پڑی تھی لیکن وہ اوپر تک سیدھی چلی گئی تھی۔ بغیر سیڑ  
رستے کے یہاں سے اوپر جانا تقریباً ناممکن تھا۔ صفر نے احتیاطاً ایک

تشریف رکھتے مڑتے ہوئے۔ اس نے بڑی نرمی سے صدر کو کرکے بٹھا دیا۔  
 بیٹھنے کے لئے کہا۔

صدر نرمی پر بیٹھ گیا۔ سیکورٹی آفیسر اس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔  
 فرمائیے! کس لئے بلوایا ہے مجھے؟ صدر نے ناگواری ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

آپ لیبارٹری کی کُشت پر موجود دراز کے قریب گئے تھے۔  
 سیکورٹی آفیسر نے اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔  
 اور صدر اس غیر متوقع سوال پر چونک پڑا۔ لیکن جلد ہی اس نے  
 آپ پر قابو پالیا۔

جی ہاں۔ کیا تھا؟ اس نے اقرار کرنا بھی مناسب سمجھا۔  
 کیا میں وہ وجہ جان سکتا ہوں جس کے تحت آپ کو وہاں جانے کی ضرورت  
 پیش آئی؟ چیف سیکورٹی آفیسر نے قدرے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔  
 دراصل لیبارٹری میں کام کرتے کرتے میں بہت تھک گیا تھا اس لئے

میں آج ہی مٹی میں ٹھہلا ٹھہلا اچر نکل گیا۔ صدر نے بہانہ بنا کر  
 اس کا دل کھرا ہوا تھا کہ بہانہ معقول نہیں ہے۔  
 تو پھر آپ نے وہاں کیا حرکات کیں۔ کیا آپ تفصیل سے مجھے بتا سکتے  
 ہیں؟ چیف سیکورٹی آفیسر نے قدرے جھنجھلا کر کہا۔

آپ تمیز سے بات کریں۔ میں یہاں کا ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔  
 پتور وغیرہ نہیں۔ صدر نے سخت لہجے میں اس پر رعب جما دیا۔  
 ہوئے کہا۔  
 آپ کو ذمہ دار آدمی سمجھتے ہوئے تو میں نرمی سے بات کر رہا ہوں۔ ورنہ

چیف سیکورٹی آفیسر نے  
 بڑبڑایا۔

کیوں؟ میں نے ایسی کوئی حرکت کی ہے جو آپ اس طرح کی باتیں کر  
 رہے ہیں؟ کیا اس دراز کے پاس جانا جرم ہے یا گناہ ہے؟ صدر

تیز لہجے میں کہا۔  
 صرف دراز تک جانا تو کوئی جرم نہیں ہے۔ لیکن دراز میں لگی ہوئی  
 بول کو کھسکانا یقیناً جرم ہے۔ چیف سیکورٹی آفیسر نے اصل بات اگلتے

ہوتے کہا۔  
 لیکن اس کا کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟ صدر نے آخری حربہ

نشیہ کیا۔  
 آپ کو دیاں چیک کیا گیا ہے؟ چیف سیکورٹی آفیسر نے جواب دیا۔  
 آپ کے پاس چکنگ کا کیا ثبوت ہے؟ صدر کو اب قدرے ڈھارس

پڑی تھی۔  
 ہمارے ایک آدمی نے رپورٹ دی ہے۔ اور چکنگ پر وہاں اینٹیں ڈھیلی  
 پڑ گئی ہیں۔ چیف سیکورٹی آفیسر کا لہجہ اب قدرے ڈھیلی پڑ گیا تھا۔ کیونکہ  
 صرف رپورٹ پر کسی ذمہ دار آدمی کے خلاف کوئی خاص کارروائی نہیں کی جاسکتی۔

میں زبانی رپورٹ کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ آپ خواہ مخواہ مجھ پر الزام تراشی کر  
 رہے ہیں۔ صدر نے اب مضبوط لہجے میں جواب دیا۔  
 بہر حال تیمور صاحب! ہم نے کرنل فریدی کو اطلاع دے دی ہے۔ وہ  
 میں یہاں آئیں گے اور پھر جو وہ فیصلہ مناسب سمجھیں گے۔ کریں گے۔ ویسے  
 میرا آپ کو پختلوس مشورہ ہے کہ آپ کرنل فریدی کے سامنے جھوٹ بولنے سے



گریز کریں تو اچھا ہے۔ — درنہ آپ کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ — چیت  
آفسر نے اسے دھکے پیچھے اپنے میں وارنگ دیتے ہوئے کہا۔  
"آپ مجھے دھکیاں مت دیں۔ — کرنل فریدی صرف آپ کے بانی  
پر یقین نہیں کر سکتے۔ — اور پھر مجھے کیا ضرورت ہے وہاں سے انٹیل  
کرنے کی"۔ — صفدر نے جواب دیا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ تیز  
قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ گہری سوچ میں غرق ہو گیا کہ صبح کرنل فریدی  
ساتھ پیشہ کرنے کا مسئلہ بڑا پیڑھا تھا۔ اس سے ایک غلطی ہو جی تھی جو  
سیکورٹی والوں کے دماغ میں تو نہیں آتی تھی لیکن کرنل فریدی یقیناً وہ غلطی  
پکڑ لے گا۔

چنانچہ اس نے یہی فیصلہ کیا کہ کرنل فریدی کے آنے سے پہلے وہ اس غلطی  
تدارک کر لے تو اچھا ہے۔ دراصل وہ جلد ہی میں ان اینٹوں پر اپنی انگلیوں کے نشان  
چھوڑ آیا تھا۔ وہ آہستہ سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل کر چھپتا چھپاتا اس  
کی طرف بڑھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے جیب سے رومال نکالا اور  
اینٹوں کو اس سے اچھی طرح صاف کرنا شروع کر دیا۔

ابھی وہ نشانات کو پوری طرح صاف نہ کر سکا تھا کہ اچانک دروازے والی جگہ  
طور پر روشن ہو گئی۔ وہ اب سرچ لائٹ کی زد میں تھا۔  
"ہینڈز آپ مٹریمرٹ۔ — چیت سیکورٹی آفسر کی سرو آواز صفدر کے کان  
سے ٹکرانی اور وہ اچھل کر سیدھا ہو گیا۔

کرنل فریدی اور بیٹن حمید کو مٹی میں بیٹھے گہری سوچوں میں غرق تھے۔ پچھلے  
دو دنوں سے عمران اور اس کے ساتھیوں کی نقل و حرکت کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ تمام  
ایک فورس انہیں جو ڈھونڈنے میں ناکام ہو چکی تھی۔ اور یہ چیز کہ از کم فریدی کی نظر میں بے حد  
خطرناک تھی۔ کیونکہ اس طرح اسے عمران اور اس کے ساتھیوں کی نقل و حرکت کے  
معلق کچھ علم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اسی طرح میں گم تھا کہ کس طرح عمران کا پتہ لگایا جائے  
اور اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی زور زور سے بجھنے لگی۔

فریدی نے چونک کر سیور اٹھالیا۔

"ہارڈ اسٹون۔ — اس نے سروا بجے میں جواب دیا۔

نمبر الیون سر۔ — دوسری طرف سے جواب ملا۔

کیا بات ہے۔ — فریدی کا لہجہ بدستور سرد تھا۔

سر! — عمران اور اس کے ساتھی کا پتہ چل گیا ہے۔ — نمبر الیون نے  
اشعار کیا۔

اؤہ! — کہاں ہے وہ۔ — فریدی نے چونک کر پوچھا۔

سر۔ اس وقت وہ دونوں سوڑکنگ ہوٹل میں تاسم کی میز پر موجود ہیں۔ —

نمبر الیون نے جواب دیا۔

"سلورنگ ہٹل اور قاسم کے ساتھ — فریدی بڑبڑایا۔

"جی ہاں جناب" — فبرالیون کا لہجہ موڈبانہ تھا۔

"کیسے پتہ چلا؟" — فریدی نے پوچھا۔

"سر — فبرون سکسی جو کسکی ڈرائیور ہے۔ نے انہیں مین مارکیٹ سے لیا۔

سلورنگ ہٹل میں چھوڑ دیا — سفر کے دوران عمران کے ساتھی نے اسے عمر

کے نام سے پکارا تھا اور وہ قاسم اور حمید کے متعلق باتیں کر رہے تھے — فبرون

نے انہیں وہاں چھوڑ کر ہٹل میں چیک کیا تو وہ دونوں قاسم کی میز پر موجود تھے۔

فبرالیون نے پوری رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

"اب ان کی نگرانی کون کر رہا ہے؟" — فریدی نے پوچھا۔

"دن سکسی سر" — فبرالیون نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے — میں اور حمید وہاں پہنچتے ہیں — تم دو آدمی اور نگرانی کے

زمین دو" — کرنل فریدی نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

"بہت بہتر جناب" — فبرالیون نے جواب دیا۔ اور کرنل فریدی نے ریس

رکھ دیا۔

"چلو حمید — میں عمران کو ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتا" — کرنل فریدی

الہجہ بے حد سرد تھا۔

حمید کے جسم میں چیونٹیاں سی ریگنے لگیں کیونکہ فریدی کا اس قدر سرد لہجہ اس

کے کسی خطرناک ارادے کا منظر تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑا ہو گیا اور پھر وہ دونوں پورے

میں کھڑی سسکن پر سوار ہو گئے۔ لیکن کوٹھی سے نکل کر سڑکوں پر تیزی سے دوڑ

لگی۔ اور پھر علیحدگی وہ سلورنگ ہٹل کے کپاؤنڈ میں پہنچ گئے۔

لیکن سے اتر کر کرنل فریدی اور حمید تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے مین گیٹ کی طرف

بڑے بیک فورس کے دو اور ممبر جو ابھی ابھی وہاں پہنچے تھے۔ ان دونوں کے

ساتھ بڑبڑاتے۔

ہاں میں داخل ہوتے ہی انہیں قاسم کے سامنے بیٹھے ہوتے دو آدمی نظر

آئے۔ وہ سیدھے ان کی میز کی طرف بڑھے۔

عمران اور کیپٹن شکیل کی چونکہ دروازے کی طرف پشت تھی اس لئے وہ

فریدی وغیرہ کو آتے نہ دیکھ سکے۔

عمران کے قریب پہنچ کر کرنل فریدی نے جیب سے ریولور نکالا اور اس کی نال

عمران کی پشت سے لگا دی۔

"عمران! — سیدھے کھڑے موبائز — خبردار اگر حرکت کی" — فریدی

کی سرد آواز ہاں میں گونج اٹھی۔

اگر وہ لوگوں کے ساتھ ساتھ عمران اور کیپٹن شکیل چونک کر مڑے۔ قاسم جو کس

وقت ہنسنے میں مصروف تھا بیدم خاموش ہو گیا۔

عمران نے کرنل فریدی کو دیکھ کر ایک اطمینان کی سانس لی اور پھر وہ ہاتھ اٹھا کر

کسی سے اٹھ کھڑا ہوا کیپٹن شکیل نے بھی اس کی پیروی کی۔

کرنل فریدی کیپٹن حمید اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں ریولور دیکھ کر اگر وہ

بیٹھے لوگ بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے چہروں سے خوف و ہراس عیاں

ہوا۔

"تم بھی چلو قاسم" — کرنل فریدی نے قاسم کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

"مممم — مگر یہ عمران و عمران نہیں — یہ تو طوطا ہے طوطا" — قاسم نے

حیرت اور خوف سے بھرپور لہجے میں جواب دیا۔

"خاموش ہو" — فریدی نے سرد آواز میں اسے ڈانٹ دیا۔ اور قاسم نے یوں

منہ جھینچ لیا جیسے اب وہ ساری زندگی نہیں بولے گا۔

مینجر یہ صورت حال دیکھ کر بھاگتا ہوا قریب آیا۔ وہ کرنل فریدی کو پہچان پاتا تھا۔  
"سر۔ سر۔ مگر۔ میسر ہوٹل کی ریسپشن"۔ خوف کے باعث اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"شٹ اپ۔ خاموشی سے چلے جاؤ۔ چلو عمران باہر چلو۔" مگر کرنل حرکت مت کرنا دینا۔ فریدی کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

"م۔ م۔ مگر کرنل صاحب!۔ حرکت میں برکت ہے۔" عمران نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ اس کے چہرے سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے خوف کے باعث وہ ابھی بے ہوش ہونے والا ہے۔

"منہیں۔ اگر حرکت کی تو یہ ریوالور تمہارا لحاظ نہیں کرے گا۔" فریدی نے ات ڈانٹ دیا۔

"بہتر کرنل صاحب جیسے آپ کی مرضی۔ حکم حاکم مرگ مغافات"۔ عمران کی زبان بدستور حرکت میں تھی۔

"باہر چلو۔" فریدی نے اسے حکم دیا۔ لیکن عمران بدستور اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

"میں کہہ رہا ہوں۔ باہر چلو۔" کرنل فریدی نے کاٹ کسانے والے لہجہ میں کہا۔

"م۔ مگر کرنل صاحب!۔ خود ہی تو حکم دیا ہے کہ حرکت نہ کرو۔ خود ہی کہہ رہے ہو کہ باہر چلو۔ اب بغیر حرکت کیے میں باہر کیسے جا سکتا ہوں؟" عمران بول پڑا۔

"شرافت سے باہر چلے چلو عمران۔ میں دوسری بار اپنی بات دہرانے کا عادی

نہیں ہوں۔" کرنل فریدی سانپ کی طرح پیچنکارا۔

عمران خاموشی سے باہر کی طرف مڑ گیا۔ سیٹن انکیل جو خاموش کھڑا عمران اور فریدی کے ڈانٹناک سن رہا تھا اس کے پیچھے چل پڑا۔ ہوٹل کے مین گیٹ سے باہر نکل کر فریدی نے انہیں چھڑنے کا حکم دیا۔

"حمید!۔ دونوں کی تلاشی دو۔" فریدی نے حمید کو حکم دیا اور حمید نے پیچھے کھڑے ہو کر دونوں کی تلاشی لی اور دونوں کی جیبوں سے ریوالور نکال لئے۔

چلو کار میں بیٹھو۔" کرنل فریدی نے لنکن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔

"تجنی مہنگی کاریں۔" توبہ توبہ۔ میں یہ جرات کر سکتا ہوں۔" عمران نے معصوم لہجے میں کہا۔

"بیٹھو۔" فریدی نے آل سے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ اور عمران خاموشی سے کار کی طرف چل پڑا۔

"ون سکٹی!۔ تم قاسم کو اپنی کاریں لے کر کوٹھی آؤ۔" فریدی نے ون سکٹی کو حکم دیا۔ اور قاسم ون سکٹی کے اشارے پر مڑ گیا۔

"حمید!۔ تم کار ڈرائیو کرو۔" عمران اور تم دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھو۔" فریدی نے حکم دیا۔

حمید ڈرائیو کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ عمران اور سیٹن شکیل بھی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

کرنل فریدی ریوالور لئے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دروازے بند ہو گئے اور حمید نے کار اسٹارٹ کر دی۔

حمید!۔ ڈور لاک کر دو۔" فریدی نے حمید سے کہا اور حمید نے ایک



بٹن دبا دیا۔

عمران بھی سمجھنے لگا سوچ کر خاموش ہو گیا۔ ویسے وہ بڑے اطمینان سے بیٹھا

ہوا تھا۔

کیپٹن شکیل بدستور خاموش تھا۔ اس کی آنکھوں سے الجھنوں کے آثار نمایاں تھے اور پھر حمید نے کار کو مٹی کے پھاٹک میں موڑ دی۔ اور پورچ میں جا کر کار رک گئی۔ حمید نے لاک کھولنے والا بٹن دبا دیا اور سب سے پہلے کرنل فریدی کی طرف سے نیچے اترا۔ عمران اور کیپٹن بھی دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ باہر نکل کر ان دونوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے۔

ہاتھ نیچے کر لو۔ فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیپٹن شکیل نے ہاتھ نیچے کر لئے لیکن عمران بدستور ہاتھ اٹھائے ہوئے کھڑا رہا۔

عمران! ہاتھ نیچے کر لو۔ اور انڈر ڈرائنگ روم میں چلو۔ کرنل فریدی نے عمران سے کہا۔

نواخواہ کو نیچے کر لوں۔ یعنی اب آپ کے ظلم کے خلاف آواز تو آواز۔ ہاتھ بھی بلند نہ کروں۔ عمران نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔ اور دوسرے لمحے فریدی مسکرا دیا۔

اسی لمحے ایک ٹیکسی کو مٹی میں داخل ہوتی۔ یہ نمبرون کشتی کی ٹیکسی تھی۔ اس کی شکل بٹل میں دیکھتے ہی عمران سمجھ گیا تھا کہ ان کی بٹل میں موجودگی کا کرنل فریدی کو کیا پتہ چلا ہے۔ ٹیکسی میں قاسم تھا۔

اب سب لوگ ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ کرنل فریدی کے ہاتھ میں بدستور ریو اور موجود تھا۔ حمید ریو اور لے کر عمران اور کیپٹن شکیل کے پیچھے کھڑا تھا۔ قاسم بھی ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر بدستور خوف کے آثار تھے۔

اب حمید ہی دوبارہ بٹن دبا کر دروازے کھول سکتا تھا۔ ورنہ دروازے بند ہو سکتے تھے۔ گاڑی ہوٹل کے کپاؤ بند سے نکل کر سڑک پر دوڑنے لگی۔

بڑی آرام دہ کار رکھی ہوتی ہے کرنل فریدی!۔۔۔ اور پھر حمید جیسا انارٹکس کتنی تنخواہ دیتے ہیں آپ سے۔؟ عمران یوں مطمئن تھا جیسے وہ پکٹنگ سٹار جارجس ہیں۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ البتہ حمید سے نہ رکا وہ بول پڑا۔

تم اس دن پوچھ رہے تھے کہ جہنم کہاں ہے۔ آج تمہیں وہاں کی خبر مل گئی۔ حمید کا لہجہ بے حد جھلکا تھا۔

اچھا۔ تو تم دونوں جہنم کے داروغے ہو۔۔۔ بھی میں اور میرا ساتھی۔۔۔ معصوم اور نیک ہیں۔ ساری زندگی اللہ اللہ کرتے گزاری ہے۔ ناکردہ کاموں میں پکڑے گئے ہیں۔۔۔ عمران نے بڑی معصومیت اور عاجزی سے جواب دیا۔

تمہاری ساری معصومیت کا بھرم ابھی کھل جاتا ہے۔ تمہاری یہ دو گز کی ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گی۔۔۔ حمید نے کہا۔

تو یہ تو ہے!۔۔۔ اتنی بے ایمانی۔ چار انچ کی زبان کو دو گز بنا دیا ہے۔ خدا قسم اگر تم کپڑا بیچنے بیٹھو تو دو دن میں کروڑ پتی بن سکتے ہو۔۔۔ عمران نے جواب دیا۔

حمید!۔۔۔ تم خاموش رہو۔۔۔ کرنل فریدی نے حمید کو سختی سے ڈانٹا اور حمید جس نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا۔ سختی سے منہ بیچنے لیا۔

"تاسم! — عمران تم سے کیا گفتگو کر رہا تھا۔" کرنل فریدی نے پہچان کر تاسم سے کیا۔

"عمران —؟ پھر فریدی صاحب! میں نے پہلے بتایا ہے کہ یہ عمران و عمران بنی بطنہ طوطا ہے۔" تاسم کے ذہن پر ابھی تک ابن بطوطہ کا قبضہ تھا۔

"بی بطوطا نہیں — عمران ہے۔" فریدی نے سخت ہلچے میں کہا۔

"سچ۔" تاسم نے یقین نہ کرنے والے انداز میں پوچھا۔

"ہاں — میں صحیح کہہ رہا ہوں۔ یہ میک آپ میں ہے۔" کرنل فریدی نے جواب دیا۔

"ارے پھر تو یہ میرا کھانا بنا ہوا۔" تاسم کی ذہنی روپٹ گئی۔ بچانے کے جسم میں اتنی پھرتی کہاں سے آگئی۔

اس سے پہلے کہ کرنل فریدی یا حمید کچھ سمجھتے۔ تاسم لپک کر اٹھا اور پھر اس سے گلے ملنے لگا۔

عمران نے یہ موقع سمجھا اور اس نے پھرتی سے کیٹن شکیل کو کہنی ماری اور دوسرے تاسم کے موٹے پیٹ کے گرد عمران کے ہاتھ لپٹ گئے۔ تاسم تو خود الیا چاہتا تھا اس لئے اس نے چھڑانے کی کوشش ہی نہ کی۔

اب عمران اور فریدی کے درمیان تاسم آگیا تھا۔ اسی لمحے کیٹن شکیل اپنا جگہ سے اچھلا اور اڑتا ہوا وہ اپنے پیچھے کھڑے حمید پر جا پڑا۔ سو فوری طور پر اس پرچونشن کو نہ سمجھ سکا تھا۔ ریوا اور اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

"رک جاؤ۔" ورنہ گولی مار دوں گا۔" فریدی سچویشن سمجھتے ہی چیخا۔ مگر

عمران نے اپنی پوری قوت سے تاسم کو فریدی پر دھکیل دیا۔ ایک زوردار ٹکرائو اور فریدی جو اپنی کرسی سے ہی اٹھ رہا تھا۔ چونکہ پہلے سے تیار نہیں تھا۔ تاسم کے

ہاتھ بھر لو پڑاؤ سے نیچے جا گرا۔

ادھر کیٹن شکیل کا داؤ چل گیا اور اس نے حمید کو کہنی ان دونوں پر اچھال دیا۔ ورنہ فریدی جس نے دھکا دے کر تاسم کو ایک طرف کیا تھا۔ حمید کے اوپر آگرنے سے دوبارہ نیچے گر پڑا۔

"مہنگو۔" عمران کی آواز گونجی اور پھر وہ دونوں برق جیسی تیزی کے ساتھ ایک ہی جہاں تک میں کمرے کا دروازہ پار کر گئے۔ فریدی نے ریوا اور چلایا مگر حمید جو اٹھ رہا تھا اس کا ہاتھ گلنے سے نشانہ چوک گیا۔

عمران اور کیٹن شکیل دونوں تیزی سے بھاگتے ہوئے کوٹھلی کے گیٹ سے باہر نکل گئے۔ شکرست کو دن سکٹی اپنی ٹیکسی لے کر جا چکا تھا۔ کوٹھلی سے باہر نکلتے ہی انہوں نے ٹرک پار کی۔

"ادھر اس کو مٹی میں۔" عمران جو آگے بھاگ رہا تھا۔ ایک کوٹھلی کا پھاٹک کھلا دیکھ کر اوجھڑا گیا۔

وہ تقریباً بھاگتے ہوئے پورچ میں پہنچے اور برآمدہ میں دو نوجوان کھڑے انہیں اس طرح بھاگتے دیکھ کر حیرت سے انہیں پھاڑ رہے تھے۔

"کوئی شخص تو یہاں نہیں آیا۔" عمران نے ان دونوں کو قریب پہنچتے ہی پوچھا۔

"نہیں تو۔" ہم یہاں دو ہی ہیں۔ اور تو کوئی نہیں آیا۔ ایک نوجوان نے بوکھلاہٹ میں جواب دیا۔

کیٹن شکیل بھی پہنچ گیا تھا۔

"شکیل۔" عمران نے تیزی سے آنکھ دبا کر کیٹن شکیل کو اشارہ کیا۔ اور پھر دوسرے عمران اور شکیل ان دونوں پر ٹوٹ پڑے اور پھر اس سے پہلے کہ وہ شور

عمران نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔  
 "بزنس سیری نے میں تلاش تو کیا ہوگا۔" — "کیٹن ٹیکیل نے پوچھا۔  
 "یقیناً کیا ہوگا۔" — عمران نے جواب دیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں جیسے اسے  
 نیند آرہی ہو۔  
 "ویسے مجھے امید نہیں تھی کہ اتنی آسانی سے چھٹکارا ہو جائے گا۔" کیٹن ٹیکیل

نے کہا۔  
 "ہاں۔" — کبھی کبھی کوئی کام جو بے حد مشکل نظر آتا ہے اس کا حل بڑا سادہ سا  
 ہوتا ہے۔" — عمران نے جواب دیا۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔

"اب مزید کیا پروگرام ہے۔" — "کیٹن ٹیکیل نے پوچھا۔

"پارسلینے دو۔" — بڑی زور کی نیند آرہی ہے — وہ کیا مصرعہ ہے؟  
 "جا اپنی حسرتوں پہ آنسو بہا کے سو جا۔"

عمران نے کہا اور کیٹن ٹیکیل مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ اور پھر چند لمحوں بعد  
 عمران کے خراٹوں سے کھنڈر گونج رہا تھا۔



"اب تلبیہ مڑتیمور! — کیا خیال ہے آپ کا اس الزام کے متعلق؟ —  
 چیف سیکورٹی آفیسر نے زہر خند لہجے میں کہا۔

مچاتے یا چیتے۔ وہ انہیں گھسیٹ کر کمرے میں لے گئے۔ اور پھر ان دونوں  
 ایک ایک ہاتھ ہی کافی تھا۔ چند لمحوں بعد وہ دونوں بیہوش پڑے تھے۔  
 "پچھلی طرف تکل چلو۔" — عمران نے کہا اور پھر وہ دونوں بھاگتے ہوئے  
 کی پچھلی طرف چلے گئے۔ کوئی کی پشتی دیوار چھوٹی سی تھی۔

وہ دونوں دیوار چاند گئے۔ یہ ایک چھوٹی سی سڑک تھی۔ مختلف کوٹنگوں  
 ہوتے ہوئے جلد ہی وہ ایک اور سڑک پر آ گئے۔ یہ سڑک بالکل سبیلان تھی  
 ایک کوٹنگی دیوار کے ساتھ کار کھڑی تھی۔ عمران نے پورے زور سے  
 کار کی کھڑکی پر کھٹک مارا۔ شیشہ ٹوٹ گیا۔ اس نے ہاتھ اندر کر کے کار کا دروازہ  
 اور پھر دوسری طرف کا — دروازہ کھول دیا۔ اور کیٹن ٹیکیل  
 سے کار میں بیٹھ گیا۔

عمران شیشہ پر تھا۔ اس نے کوٹ کی خفیہ پاکٹ سے ایک چھوٹی سی  
 نکالی۔ یہ اس کی تھی۔ اور پھر جیسے ہی اس نے اسے استعمال کیا — کار  
 ہو گئی۔

یہ سب کچھ ایک لمحے میں ہو گیا۔ دوسرے لمحوں کا زمانہ بھرتی ہوئی سڑک  
 دوڑتی چلی گئی۔ شہر سے دور انہوں نے کار چھوڑ دی اور پھر پیدل ہی مختلف  
 پر سے ہوتے ہوئے شہر سے باہر جانے والی سڑک پر پہل پڑے۔

رات ہو گئی تھی اس لئے انہیں اپنے پہچان لئے جانے کی اتنی فکر نہیں  
 وہ سڑک چھوڑ کر کھیتوں کے درمیان چل رہے تھے۔ جلد ہی وہ اس کھنڈر  
 گئے جہاں سے وہ تفریح کرنے نکلے تھے۔ وہاں پہنچ کر دونوں نے اطمینان  
 ایک طویل سانس لی۔

"آج بڑے چھنے تھے۔" — جھلا ہوا میرے کھلا جادو کا آخر وہی



صفر جو ہاتھ اٹھاتے کھڑا تھا۔ جھکے سے ہاتھ نیچے کر لئے۔

آپ کیا چاہتے ہیں آفیسر صاحب! — میں نے کیا جرم کیا ہے جو آپ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟ — صفر نے انتہائی کڑخت لہجے میں کہا۔  
 کیا آپ یہاں اپنی موجودگی کا جواز پیش کر سکتے ہیں؟ — چیف نے آفیسر نے سخت لہجے میں پوچھا۔

کیا یہاں آنا کوئی جرم ہے؟ — مجھ پر آپ نے جو الزام لگایا تھا۔ اس بنا پر میں یہ چیک کرنے آیا تھا کہ کیا واقعی یہاں سے اینٹیں ڈھیلی کی گئی ہیں نہیں؟ — صفر کا جواب مدلل تھا۔

ہوں — تو آپ کے ہاتھ میں رومال کس لئے ہے؟ — کیا آپ نشانات رہے تھے؟ — چیف سیکورٹی آفیسر کا لہجہ اب نرم تھا۔ شاید اسے خود بھی یاد ہو گیا تھا کہ صفر کا پتہ بھاری رہا ہے۔

ہاں — دیکھتے ہوئے اتفاق سے ایک اینٹ سے میری انگلی چھو گئی تھی۔ اسے صاف کر رہا تھا۔ — صفر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

چلو ایسے کسی سہی۔ بہر حال آپ اپنے آپ کو حراست میں سمجھیں۔ — چیف سیکورٹی آفیسر نے کہا۔

آپ مجھے گرفتار نہیں کر سکتے چیف سیکورٹی آفیسر صاحب! — ڈی آر کے حکم کے بغیر آپ الیا قدم نہیں اٹھا سکتے۔ — صفر نے غصیلناک لہجے میں جواب دیا۔

ٹھیک ہے۔ آپ پہلے ڈی آر۔ ون کے پاس چلیں۔ — چیف سیکورٹی آفیسر نے کہا۔

صفر خاموشی سے ایسبائری کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ

تھا کہ معاملہ بگڑ گیا ہے۔ یہ لوگ تو ایک آپ پہچان نہیں کئے۔ البتہ کرنل مندریدی دیکھتے ہی پہچان جائے گا۔ چنانچہ اسے جو کچھ بھی کرنا ہے جلد از جلد کرنا ہے۔ ادھر پروڈیوسر کا فارم لا مکمل نہیں ہو رہا تھا۔

فارم لا مکمل ہونے سے پہلے پروڈیوسر کو لے جانا فضول تھا۔ وہ چلتا جاتا تھا اور چلتا جاتا تھا کہ اب وہ کیا کرے؟ — اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

جلدی وہ ایسبائری میں پہنچ گئے۔ پروڈیوسر ڈاک رینالڈ جولیارڈ کی میز پر پہنچ چکا تھا۔ صفر کو اس طرح سیکورٹی کے حلقے میں دیکھ کر چونک پڑا۔

کیا بات ہے مسٹر تیمور؟ — اس نے حیرت سے پوچھا۔  
 مسٹر! — مسٹر تیمور کی پوزیشن مشکوک ہو چکی ہے۔ — چیف سیکورٹی آفیسر نے موزانہ لہجے میں کہا۔

دہ کیسے؟ — تفصیل بتاؤ۔ — آپ تشریف رکھیں مسٹر تیمور۔ پروڈیوسر نے صفر کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

صفر خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

مسٹر! — کل رات ہمارے ایک آدمی نے مسٹر تیمور کو اس وقت چیک کیا جب

وہ ایسبائری کی لائٹ میں موجود دروازے سے واپس آ رہے تھے۔ میں نے رپورٹ

دینے ہی وہاں چیلنگ کی تو پتہ چلا کہ دروازے کی اینٹیں جو اسے مندر کرنے کے لئے لگائی

گئی تھیں ان میں سے کافی تعداد میں اینٹیں اپنی جگہ سے کھسکائی گئی ہیں۔ آج

رات جب یہ ایسبائری سے فارغ ہو کر آئے تو میں نے ان سے پوچھ گچھ کی تو انہوں

نے انکار کیا کہ وہ دروازے کی طرف گئے تھے۔ لیکن اینٹیں کھسکانے کے الزام سے منکر

نہ ہو گئے۔ میں نے جان بوجھ کر انہیں یہ نہیں بتایا کہ وہاں اینٹوں پر انگیلوں کے

نشانات موجود ہیں۔ چنانچہ میرے ساتھ بات کرنے کے مقصود سے دیر بند یہ

حسب توقع دراز پر پہنچے اور انہوں نے رومال سے وہاں انگلیوں کے نشانات  
مٹانے شروع کر دیئے اور میں نے انہیں رنگے ہاتھوں کاٹ لیا۔ اب انہیں  
کرنے کے لئے آپ کی اجازت ضروری ہے۔ اس لئے پہلے آپ کے پاس  
آئے ہیں۔ جیف یکورٹی آئینہ نے تفصیل پیش کی۔  
"آپ تشریف رکھیں۔" جیسے ہی آئینہ نے رپورٹ مکمل کی پروفیسر  
اسے مٹھنے کے لئے کہا۔

آفیسر شکر یہ ادا کرتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

یار تو مسرتمیز! — آپ کا اس بارے میں کیا بیان ہے؟ —؟ پروردگار نے قدسے سخت لمحے میں صفر سے یوحیا۔

"سر! — دراصل بات یہ ہے کہ کل رات لیبارٹری سے تھپیٹ کر  
بعد چھ نیند نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ میں ٹہلتا ہوا اس دروازے کی طرف نکل گیا  
اس۔ سے پہلے لیبارٹری کی پشت کی طرف کبھی نہیں گیا تھا اس لئے دروازے

مجھے قہر سے حیرت ہوئی۔ میں اس دراز کا جائزہ لیتا رہا اور پھر واپس چلا آیا۔  
 آج لیس باڑی سے چھٹی کے بعد سیکورٹی آفیسر نے مجھے بلوایا اور مجھ پر الزام لگایا کہ  
 کوئی در و درمکیاں دیں۔ میں نے جوابات تھقی صحیح صحیح انہیں بتلا دی۔

میں مجھے صبح کر نل فریدی کے سامنے پیش کرنے کا رعب دیا۔ اس سے واپس آنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ دیکھوں آیا واقعی وہاں انیٹیں ڈھیلی مہی ہوئی یا نہیں۔ چنانچہ میں وہاں کی طرف جا نکلا۔ وہاں انیٹیں واقعی ڈھیلی مہی

انہیں چیک کرتے ہوئے اتفاقاً میری اگلے ایک اینٹ سے چبھ گئی۔ میں اسے رومال سے صاف کر دیا۔ اسی وقت انہوں نے مجھے بیٹنڈر آپ کر دیا اور کہے کہ میں نے انہیں پوزیشن بتلائی اور کہا کہ ڈی۔ آر۔ ون کے

میرے آپ مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ اب مجھے آپ کے پاس لے آئے  
 سمندر نے بھی تفصیلاً اپنا بیان سنا دیا۔

— پر دیکھی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

چند محلوں تک وہاں گہری خاموشی طاری رہی۔ پھر پرفیسر چونک کر اپنی کرسی سے اٹھا۔

آفسر۔ آپ کیساتھ آئے۔ مقررہ۔ آپ یہیں موجود ہیں۔  
پروفیسر نے آفسر سے اور صفحہ سے کہا۔

چیف ریکورڈنگ آفیسر اٹھ کر پرنسپل کے پیچھے چل پڑا۔ وہ دونوں ساتھ والے کمرے میں چلے گئے۔

ان بات ہی سفدر تیزی سے اٹھا اور پھر وہ اس کمرے کے دروازے کے قریب پہنچا۔ اس نے کئی بول سے اپنے کان لگا دیئے۔ آفیسر الیڈر پروفیسر کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سننا اس کے لئے بے حد ضروری تھا۔ کیونکہ اسی پر تمام پروگرام کا دار مدار تھا۔

پروفیسر اور چیف سیکرٹری آفیسر کی باتیں اس کے کانوں تک نہ پہنچتی رہیں۔  
پروفیسر آفیسر سے کہہ رہا تھا۔

دیکھتے آئینہ! — فارمولا اتنا اہم ہے کہ میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا  
آپ نے شک کر لیں میری کرا اطلاع دے دیں اس کے بعد سچ اور جھوٹ  
کا اندازہ کرنا ان کا کام ہے — لیکن ایک بات ہے — میرا فارمولا آج

آخری مراحل میں اس میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو — میسر ہو سکتی ہے۔ اس لئے تم ایسا کرو کہ

شام کے آٹھ بجے کے بعد کرنل فریدی کو اطلاع دے دیا۔ پھر مجھے کوئی بھی نہ ہوگی۔ اس سے پہلے میں کوشش کر دوں گا کہ وہ لیبارٹری سے باہر نہ سکے۔ ویسے لیبارٹری کے ارد گرد تم اپنے آدمی پھیلا دو تاکہ اگر وہ باہر بھی تو اس کی نگرانی بھی کی جائے۔ پروفیسر سیکورٹی آفیسر کو سمجھا رہا تھا "بہت بہتر سر۔ ایسا ہی ہوگا"۔ سیکورٹی آفیسر کی مودبانہ اور اور صفدر تیزی سے واپس آیا اور کرسی پر گویں بیٹھ گیا جیسے وہ کرسی سے نہ ہو۔

چند لمحوں بعد پروفیسر دروازہ کھول کر لیبارٹری میں آیا۔

"مسٹر تیمور! آپ بے فکر ہیں۔ میں نے انہیں سمجھا دیا ہے کہ ان کو غلط ہے۔ آپ اطمینان سے کام کریں۔ پروفیسر نے صفدر سے کہا۔ صفدر نے باقاعدہ ان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اس کے بارے میں اچھے رکھتا ہے۔ اس کے بعد لیبارٹری میں کام کرنے والے باقی لوگ بھی آگئے پروفیسر نے فارمولے پر کام کرنا شروع کر دیا۔

صفدر سوچ رہا تھا کہ فرمولہ مکمل ہوتے ہی وہ اسے لے اڑے۔ دروازے پر

فریدی کے آنے کے بعد تمام پروگرام ناکام ہو جائے گا۔ دروازے کی طرف سے جاننا خاصا مشکل تھا کیونکہ سیکورٹی آفیسر نے یقیناً وہاں اپنے آدمی تعینات کر رکھے ہوں گے۔ مگر اور کوئی ذریعہ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ اس مسئلے میں خاصا پریشان تھا۔ وہ کوئی ایسی ترکیب سوچ رہا تھا جس سے یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ اگر دروازہ کا بھی پروگرام بنایا جائے تو اس کے لئے کہ دروازے کی پولیٹیشن بتانی پڑے گی اور اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ عمران کو صورت حال سے مطلع کرتا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ

روے اور کیا نہ کرے۔؟

آج سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں ایک ترکیب آجی گئی۔ گو اس میں رسک تھا مگر اس کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے اس ترکیب پر عمل کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔

پروفیسر تجربہ نگاہ میں پورے انہماک سے مصروف تھا۔ شام کے قریب جب وہ اپنے ریسٹ کرنے کے لئے فارغ ہو کر ایک کرسی پر بیٹھا تو صفدر اس کے پاس گیا۔

سر! مجھے سیکورٹی آفیسر نے فوری طلب کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ صفدر نے بڑے مودبانہ لہجے میں کہا۔

"اوہ! کوئی بات نہیں۔ تم فکر مت کرو۔ کوئی اور کام ہوگا۔ تم چند لمحوں کے لئے چلے جانا۔ پروفیسر نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ ادھر! ذرا جلدی آنے کی کوشش کرنا۔

بہتر سر۔ صفدر نے مودبانہ انداز میں سر ہلایا اور پھر تیزی کے ساتھ لیبارٹری کے باہر چل گیا۔

وہ سیدھا سیکورٹی آفس کی طرف چلا جا رہا تھا۔ تیز قدم اٹھاتا ہوا وہ آفس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ چیف سیکورٹی آفیسر کمرے میں اکیلا تھا۔ صفدر نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔ چیف سیکورٹی آفیسر چونک کر حیرت میں انداز میں صفدر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ اس کا ردائی کا مطلب نہ سمجھ سکا ہو۔

دروازہ بند کرتے ہوئے صفدر سیکورٹی آفیسر کی طرف بڑھا۔ اس کے لبوں پر بڑی خوشگوار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔



"کیا بات ہے مڑتیر"۔؟ صفدر کے قریب آنے پر چیف سیکورٹی آفیسر نے پوچھا۔

"وہ ٹرانسمیٹر کہاں ہے جس سے تم نے کرنل نسریڈی سے بات کرنی ہے"۔  
صفدر نے اس کے قریب پہنچ کر بڑے پراسرار انداز میں پوچھا۔

"مگر کیوں"۔؟ چیف آفیسر مزید حیرت زدہ ہو گیا اور دوسرے لمحے وہ ایک جھٹکے سے کرسی سمیت فرش پر جا گرا۔ صفدر کا زبردست حکم اس کے جڑے پر پڑا۔  
میز پر پڑا ہوا ریوالور جسے سیکورٹی آفیسر استعمال بھی نہ کر سکا تھا۔ اب صفدر کے ہاتھ میں تھا۔

"خاموش رہو۔ اگر چیخنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا"۔ صفدر کے  
میں بیٹھتے جیسی غراہٹ مٹی۔

آفیسر نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش ہو گیا کیونکہ صفدر کا لہجہ ہی تباہ تھا کہ  
اپنے کہے پر عمل کر دے گا۔

جلدی بتاؤ۔ وہ ٹرانسمیٹر کہاں ہے؟ صفدر غرایا۔

"میسر پیس کوئی ٹرانسمیٹر نہیں"۔ آفیسر نے کہا لیکن اضطرابی طور پر  
نے اپنا وہ بازو چھپانا چاہا جس پر گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ صفدر کی آنکھوں  
چمک سی لہرائی۔

"گھڑی اتار کر مجھے دو۔ جلدی کرو"۔ صفدر نے حکم دیا اور ٹرانسمیٹر  
کا بازو تدریسے بڑھا دیا۔

"دیتا ہوں۔ دیتا ہوں"۔ سیکورٹی آفیسر کی آنکھوں میں موت کے  
لہرائے۔ اس نے گھڑی اتار کر صفدر کو دکھا دی۔ شاید اسے خیال ہو کہ یہ گھڑی  
نہ ٹرانسمیٹر کو نہیں سمجھ کے گالیسن یہ تقریباً اسی قسم کی گھڑی تھی جیسی صفدر

کے پاس تھی۔

دوسرے لمحے سائینسنگ ریوالور نے شعلہ اگلا اور آفیسر کی گھڑی پر زے پڑے  
ہو کر بھڑکی۔ وہ آہ بھی نہ کر سکا تھا۔

صفدر نے ایک لمحے کے لئے گھڑی کو دیکھا۔ پھر اس نے ڈنڈ بن کھینچ کر گھڑی  
کی سائیں کو مخصوص ہندسوں پر میٹ کیا۔ گھڑی کی تاریخ والا خانہ سرخ ہو گیا۔ جلد ہی  
خانے کا رنگ، بنری میں تبدیل ہو گیا۔

"میلو عمران صاحب اب"۔ میں صفدر بول رہا ہوں اور"۔ صفدر نے  
تیزی سے کہا۔

"خیریت ہے صفدر۔ اور"۔؟ عمران کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"عمران صاحب اب"۔ حالات بڑے نازک ہیں۔ مجھ پر سیکورٹی کو شک ہو گیا  
ہے۔ ایک آدھ گھنٹے بعد فارمولا مکمل ہو جائے گا۔ میں اس وقت سیکورٹی

آفیسر کو ختم کر کے اس کے ٹرانسمیٹر سے بات کر رہا ہوں۔ یہ ہمارے ٹرانسمیٹر سے ملتا جلتا  
ہے۔ یہاں لیبارٹری کی آپت پر ایک وائر ہے۔ میں ایک گھنٹے بعد فارمولا

اور پروفیسر کو لے کر وہاں پہنچ جاؤں گا۔ آپ الرٹ رہیں۔ اوپر سے رسی کی  
ریڑھی پھینک دیں۔ میں اوپر آ جاؤں گا۔ یہ وائر لیبارٹری کے مغربی جانب ہے۔

ہم وہاں سے آسانی سے نکل سکتے ہیں۔ اور"۔ صفدر نے تیزی سے رپورٹ فیتے  
ہوتے کہا۔

"لیکن اگر تم کو پہلے ہی چیک کر لیا گیا تو۔ اور"۔؟ عمران کے لہجے میں بے پناہ  
تشویش تھی۔

"میں کوشش کروں گا کہ حالات کو سنبھال لوں۔ بہر حال یہ ایک اچھا راستہ  
ہے اگر آپ کہیں تو۔ اور"۔ صفدر نے جواب دیا۔

محبوبت — پھر میں پہلے والا پردہ گلام ملتوں کرتا ہوں — میں اور میرے  
آدمی ایک گھنٹہ بعد پہاڑی پر پہنچ جائیں گے — تم پروفیسر اور نادر مولے کو لیبر  
وہاں آجانا۔ اور — عمران نے جواب دیا۔  
”بہتر۔ اور — صفدر نے کہا۔

”اور اینڈ آل — عمران نے جواب دیا۔

صفدر نے ڈنڈن دبا کر جلدی سے گھڑی میٹر کی دراز میں رکھی اور پھر ریڈیو  
کو کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر دیکھا۔ آفیسر کی لاش  
میٹر کی آڑ میں پڑی تھی اس لئے دروازے سے دیکھنے والے شخص کو فوری طور پر نظر  
نہیں آسکتی تھی۔ وہ اطمینان سے چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا۔ اس نے آہستہ سے  
چٹختی کھولی اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

دروازے پر بیٹھا چٹرا اسی صفدر کو باہر نکلتے دیکھ کر مودبانہ طور پر کھڑا ہو گیا  
”دیکھو! — آفیسر کا حکم ہے کہ وہ نہایت اہم کام میں مصروف ہیں اس لئے ایک  
گھنٹے تک نہ خود اندر جانا۔ اور نہ کسی اور کو اندر جانے دینا — چاہے وہ کوئی  
بھی ہو“ — صفدر نے بڑے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

”بہت بہتر سر“ — چٹرا اسی نے بڑے مودبانہ انداز میں کہا۔  
صفدر سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

چٹرا اسی والپس اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ویسے احکامات کا عادی تھا اس  
لئے اسے اس حکم پر کوئی حیرت نہ ہوئی اور نہ ہی اس نے اندر جا کر وضاحت مانگنی  
ضروری سمجھی۔ کیونکہ بہر حال صفدر ایک فمردار آفیسر تھا۔ وہ خاموشی سے مستعد ہو کر  
کرسی پر بیٹھا رہا اور صفدر آگے بڑھتا چلا گیا۔ اب اس کا رخ دوبارہ لیبارٹری کی طرف  
تھا۔

شہنشاہ احمد  
نہال ذریعہ  
M.A.

عمران کال ملتے ہی مستعد ہو گیا کیونکہ فیصل کن لہجہ آپہنچا تھا۔ اس نے کیٹن شیل  
کو بھی تیاری کا حکم دیا اور پھر ڈائریکٹر پر نعمانی کو کال کرنے لگا۔  
رابطہ جلد ہی مل گیا۔

”ہیلو — نعمانی سپیکنگ اور“ — دوسری طرف سے نعمانی کی آواز آئی۔

”نعمانی! — میں عمران بول رہا ہوں — میری ہدایات غور سے سنو — تم  
میرے اپنے دوست فیوڑ کے پاس جاؤ اور وہاں سے پانچ مضبوط جسم والے  
ڈرائی بمبھرائی میں ماہر آدمی لے کر ایک گھنٹے کے اندر اندر والپس لیبارٹری پہنچ جاؤ  
لیبارٹری کے مغربی حصے میں تم سب نے چھپ جانا ہے۔ وہاں سے ایک دروازے  
کے ذریعے صفدر فارمولا اور پروفیسر کو پہاڑی پر لے آئے گا۔ ہم نے فارمولا اور  
پروفیسر کو لے آنا ہے۔ اس کے بعد کسی ہدایات موقع پر دی جائیں گی۔ ویسے  
نوع محل دیکھ کر جو کچھ کرنا چاہو — میری طرف سے اجازت ہے اور“ — عمران  
نے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

”بہت بہتر — جس ایک گھنٹے کے اندر پہنچ جاؤں گا۔ اور“ — نعمانی  
کا آواز سنائی دی۔

”ٹھیک ہے — اور اینڈ آل“ — عمران نے کہا اور ڈنڈن دبا کر رابطہ

ختم کر دیا۔

ایک دو لمحے مٹھ کر اس نے ایک اور فرکونس سیٹ کی اور مچر کا لکڑی کا  
بلد ہی رابطہ مل گیا۔

”ناور سپینگ سر۔ اور“ — دوسری طرف سے ناور کی آواز سنائی دی۔

”عمران بول رہا ہوں ناو!“ — ایک گھنٹے کے اندر اندر پہاڑی کے شاہ  
جھیں پہنچ جاتے۔ ایک گھنٹے بعد ہم نے وہاں سے فارمولا اور پروفیسر کو نام  
کرنا ہے۔ تم سمجھ گئے۔ اور“ — عمران نے کہا۔

”سمجھ گیا ہوں سر۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ اور“ —  
دوسری طرف سے ناور کی آواز سنائی دی۔

”اور ابن ژال“ — عمران نے کہا اور رابطہ ختم کر دیا۔

کیپٹن شکیل تیار ہو کر اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ وہ بولا۔

”سب ٹھیک ہے عمران صاحب!“

”ہاں! — فی الحال تو سب ٹھیک ہے۔ تم نے اندر سیاہ لباس پہن لیا  
ہے۔“ — عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں! — پہن لیا ہے۔“ — کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

”تو ٹھیک سے چلو“ — عمران اٹھ کھڑا ہوا۔

”والیسی کا پروگرام بھی سوچا ہے آپ نے؟“ — کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

”والیسی کا والیسی کے وقت دیکھا جائے گا۔“ — فی الحال تو جانے کا بھی پروگرام

ہے۔“ — عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”بہر حال پہلے سے سوچ لینا بہتر ہے۔“ — کیپٹن شکیل نے کہا۔

”اے یہ میری ریڈیو میڈ کھڑکی کب کام آئے گی۔“ — تم یہ کام اس پر چھو

”کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔“ — عمران نے کہا اور چل دیا۔  
کیپٹن شکیل بھی سر ہلا کر اس کے پیچھے چل پڑا۔



”کرنل فریدی سے کار چلاتے ہوئے اچانک چونک پڑا۔ ٹرانسمیٹر کا بلب  
سارک کر رہا تھا۔ اس نے تیزی سے گاڑی ایک سائیڈ میں روکی اور پھر ٹرانسمیٹر کا  
بٹن آن کر دیا۔

”بارڈر اسٹون سپینگ“ — کے الفاظ ابھی اس کے منہ میں ہی تھے کہ دوسری  
طرف سے آنے والی آواز سن کر وہ بُری طرح چونک پڑا۔

”ہیلو۔“ — ہیلو صفدر سپینگ اور“ — ایک آواز اس کے کان میں پڑی  
اور اس نے سختی سے ہونٹ جھینچ لیتے۔

”ہیلو۔“ — عمران اس سائیڈ۔ اور“ — دوسری طرف سے عمران کی آواز  
اس کے کانوں سے ٹکرائی اور بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی

چسلی گئی۔

صفدر عمران کو رپورٹ دے رہا تھا۔ پورا پروگرام سیٹ کیا جا رہا تھا اور

کرنل فریدی خاموشی سے کار میں بیٹھا تمام پروگرام سن رہا تھا۔ صفدر کی زبانی

ہی اسے پتہ چل گیا کہ وہ چیف سیکورٹی آفیسر کو ختم کر کے اس کی ٹرانسمیٹر واپس



سے رپورٹ دے رہا ہے۔

یہ ایسا ٹرانسمیٹر تھا جس پر کوئی بھی فریکوئنسی سیٹ کی جاتی تو کرنل ف کی کار میں موجود طاقت ور ٹرانسمیٹر اسے مزید کچھ کر لیتا تھا۔ اگر وہ اس کار میں موجود نہ ہوتا تو یقیناً وہ اس وقت اس پروگرام سے لاعلم رہتا اور یہ کرنل مندریدی کی بد قسمتی ہوتی۔

رابطہ ختم ہو چکا تھا۔ لیکن کرنل فریدی ابھی بیٹھا اس پروگرام کے متعلق رہا تھا۔ پہلے تو اسے خیال آیا کہ لیبارٹری جاکر صفدر کو چیک کرے لیکن پھر نے سوچا کہ صرف ایک گھنٹے کا وقفہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران وہ صفدر کو چیک نہ کر سکے اور عمران وغیرہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے پر ہی عمران وغیرہ کو پکڑنے کا پروگرام بنالیا۔

چند لمحے غور کرنے کے بعد اس نے ٹرانسمیٹر پر ایک فریکوئنسی سیٹ کی اور پھر کرنے لگا۔

”ہارڈ اسٹون سپیکنگ۔ اور“ — رابطہ ملتے ہی اس نے کہا۔

”ممبر الیون سر۔ اور“ — دوسری طرف سے ممبر الیون کی آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

”ممبر الیون! — ایک گھنٹے کے اندر اندر بلیک فریس کے میں ممبرز کا مانی پہاڑی کے ارد گرد اور اوپر پھیلا دو — یہ کام فریدی ہونا چاہیے — جب تک میں کوئی ہکشن نہ دوں۔ کوئی ممبر اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے اور نہ ہی کوئی ممبر کے سامنے آئے — عمران اور اس کے ساتھی ایک گھنٹے بعد پروفیسر اور اس کے فارمولے کو اغوا کرنے والے ہیں — تمام کام پوری ہوشیاری سے ہونا چاہیے۔ کرنل مندریدی نے ممبر الیون کو تفصیلی پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔

”بہت بہتر سر! — یہ لوگ ابھی پہنچ جاتے ہیں۔ اور“ — ممبر الیون نے جواب دیا۔

”اور اینڈ آل —“ فریدی نے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر مندر کے اس نے ہارنگ کے بعد جاری۔ اب اس کی ٹیکن بڑی تیز رفتاری سے کو مٹی کی طرف پٹی جا رہی تھی۔

حمید کو مٹی میں موجود تھا۔ فریدی نے حمید کو فوراً تیار ہونے کا حکم دیا اور وہ فوراً مٹی کے اندر اپنے مخصوص تھکانے میں چلا گیا۔

تھکانے سے اس نے ایک سٹین گن اٹھائی اور پھر کپڑے بدل کر وہ تھکانے سے باہر نکل آیا۔

حمید بھی سیاہ لباس میں ملہوسی موجود تھا۔ شاید موقع کی نزاکت دیکھ کر اس نے کرنل مندریدی کی ہدایت پر فریدی عمل کر لیا تھا۔

”چو بیٹھو“ فریدی منہ کار میں بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر حمید تیزی سے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ اور پھر کار تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑتی ہوئی کامائی پہاڑی کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔



کرنل فریدی نے کہا۔ پہاڑی کی سائیڈ پر ایک گھنے درخت کی آڑ میں رک اور پھر دونوں نیچے اتر آئے۔ ان کے نیچے اترتے ہی دو آدمی گھنی جھالیوں

کی آٹ سے نکل کر ان کی طرف بڑھے۔

"نمبر الیون سر" — ان میں سے ایک نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

"بارڈ اسٹون" — کرنل فریدی نے جواب دیا۔

کرنل فریدی نے ایک اصول بنایا ہوا تھا کہ چاہے کتنے ہی بلیک فز کے آدمی آپس میں شناسا کیوں نہ ہوں۔ بغیر پہلے اپنا تذکرہ دہراتے اور دوسرے سے کبھی بات چیت نہ کریں۔ اس لئے یہاں بھی دونوں طرف سے پہلے اپنے دہراتے گئے تھے۔

"پہاڑی کا محاصرہ کر لیا ہے نمبر الیون" — کرنل فریدی نے سوال کیا۔  
 "یس سر! — تقریباً تیسراؤں مختلف جگہوں پر چھپے ہوئے ہیں اور یہ طریقہ مسدود ہے۔" — نمبر الیون نے جواب دیا۔

"گڈ! — اچھا میں اور حمید اس دراز کے قریب رہیں گے۔ آپریشن سنگل میری طرف سے اسٹین گن کی فائرنگ ہوگی" — کرنل فریدی نے کہا۔  
 "یس سر" — نمبر الیون نے جواب دیا۔

"اپنے تمام ساتھیوں کو ہدایت دے دو کہ عثمان اور اس کے ساتھیوں کو بلاشد ضرورت گوئی مت ماریں — انہیں زندہ گرفتار کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ہاں! اگر ایسی کوئی سمجھوتہ پیدا ہو جائے کہ ان کو ختم کرنا اشد ضرورت ہو تو بے شک گوئی ماریں" — کرنل فریدی نے ہدایت دیں۔

"بہتر سر! — میں ابھی ہدایت دے دیتا ہوں" — نمبر الیون نے جواب دیا۔

"ہم اوپر پہاڑی پر چلتے ہیں — تم ہوشیار رہنا" — کرنل فریدی نے اور پھر حمید کا ہاتھ پکڑ کر آگے چل دیا۔

آپ کو یہ چپائی کا سامان لے آئے ہیں — حمید نے پوچھا۔

کوہ چپائی — فریدی نے حیران ہر کہہا۔

ہاں ہاں! — اب ظاہر ہے کہ آپ نے اور میں نے پہاڑی پر چڑھنا ہے تو اس کے لئے کوہ چپائی کے سامان کی ضرورت پڑے گی" — حمید نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

سامان کی کیا ضرورت ہے — فریدی نے نسبتے ہوئے کہا۔

"اب یہاں پہاڑی پر چڑھنے کے لئے لفٹ تو لگی ہوئی نہیں — اور ظاہر ہے کہ لنگر ہم نہیں ہیں" — حمید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اپنے متعلق تو مجھے یقین ہے کہ میں لنگر نہیں — ویسے تمہارے متعلق کوئی یقینی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا" — فریدی نے نسبتے ہوئے جواب دیا۔

"میں تو آپ کی دم ہوں — اب ظاہر ہے کہ دم کی موجودگی میں آپ اپنے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے" — حمید نے چوٹ کی۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے پہاڑی کے دامن میں پہنچ چکے تھے۔

حمید نے دم کی مدد تک تو تم نے تسلیم کر لیا ہے۔ اب آہستہ آہستہ باقی کو تسلیم کر لو گے" — فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور حمید کٹ کر رہ گیا۔

لیکن اس نے اپنی جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی دم کی بات نہیں کر رہا — آپ کی بات کر رہا ہوں۔"

حمید! — یہ بتاؤ کہ میں نے اپنے اور تمہارے درمیان کبھی کوئی فرق روا رکھا ہے؟ — فریدی نے پہاڑی پر چڑھتے ہوئے پوچھا۔ اس کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

حمید فریدی کے لہجے میں اتنی سنجیدگی دیکھ کر گھبرا گیا کہ سنا نے کیا بات ہو گئی۔

"منہیں۔ بالکل نہیں۔" حمید نے بوکھلا کر جواب دیا۔ ویسے وہ کسی سے چپا جاسکتا تھا۔

سکا تھا کہ بات کیا ہو گئی ہے۔ اس چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔" کرنل فریدی نے نصیحت کن

"یعنی تم اور میں ایک ہیں۔ دو نہیں۔" فریدی نے بدستور سنجیدگی میں کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ الٹا طریقہ کیوں اختیار کر رہے ہیں۔؟

"ہاں ہاں۔ ایک بار کہہ جو دیا ہے۔ اب آپ نے کوئی اشتعال

بجے مجھ سے۔" حمید چڑسا گیا۔ "فریدی نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

"تو پھر بتاؤ۔ تم نے اپنی دم کی بات کی تھی یا میری؟" سیدھاسا دھاسا طریقہ ہے۔ ہم چھپ کر یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور حمید بڑا سامنے بنا کر رہ گیا وہ اور کر بھی کیا سکتا۔ ان اور اس کے ساتھی آئیں تو انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیں۔ اس کا وہ تو خود ہر بات اپنے منہ سے تسلیم کر چکا تھا۔

تقریباً آدھی پہاڑی وہ سر کر چکے تھے۔ اب اندھیرا چھا چکا تھا۔ کسی پگڈنڈی کی بجائے ویسے ہی چٹانوں کو جھلکتے ہوئے اوپر چڑھ رہے تھے۔

حمید۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ عمران کیسا آدمی ہے۔ وہ کوئی

کرنل فریدی کو خطہ تھا کہ عمران کے کسی آدمی کی نظر ان پر نہ پڑے۔ اس کے علاوہ میں اسے اس طرح بزدلوں کی طرح مارنا ہو سکتا تھا۔ معاملہ خراب ہو جاتا۔ یا پھر عمران اپنی سیم تبدیل کر دیتا۔ جلد ہی وہ پہاڑی پر پہنچ گئے۔ چٹانوں اور بڑے بڑے پتھروں کی

ہوتے وہ اس دراڑ کی طرف بڑھ رہے تھے جو آج کے ڈرائے میں ایک کردار ادا کرنے والی تھی۔ جلد ہی وہ دراڑ کے قریب پہنچ گئے۔ عمران اور اس کے ساتھی ابھی تک وہاں نہیں پہنچے تھے۔

فریدی نے بڑے محتاط انداز میں دراڑ اور اس کے ارد گرد کے ماحول کا لیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ کہاں چھپ کر زیادہ آسانی سے عمران پر گرفت کرے۔ دراڑ سے تقریباً دو تین فٹ دور ایک کافی بڑی چٹان تھی۔ جس کے پیچھے

"منہیں۔ بالکل نہیں۔" حمید نے بوکھلا کر جواب دیا۔ ویسے وہ کسی سے چپا جاسکتا تھا۔

سکا تھا کہ بات کیا ہو گئی ہے۔ اس چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔" کرنل فریدی نے نصیحت کن

"یعنی تم اور میں ایک ہیں۔ دو نہیں۔" فریدی نے بدستور سنجیدگی میں کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ الٹا طریقہ کیوں اختیار کر رہے ہیں۔؟

"ہاں ہاں۔ ایک بار کہہ جو دیا ہے۔ اب آپ نے کوئی اشتعال

بجے مجھ سے۔" حمید چڑسا گیا۔ "فریدی نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

"تو پھر بتاؤ۔ تم نے اپنی دم کی بات کی تھی یا میری؟" سیدھاسا دھاسا طریقہ ہے۔ ہم چھپ کر یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور حمید بڑا سامنے بنا کر رہ گیا وہ اور کر بھی کیا سکتا۔ ان اور اس کے ساتھی آئیں تو انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیں۔ اس کا وہ تو خود ہر بات اپنے منہ سے تسلیم کر چکا تھا۔

تقریباً آدھی پہاڑی وہ سر کر چکے تھے۔ اب اندھیرا چھا چکا تھا۔ کسی پگڈنڈی کی بجائے ویسے ہی چٹانوں کو جھلکتے ہوئے اوپر چڑھ رہے تھے۔

حمید۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ عمران کیسا آدمی ہے۔ وہ کوئی

کرنل فریدی کو خطہ تھا کہ عمران کے کسی آدمی کی نظر ان پر نہ پڑے۔ اس کے علاوہ میں اسے اس طرح بزدلوں کی طرح مارنا ہو سکتا تھا۔ معاملہ خراب ہو جاتا۔ یا پھر عمران اپنی سیم تبدیل کر دیتا۔ جلد ہی وہ پہاڑی پر پہنچ گئے۔ چٹانوں اور بڑے بڑے پتھروں کی

ہوتے وہ اس دراڑ کی طرف بڑھ رہے تھے جو آج کے ڈرائے میں ایک کردار ادا کرنے والی تھی۔ جلد ہی وہ دراڑ کے قریب پہنچ گئے۔ عمران اور اس کے ساتھی ابھی تک وہاں نہیں پہنچے تھے۔

فریدی نے بڑے محتاط انداز میں دراڑ اور اس کے ارد گرد کے ماحول کا لیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ کہاں چھپ کر زیادہ آسانی سے عمران پر گرفت کرے۔ دراڑ سے تقریباً دو تین فٹ دور ایک کافی بڑی چٹان تھی۔ جس کے پیچھے



کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ اس سدرت میں وہ ہمارے لئے کسی بھی وقت غلط ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہاں وہ سب اکٹھے ہو جائیں گے۔ ہم ایک ہی دفعہ ان پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔“ — فریدی نے اپنی تجویز بتلائی۔

حمید سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ ماحول پر قطعی خاموشی چھا تی ہوئی تھی۔ ہر چیز سکون کی گہری جھیل میں ڈوبی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ چند ہی لمحوں بعد وہاں آہٹ سی ہوئی اور کرنل فرید اور حمید پوچھنے ہو گئے۔

دوسرے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ وہ دروازے قریب آ کر رک گئے۔ ان میں سے ایک سایہ علی عمران اور دوسرا کیپٹن فریدی عمران کو صاف پہچان سکتا تھا۔

عمران نے چند لمحے تک ادھر ادھر ماحول کا جائزہ لیا اور بولا۔  
”میرا خیال ہے کہ اب صفدر کو کاشن سے دینا چاہیے۔“ — عمران کیپٹن شکیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

فریدی کو عمران کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔  
”ہاں! — تاکہ اسے یقین ہو جا۔ کہ ہم لوگ بالکل تیار ہیں۔“ — کیپٹن نے جواب دیا۔

”وہیے مجھے یہاں! ماحول کچھ غیر فطری سا محسوس ہو رہا ہے۔“ — عمران ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“ — کیپٹن شکیل نے چونک کر پوچھا۔  
”میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ یہاں ہم محفوظ نہیں ہیں۔ کچھ خفیہ ہیں دیکھ رہی ہیں۔“ — عمران نے کہا۔

”آپ کا وہم ہے عمران صاحب! — درنہ یہاں تو چھڑیا کا بچہ بھی نہیں ہے۔“ — کیپٹن شکیل نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔“ — میری چھٹی حس مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی۔ تم یہاں ٹھہرو۔  
”یہ ذرا ادھر ادھر کا راونڈ لگا آؤں۔“ — عمران نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ — جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“ — کیپٹن شکیل نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

عمران اس چٹان کی طرف چل دیا جس کے پیچھے کرنل فریدی اور حمید چھپے ہوئے تھے۔ کرنل فریدی کی گرفت اضطراری طور پر سٹین گن کے دستے پر مضبوط ہو گئی۔ اس کی نظریں عمران پر لگی ہوئی تھیں۔

عمران قدم بہ قدم چلا ہوا اس چٹان کے نزدیک آنے لگا۔ دیسے وہ برابر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی چھٹی حس واقعی برحق تھی۔ چٹان کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ بس ایک قدم آگے بڑھنے کا تکت رہ گیا تھا۔

فریدی اور حمید نے سانس روک لیا تھا۔ عمران نے آگے بڑھنے کے لئے قدم اٹھایا۔ اسی لمحے انکی نظریں ریلیٹ واپچ پر پڑیں اور اس کا قدم واپس ہو گیا۔ صفدر کا دیا ہوا ٹائم پورا ہو چکا تھا۔ اور پھر عمران نہیں چاہتا تھا کہ وقت نالغ کرے اور صفدر کسی مشکل میں پھنس جائے۔

چنانچہ اس نے ہر شاک جھٹک دیا اور پھر وہ تیز تر قدم اٹھاتا واپس کیپٹن شکیل کی طرف بڑھ گیا۔

کرنل فریدی نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی۔ بس ایک انچ کی کسر رہ گئی تھی۔ درنہ سارا پروگرام درہم برہم ہو جاتا۔

کیپٹن شکیل کے قریب پہنچ کر عمران نے واپچ رائیٹر کا ڈنڈن کھینچ کر فریڈی

سیٹ کی گھڑی موثر و نماز سُر نہ ہو گیا۔ چند لمحے بعد وہ خانہ سبز ہو گیا اور عمران نے ونڈ بٹن دبا کر گھڑی بند کر دی۔ اور پھر وہ دونوں گھنٹوں کے بل دواڑ کے سامنے جھک گئے۔

”سیرھی کہاں۔“ — ”عمران نے پوچھا۔

کیپٹن شکیل نے کوٹ کی جیب سے ایک ہنڈل نکالا اور پھر اس میں سے نائیلون کی رسی کی میٹری کو نکال لیا۔

”اسے نیچے لٹکا دو“ — عمران نے کہا اور کیپٹن شکیل نے رسی کی میٹری نیچے لٹکا دی۔

چند ہی لمحوں بعد انہیں بہت دور نیچے ملکی ملکی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

”ہنگامہ شروع ہو گیا ہے“ — عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں“ — کیپٹن شکیل بھی سنجیدہ تھا۔

اب گزرنے والا ہر لمحہ ان دونوں پر تیا مت بن کر گزر رہا تھا۔ سارے مشن کا ادارہ دندار صفر پر تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو کر آگیا تو وہ میدان مار جائیں گے۔ — — —

اس کے بعد وہ سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ — کچھ عجیب سی کیفیت تھی ان دونوں کی۔ — جسے محسوس تو کیا جاسکتا تھا بیان نہیں کیا جاسکتا تھا۔

لغمان نے عمران کی کال ملتے ہی فوراً عمل کے لئے تیار ہو گیا کیونکہ فیصلہ کن لمحہ آ رہا تھا۔

اس وقت وہ ہڈیل میں اپنے مخصوص کمرے میں تھا۔ اس نے اٹھ کر پڑے تبدیل کئے عجیب میں بڑا لور رکھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا فیروز کے کمرے کی طرف چل دیا۔

فیروز کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ لغمانی نے ملکی سی دستک دی مگر ہڈیل دستک پر کوئی جواب نہ آیا۔ دوسری بار اس نے زور سے دستک دی اور ایک نہایت مسلسل دستک دیتا چلا گیا۔

”کون ہے۔“ — ”بھانگ جاؤ۔“ اس وقت میں کسی سے نہیں مل سکتا۔ — — —

اور سے فیروز کی سخت غصے کے عالم میں گر جتنے کی آواز سنائی دی۔

”فیروز۔“ — میں ہوں ناگل دادا۔ دروازہ کھولو جلدی۔“ — لغمانی اونچی آواز میں کہیں تدرے سخت لہجے میں بولا۔

”ناگل دادا تم۔“ — فیروز کا لہجہ اس بار نرم تھا سیکن آواز سے جھلبلاہٹ نہایت ظاہر تھی۔

چند لمحے بعد دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا اور فیروز سبز آنکھوں سے ناگل دادا

کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے دادا؟" فیروز نے بڑی مشکل سے لمبے کوزم کرتے ہوئے راستہ دو — مجھے فوری کام ہے — نعمانی نے اس کا ہاتھ سختی سے طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔

فیروز ایک طرف ہٹ گیا۔

نعمانی جیسے ہی اندر داخل ہوا اس کی ناک میں ویسی شراب کی تیز بو گھس گئی اور سامنے ہی بیڈ پر ایک نیم عریاں اینگلو انڈین لڑکی بیٹھی اسے غیبی نظر دے دیکھ رہی تھی۔ جیسے نعمانی کی بے وقت دخل اندازی اسے بھی بڑی لگی ہو۔ "لڑکی — تم باہر جاؤ" — نعمانی سانپ کی طرح چھٹکارا۔

لڑکی اس کا لمبے سن کر گھبرا گئی۔ اس نے ایک نظر فیروز پر ڈالی اور پھر فیروز کا اشارہ پا کر وہ پیٹ چاپ اٹھی اور تیر کی طرح کمرے سے باہر نکل گئی۔

"فیروز — دروازہ بند کر دو" — نعمانی نے ایک سو فیر بیٹھتے ہوئے فیروز کو حکم دیا۔

فیروز نے دروازہ بند کیا اور پھر خود بھی صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ اب وہ سچا چمکا تھا۔ جذباتی اکاٹھ کا مہوت اتر گیا تھا۔

"کیا بات ہے ناگل دادا —؟ بڑے غصے میں معلوم ہوتے ہو" — فیروز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری یہ عادت مجھے پسند نہیں — ہر وقت عورتوں کے پاس گئے رہتے ہو کسی دن عورت ہی کی بدولت مارے جاؤ گے" — نعمانی نے بیزاری سے کہا۔

"کیا کروں ناگل دادا —؟ بعض اوقات میں خود بھی یہی محسوس کرتا ہوں لیکن کیا کروں۔ اپنی فطرت سے مجبور ہوں" — فیروز نے جواب دیا۔

"اچھا چور ڈاس چکر کو — یہ تو جتنا ہی رہتا ہے — کام کی بات منو! — آج رات میری پارٹی نے کامانی ٹیباٹ پر ایک چیمبر وصول کر لی ہے — ایک آدمی نے وہ چیز وہاں پہنچائی ہے — ہو سکتا ہے کہ کرنل مسریدی اور اس کے آدمی مزاحمت کریں — میں خود بھی وہاں جا رہا ہوں — تم پانچ آدمی جوڑنے بھڑنے کے ماہر اور جی دار ہوں۔ میرے ساتھ بھیج دو۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو تمہیں تمہارا معاوضہ پہنچا دیا جائے گا" — نعمانی نے مختصر طور پر اسے اپنا مقصد بتلادیا۔

"ابھی تو ناگل دادا — پانچ کہا — پانچ ہزار آدمی تم پر تیراں کئے جا سکتے ہیں — ویسے میرے خیال میں اگر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں تو کیسا ہے؟" — فیروز نے اپنی خدمات بھی پیش کر دیں۔

"نہیں — ابھی تمہارا سامنے آنا مناسب نہیں — ہو سکتا ہے کہ وہاں کرنل فریدی سے مقابلہ ہو جائے اور ہم کامیاب بھی نہ ہو سکیں تو تم کرنل مسریدی کی نظروں میں آناؤ گے" — نعمانی نے کہا۔

"ماں! — یہ بات تو ٹھیک ہے — چلو ٹھیک ہے — میں ایسے پانچ آدمی مہیا کر دیتا ہوں جن کا تعلق میرے اڈے سے نہیں ہے لیکن میں وہ بھی میرے خاص آدمی" — فیروز نے کہا۔

بزدل اور جھگڑے آدمی مجھے پسند نہیں — آدمی ایسے ہوں جو مرنا جانتے ہوں — قدم پیچھے ہٹانا نہیں" — نعمانی نے کہا۔

"تم بے فکر رہو ناگل دادا — میں ایسے ہی آدمی دو لگا جیسے تم کہہ رہے ہو" — فیروز نے کہا۔

"تو میری جلدی سے انہیں بلالو — مجھے ایک گھنٹے کے اندر اندر وہاں پہنچنا ہے" — نعمانی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔



”ابھی لو۔“ فیروز نے کہا اور پھر اس نے میز کے کونے میں لگایا ہوا ایک بٹن دبا دیا۔

چند ہی لمحوں بعد دروازے پر دستک مونی۔

”کم ان۔“ فیروز نے گرجا کر لہجے میں کہا۔

دروازہ کھلا اور پھر ایک تہ سے بھاری جسم کا شخص جس کے چہرے پر زخموں کے بے شمار نشان تھے اور آنکھوں سے شیطانت ٹپک رہی تھی اندر داخل ہوا اور موبائے انداز میں کھڑا ہو گیا۔

جانی! — یہ بتا دو کہ — جگہ — شیر — بومی — اور مارٹ کھال ملیں گے۔“ فیروز نے سوال کیا۔

”باس! — اس وقت وہ کیفے ہائی وے کے نیچے تہ خانے میں جا کھیل رہے ہیں۔“ جانی نے موبائے لہجے میں جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔“ ان کو فوراً میاں بلاؤ۔ اور تم خود بھی تیار ہو جاؤ۔ تم سب کو ناگل دادا کے ساتھ جانا ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں تمہیں کرنل مسریدی اور اس کے ساتھیوں سے لڑنا پڑے۔ تم ناگل دادا کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کرانا۔“ فیروز نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”بے فکر رہیں باس! — ناگل دادا کے لئے ہم خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیں گے۔“ اور آف نہیں کریں گے۔“ جانی نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

”اچھا جاؤ۔“ اور ان سب کو فوراً بلاؤ۔“ فیروز نے کہا اور جانی سلام کر کے براوا لیس کر گیا۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ پانچوں نعانی کے سامنے کھڑے تھے۔ جانی کو تو وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ باقی چاروں کو دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ واقعی وہ

پانچوں بڑے بھڑنے میں ماہر معلوم ہوتے تھے۔ ان کے مضبوط اور سٹول جسم اور ان کے غنڈوں والے چہرے صاف بتا رہے تھے کہ وہ کیا ہیں۔

فیروز نے انہیں تفصیل سے بتلائی کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔ اور انہوں نے بھی وہ بات کہی جو ان سے پہلے جانی کہہ چکا تھا۔

”اچھا چلو میرے ساتھ۔“ اب مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔“ نعانی اٹھ کھڑا ہوا اور پھر وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے اڑے سے باہر نکل آئے۔

نعانی نے دو ٹیکیاں پکڑیں اور انہیں گاڑی پہاڑی کا پتہ بتلادیا۔ جلدی ٹیکیاں انہیں گاڑی پہاڑی کے نزدیک اتار کر چلی گئیں۔

نعانی اور اس کے ساتھ اتر کر نعانی کے پیچھے پہاڑی کی طرف چل دیئے۔ وہ مختلط انداز میں پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ پہاڑی پر مکمل سکوت چھایا ہوا تھا جلدی وہ پہاڑی کے اوپر پہنچ گئے۔

نعانی نے انہیں مختلف چٹانوں کی اوٹ میں بٹھا دیا۔ وہ پانچوں پوری طرح مست تھے۔ نعانی خود بھی ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور چوکنی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

جلدی اسے عمران اور کیپٹن شکیل آتے ہوئے نظر آئے۔ نعانی خاموش بیٹھا رہا۔

وہ دونوں دروازے کے قریب آکر رک گئے۔ نعانی انہیں بغیر دیکھ رہا تھا پھر جس وقت عمران اور کیپٹن شکیل دونوں دروازے پر جھکے ہوئے تھے۔ اسی لمحے نعانی نے ایک جگہ سی آہٹ سنی۔ جیسے قریب ہی کہیں کھڑے ہوا ہو۔ نعانی چونک پڑا۔ اس نے مختلط نظروں سے اس طرف دیکھا۔ جلدھر اس کے خیال کے مطابق کھٹکا ہوا تھا۔

چند سی لمحوں بعد لغمانی نے ایک چٹان کی آڑ میں ایک آدمی کو لیٹے ہوئے دیکھ لیا۔ اس آدمی کے ہاتھ میں ریوالت تھا اور اس کی نظریں دراڑ پر لگی ہوئی تھیں اور ریوالت درج بھی دراڑ کی طرف ہی تھا۔

لغمانی مسجد گیا کہ کزن مسریدی اور اس کے آدمی تم سے پہلے یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ اس کے جسم میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ عمران اور کیٹن شکیل سخت جھٹے میں تھے۔ کسی بھی لمحے کہیں سے چلی ہوئی دو گولیاں ان دونوں کو سیشہ کے لئے ختم کر سکتی تھیں۔

لغمانی نے سرچا کر عمران کو اس بات سے آگاہ کر دے تاکہ وہ بے خبری میں نہ مارا جائے۔ چنانچہ اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے عمران سے بات کرنا چاہی لیکن عمران نے پیغام وصول نہیں کیا۔ کیونکہ لغمانی دیکھ رہا تھا کہ وہ لوگ دراڑ کی طرف متوجہ ہیں۔ عمران کی نظر گھڑی پر پڑی ہی نہیں تھی جو وہ اشارہ سمجھتا۔ لغمانی نے بالکس ہو کر بات کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ پھر وہ آہستہ سے ریگتا ہوا اس چٹان کی طرف بڑھنے لگا جبکہ وہ آدمی موجود تھا۔

اس شخص کی تمام تر توجہ دراڑ کی طرف تھا۔ یا وہ شاید جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر رہا تھا۔

لغمانی جلد ہی اس آدمی کے پاس پہنچ گیا۔ ویسے اپنے طور پر اس نے ریگتے میں اتنی احتیاط برتی تھی کہ بلکی سے بلی آواز بھی پیدا نہ ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ اچانک اس آدمی کی چھٹی حس پیدا ہو گئی۔ وہ اس کی طرف پلٹا۔ ایک لمحہ کے لئے حیرت سے وہ لغمانی کی طرف دیکھنے لگا کہ یہ آدمی کہاں سے ٹپک پڑا ہے؟

اسی لمحے لغمانی اپنی جگہ سے تیزی سے اچھلا اور اس آدمی کے اوپر جا گرا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اس کا ریوالت پکڑ لیا مگر پھر ان دونوں میں ایک خوفناک مگر خاموش

جنگ چھڑ گئی۔ لیکن لغمانی تیز نکلا۔ جلد ہی وہ اس آدمی کو بیہوش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب وہ خود اس کی جگہ موجود تھا۔

اسی لمحے لغمانی نے دیکھا کہ اس آدمی کے ہاتھ میں بندھی ہوئی گھڑی کا خزانہ رنج ہو گیا تھا۔ لغمانی نے جلدی سے اس کی گھڑی اتار لی۔ یہ ٹرانسمیٹر بھی اسی میسنرزم پر کام کرتا تھا جس طرح لغمانی کا۔ اس لئے لغمانی ایک لمحے میں اس کی تکنیک سمجھ گیا۔ اس نے ڈیڑھ بجھنے لیا اور خانہ سبز ہو گیا۔ اس نے گھڑی کو کان سے لگا لیا۔ ایک بلکی سی آواز آرہی تھی۔

”ہیلو نمبر ون فورکس ٹو۔ نمبر لیون دس اینڈ اوور۔“  
”نمبر ون فورکس ٹو۔ اوور۔“ لغمانی نے آہستہ سے جواب دیا۔  
”کیا بات ہے۔؟ تمہاری آواز کمزور کیوں ہے اور تھکے بدلی ہوئی کیوں ہے۔ اوور۔“  
”دوسری طرف سے آواز آئی۔“

”میں زیادہ اونچی آواز نہیں نکال سکتا۔ ماحول ہی ایسا ہے۔ اوور۔“ لغمانی نے جواب دیا۔

”اچھا سنو! تمہارے ذمہ ایک اہم ڈیوٹی ہے۔ جیسے ہی بیگ عمران کے ہاتھ میں آئے۔ تم نے عمران کے اس ہاتھ پر ناکر کر دینا ہے۔ تمہارے پاس مائنز لگا ہوا ہے۔ پھر بارڈر اسٹون کی ناکرنگ کے بعد جنگ شروع ہو جائے تو تم نے وہ بیگ وہاں سے اڑا لینا ہے۔ اوور۔“

”نمبر لیون نے اسے ہریت دیتے ہوئے کہا۔“  
”یس سر۔ میں سمجھ گیا۔“ لغمانی نے جواب دیا۔  
”بارڈر اسٹون تمہارے ناکر کا انتظار کریں گے۔ اوور۔“ نمبر لیون نے مزید کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ اور۔" — نعمانی نے جواب دیا اور لوگوں سے خفا نہ ایک ہو گیا۔

نعمانی نے اطمینان کی ایک جی سانس لی۔ اس نے اس آدمی پر بروقت کر دیا تھا اور نہ بیگ ہاتھ سے جاتا رہتا۔ نعمانی ان کا پروگرام سمجھ گیا اور عمران کے ہاتھ پرنا کر گرنے کا مطلب یہ تھا کہ عمران کا ہاتھ زخمی ہو جائے اور بیگ کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ اس نے فوری بیگ کا اعلان کر دے گا۔ عمران چونکہ ہوگا اس لئے لڑ نہیں سکے گا اور نہ ہی وہ بیگ کی طرف متوجہ ہو سکے گا اس پر جلد ہی تابو پالیا جائے گا لیکن نعمانی کی وجہ سے ان کی یہ سکیم ناکام ہو گئی تھی۔



صفدر تیز تیز قدم اٹھا ہوا لیبارٹری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ لیبارٹری پر زین اس وقت ہنگامی معلوم ہو رہی تھی کیونکہ آخری مراحل میں تھک اور بھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

"ویل ڈن — ویل ڈن — میں کامیاب ہو گیا — میں کامیاب ہو گیا۔" پر دھیسہ اپنی کرسی پر کھڑا خوشی سے ناچ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی پھولتی ہوئی تھی۔ اس نے ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اب وہ

دنیا کے عظیم ترین سائنسدانوں میں سے ایک تھا۔

لیبارٹری میں موجود ہر آدمی خوش تھا۔ لیکن صفدر کی تیز نظروں سے پر دھیسہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بظاہر اس کی حرکات سے معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ بھی بے پناہ خوشی محسوس کر رہا ہو۔ لیکن یہ تو اس کا دل جانتا تھا کہ وہ کتنی خوشی محسوس کر رہا ہے۔

چند لمحوں کی ہنگامی خوشی کے بعد پر دھیسہ نے میز کی دراز سے ایک چھوٹا سا بیگ نکالا اور پھر میز پر کھجور کے پوتے کا غلات کو جن پر نارموں کے اشارات قبضل سے درج ہونے لگے اس میں رکھنے لگا۔ کاغذات رکھ کر اس نے بیگ بند کیا اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا باقی لوگوں کی طرف بڑھا۔

"اب آپ چھٹی کریں۔" مجھے خوشی ہے کہ آپ لوگوں نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے۔" پر دھیسہ نے کہا اور پھر سب لوگ اس سے مصافحہ کر کے باہر جانے لگے۔

"دلی مبارک باد پر دھیسہ" — صفدر نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"ٹھیک یو مسٹر تھور" — پر دھیسہ نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ اور پھر صفدر چونک پڑا۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں پہنی ہوئی گھڑی کا خانہ صرج ہو گیا تھا۔ یہ کاشن تھا کہ عمران وغیرہ پہاڑی پر تیار کھڑے ہیں۔ اس وقت لیبارٹری خالی ہو چکی تھی۔

کیا بات ہے مسٹر تھور! — آپ چوکنے کیوں؟ — پر دھیسہ نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"وہ دراصل میں تے آپ کو ایک چیز دینی تھی" — صفدر نے جلدی جلدی



نہیں ٹوٹ لیتے مرنے کا۔

وہ کیا —؟ پروفیسر جرج جانے کے لئے قدم اٹھانے ہی والا تھا۔ رکتے ہوئے بولا۔

دوسرے لمحے صفر کے ہاتھ میں ریلا اور چمک رہا تھا۔ پروفیسر خوفزدہ ہو کر دوڑ رہا تھا۔

”یکساں مہم جوئی —؟ اس کے لیے میں بڑا کھڑا ہٹ مٹی۔

مگر صفر نے پھرتی دھکائی۔ اس نے بیگ پر جھپٹا مارا۔ دوسرے لمحے بیگ پروفیسر کے ہاتھ سے نکل کر اس کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔

اپنا بیگ پروفیسر اپنی جگہ سے اچھلا اور اس کی زوردار لٹ صفر کے ہاتھ پر پڑی۔ اگر صفر سوچتا تو یقیناً بیگ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ پروفیسر نے وارنا ہاتھ دیکھ کر حیرت لگائی اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ لیسا بڑی میں نہ ہونے اپنے مخصوص کہیں کے دروازے کی طرف اڑتا ہوا گیا۔

صفر اچھا طرح جانتا تھا کہ اگر وہ کہیں میں داخل ہو گیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت صفر کو نہیں بچا سکتی۔ کیونکہ وہاں صرف ایک بٹن دبانے کی دیر ہوتی اور پوری لیسا بڑی خطرے کے سائروں سے گونج اٹھتی۔ اب مجبوری تھی۔ اس لئے صفر نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک شعلہ نکلا اور پروفیسر جو دروازے میں دھک رہا تھا ابھی چلتا تھا اس کی کمر میں زمینیں سوراخ ہو گیا اور وہ دروازے میں ہی ڈھیر ہو گیا۔

صفر کے پاس اب اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا کہ وہ پروفیسر کو گولی مار دے ورنہ ناروا بھی ہاتھ سے نکل جاتا۔ گولی لگنے کے بارے میں پروفیسر آگے کی طرف گھسٹ رہا تھا۔ صفر ٹریگر دبا تا چلا گیا۔ دو تین گولیاں پروفیسر کے جسم میں مزید

سوراخ بناتی چلی گئیں اور پروفیسر ایک لمحے کے لئے تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ صفر کے دل میں اس کے لئے رحم یا ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں تھا کیونکہ وہ اس سے شک نہ گذارتا تھا۔

جب صفر کو یقین ہو گیا کہ پروفیسر ختم ہو چکا ہے تو وہ بیگ پڑے تیزی سے لیسا بڑی سے ملحقہ دوسرے کمرے میں آیا۔ اس کی حرکات میں انتہائی تیزی تھی۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں خون کی بجائے پارہ دوڑ رہا ہو۔ لیسا بڑی کے سامنے حصے سے جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا اور ایک لمحہ قیمتی تھا۔ کسی بھی لمحے کوئی بھی شخص لیسا بڑی میں آسکتا تھا۔

صفر بھاگتا ہوا پچھلی طرف کھلنے والی کھڑکی کی طرف گیا۔ اس نے ریلا اور کوسٹ مارکر اس کا شیشہ توڑا اور پھر ایک ہی چھلانگ میں وہ کھڑکی کے باہر موجود تھا۔

اسی لمحے ایک گولی اس کے بائیں کندھے میں گھس گئی۔ صفر کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی جلتا ہوا انگارہ اس کے کندھے میں تیر گیا ہو۔ وہ مڑا اور پھر اسے گولی اسنے والا سامنے ہی نظر آ گیا جو دوسری گولی چلانے ہی والا تھا۔ صفر نے پھرتی سے ٹریگر دبا دیا۔ گولی سیدھی اس کے سینے پر پڑی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

یہ سیکورٹی کا آدمی تھا جو دباں پہرہ دے رہا تھا۔ صفر کے بازو سے تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔ لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی۔ وہ بھاگتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

اسی لمحے پوری لیسا بڑی خطرے کے سائروں سے گونج اٹھی۔ شاید کسی نے پروفیسر کی لاش کو دیکھ لیا تھا۔ ساری لیسا بڑی میں ایک ہنگامہ مچا رہا ہو گیا۔

صفر تیزی سے دراڑ کے قریب پہنچا۔ اس نے لائیں مار مار کر وہاں سے گری ہوئی اینٹیں توڑ دیں۔ اب وہاں کم از کم ایک آدمی کے گھسنے کی جگہ بن گئی تھی۔ صفر تیزی سے اندر چلا گیا۔ دراڑ میں رسی کی ایک پتی سی سیڑھی لٹک رہی تھی۔ عمران وغیرہ شائد اوپر درج ہو چکے تھے۔

صفر نے سیڑھی پکڑ کر جھٹکا دیا اور پھر بیگ کو زخمی ہاتھ میں پکڑ کر سیڑھی پر پاؤں رکھا اور پھر تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ اوپر اوپر سے شائد عمران وغیرہ نے سیڑھی اوپر کھینچنا شروع کر دی تھی۔ صفر نے چڑھنا بند کر دیا۔ کیونکہ سیڑھی خود بخود اوپر جا رہی تھی۔

ابھی اس نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اچانک نیچے دراڑ میں کوئی دھماکا ہوا۔ اس نے دیکھا کہ داخل ہونے والے کے ہاتھ میں مشین گن تھی۔ اس نے پہلے کہ مشین گن کی رخ صفر کی طرف ہوتا۔ صفر نے بیگ والے ہاتھ سے بیگ پکڑی اور دوسرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریولور سے گولی چلا دی۔ گولی اس کے سر پر پڑی اور وہ دیہیں ڈھیر ہو گیا۔

صفر بڑی نازک پوزیشن میں پھنس گیا تھا۔ اب اس کے ریولور میں صرف ایک گولی بچی تھی۔ اور ابھی فاصلہ کافی سے زیادہ تھا۔ اور صفر یہ بھی جانتا تھا کہ اگر مشین گن نے گولیاں اگنا شروع کر دیں تو ایک تو وہ مارا جائے گا۔ دوسرا اسے کھینچنے والے عمران وغیرہ بھی یقیناً زخمی ہوں گے۔

اس لیے ایک اور آدمی دراڑ میں داخل ہوا۔ صفر نے تیزی سے آخری گولی دی۔ وہ آدمی بھی ختم ہو گیا۔ اب صفر اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ ریولور کوڈھک سکتا۔ اس نے سیڑھی کو دھمکنی بارزور سے جھٹکا دیا۔ کسی نے اوپر سے جھانک کر اس لیے دو اور آدمی دراڑ میں داخل ہوئے ان کی مشین گنوں کا رخ اوپر ہوا۔

بے بہرہ تھا۔ وہ کیا کر سکتا تھا۔ مگر اوپر سے دو فائر ہوتے اور وہ دونوں بھی ختم ہو گئے۔ عمران نے یقیناً صفر کی نازک پوزیشن کو سمجھ لیا تھا۔ اب تھوڑا سا فاصلہ گھٹ گیا تھا۔ اور چند لمحوں بعد وہ یہ فاصلہ بھی طے کر چکا تھا۔ اوپر سے عمران کا ہاتھ نیچے آیا اور اس نے صفر کے اسے وہ بیگ دیدیا اور پھر رسی کے سہارے وہ بھی اوپر آ گیا۔ اور اس نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ کیونکہ اب وہ قدرے محفوظ ہو چکا تھا۔ جلدی چلو۔ عمران کی سرگوشی ابھری۔ مگر دوسرے لمحوں وہ اچھل پڑا کیونکہ پوری پہاڑی گولیوں کے دھماکوں سے گونج اٹھی تھی۔

پست کا نہیں فولاد کا بنا ہوا ہے۔

اُدھر علی عمران — دنیا کا اعتبار ترین آدمی — جس کے ہاتھ بیشار بنی الانوامی  
پروں کی گردنیں مروڑ چکے تھے اس وقت آمنے سامنے تھے۔

اس دفعہ حملہ کرنے میں پہل فریدی نے کی۔ عمران وار پانے کی بجائے اپنی جگہ  
پر ڈھاربا۔ فریدی پورے زور سے عمران سے ٹکرایا اور عمران کیوں محسوس ہمارا کہ  
جیسے کوئی بہت بڑی چٹان اس سے ٹکرا گئی ہو۔ مگر وہ عمران تھا۔ ذرا سا لڑکھڑایا  
مگر نہ ٹکرا نہیں۔ اس کا ہاتھ تیزی سے گھوما اور فریدی کی کنپٹی پر ایک نور وار کم

پڑا۔ مگر دوسرے لمحے عمران کے پیٹ پر فریدی کا ایک فولادی گھولنے پڑا اور عمران  
رو کی شدت سے دوہرا ہو گیا۔ فریدی کا ہاتھ دوبارہ پلٹا مگر اس بار پھرتی سے  
عمران پہلے بچ گیا۔ ورنہ جو ڈوکا یہ خطرناک ترین وار اس کی گردن کی بڑی یقیناً توڑ  
دیتا۔ عمران نے پورے زور سے کہنی فریدی کی پسلیوں میں گھیر دی۔ کراٹے کا خطا

داؤ جو بڑوں بڑوں کی جان نکال دیتا تھا مگر فریدی پر اس کا کوئی شدید رد عمل نہ ہوا  
اس نے بائیں ہاتھ کو جھٹکا دیا اور عمران پلٹ کر بائیں طرف جا کر مگر اس کی  
دونوں ٹانگیں فریدی کی گردن میں تنچی کی طرح پھنس گئیں اور پھر جیسے ہی عمران  
پلٹ کر گرا۔ فریدی بھی اس کے ساتھ ہی گھوم گیا۔

پہاڑی چھتروں نے ان کے جسموں پر خاصی ضربات لگائیں لیکن دباں کس کو اتنا  
بھٹس تھا کہ ان ضربات کے متعلق سوچے۔ کرنل فریدی نے پورے وقت سے  
عمران کی پنڈلیوں پر ضربات لگائیں۔ عمران نے پنڈلیوں کو ذرا سی ڈھیل دے دی اگر  
وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً "پنڈلیوں کی بڑیاں ٹوٹ جاتیں۔ عمران کا جسم ربط کی طرح مڑا  
اور دوبارہ فریدی کے اوپر آ گیا۔ اب عمران کا سر فریدی کی دونوں ٹانگوں کے درمیان  
تھا اور ہاتھ فریدی کی دونوں ٹانگوں پر مضبوطی سے جم گئے تھے۔

سیدھے کھڑے ہو جاؤ عمران — پاس ہی موجود ایک بڑی چٹان تھی۔  
کا بیولا ابھرا۔ دوسرے لمحے عمران نے بیگ تیزی سے قریب کھڑے کیپن ٹیکل کو  
پکڑا دیا اور چہرہ تقریباً اڑتا ہوا کرنل فریدی سے جا ٹکرایا۔ فریدی کے ہاتھ سے  
ٹیکل گن گر کر اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

اسی لمحے کیپن ٹیکل پر حمید نے جو کہیں قریب ہی چھپا ہوا تھا۔ حملہ کر دیا۔  
پر بھی اکب اور آدمی آ پڑا۔ اب پہاڑی پر پھر پورے جنگ چھڑ گئی۔ اندھیرے میں  
سے لوگ ایک دوسرے دست درگیاں تھے۔ چند لمحے کے وقفے کے بعد کسی نے  
کی بھی ایک چرخ سے پہاڑی گونج اٹھی۔ نعمانی اور اس کے ساتھی غنڈے اس  
میں متحرک دارا کر رہے تھے۔

کرنل فریدی نے عمران کو ڈاؤن دینے کی بجائے عمران کی دونوں ٹانگیں اس کے سینے  
پڑیں اور فریدی لٹکھڑا کر نیچے گر گیا۔ مگر گرتے گرتے اس نے عمران کو بھی دوسری طرف  
اچھال دیا۔ ایک لمحے سے بھی کہ عرس میں وہ دوبارہ ایک دوسرے کے مقابل  
دو خطرناک انسان — دو خطرناک آدمی — کرنل فریدی عظیم ترین جاسوس  
جس کا نام سنکر بڑے سے بڑا مجرم کانپ جاتا تھا۔ جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ



تہا پہاڑی پر زوردار جنگ چھڑی جوتی تھی۔ موت اور زندگی کی جنگ۔  
ایک خوفناک اور بھیانک جنگ۔ اب عمران اور فریدی پلٹیاں کھاتے ہوئے  
آگے پیچھے ہونے لگے۔ پھر فریدی کا داؤد چل گیا۔ اس نے دو مہر پور کے عمران کے  
پہلوں پر مارے اور عمران کی ٹانگوں کی گرفت فریدی کی گردن پر ڈھیلی پڑ گئی۔  
اور فریدی یکدم دائیں طرف پلٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھتا۔ عمران ایک جھٹکے  
سے سیدھا ہوا اور اس کے پیر کی زوردار ضرب فریدی کے چہرے پر پڑی۔ چوٹ  
خاصی زوردار تھی مگر فریدی نے اس کا پیر کپڑا مڑ دیا اور عمران پلٹ کر  
آگرا۔ وہ لڑھکتے ہوئے کافی دور جا چکے تھے۔ اب فریدی نے اٹھنے میں پہل  
دکھائی۔ مگر دسکڑے عمران نے تیزی سے پہلو بدل لیا۔ ورنہ فریدی کی لات اس  
کے پہلو میں پڑتی۔ عمران پلٹتے ہی اچھلا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم میں  
سپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ اس کے سر کی زوردار ضرب فریدی کے سینے پر پڑی۔ اور  
فریدی کا کھٹنا عمران کے پیٹ پر پڑا۔ اور وہ دونوں ایک بار پھر زمین پر ڈھے  
ہو گئے۔ پھر عمران کا ہاتھ سجلی کی طرح پڑا اور اس کی بھتیجی فریدی کی گردن پر  
پڑی۔ یہ ایک خطرناک داؤد تھا مگر فریدی یہ وار بھی سہ گیا۔ اس نے لیفٹ پنچ عمران  
کی ناک پر جھرا دیا اور پھر اس کے ہاتھ تار تار پٹنے لگے۔ عمران کے سنبھلتے سنبھلتے  
بھی تار پاپ کے اس کے چہرے پر پڑ چکے تھے۔ ان کوئل نے عمران کو جھجھکا دیا۔  
اور پھر اس کے دونوں ہاتھ کرنل فریدی کے پہلو پر پڑے۔ اس سے پہلے کہ فریدی  
کچھ سمجھتا۔ اس کا جسم ہوا میں بلند ہو گیا۔ کرنل فریدی جس کو بڑے سے بڑا قوتور  
جسم بھی آج تک اپنی جگہ سے نہ ہاسکا تھا۔ عمران کے ہاتھوں اوپر اٹھ چکا تھا۔  
یہ تو عمران ہی جانتا تھا کہ فریدی کو اٹھانے میں اسے کتنی طاقت استعمال کرنا پڑی تھی۔  
ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اس کے پھپھڑے ابھی چھٹنے والے ہوں۔ اس نے جھٹکے

فریدی کو دُور پھینکا چاہا مگر فریدی سانپ کی طرح پلٹا اور دوسرے لمحے اس کے  
ہاتھ عمران کی پشت پر پڑے اور عمران کے ہاتھوں میں جیسے قوت ہی نہ رہی ہو۔  
دونوں ایک دوسرے کے اوپر گر گئے۔  
فریدی نے اٹھتے ہی عمران کی گردن پر ہاتھ ڈالا اور ایک ہی جھٹکے سے عمران  
کھینچا ہوا چند قدم دُور جاگرا۔ فریدی نے اس کے سینے پر لات ماری چاہی مگر عمران  
بڑی سے پلٹ گیا۔ پھر گھوم کر اس کا دوسرا ہاتھ فریدی کی ٹانگ پر پڑا اور فریدی  
بھی زمین پر گر گیا۔ اور پھر اس بار دونوں برابر ہی اٹھے۔ فریدی نے جھٹکے لگائی  
اس کا سر عمران کے سینے پر پڑا مگر عمران کے ہاتھ میں فریدی کا ایک بازو آگیا۔ اس سے  
نے اسے مضبوطی سے کپڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا اور فریدی کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے  
اس کے پیروں کے نیچے سے زمین غائب ہو گئی ہو۔ فریدی کے اس بازو کو جسے عمران  
نے کپڑا ہوا تھا ایک زوردار جھٹکا لگا اور فریدی کے پاؤں اٹھ گئے۔ دوسرے لمحے  
وہ دونوں فضا میں تہا بازیاں کھا رہے تھے۔ اندھیرے میں لڑتے لڑتے وہ پہاڑی کے  
گارے پر آپہنچے تھے۔ اگر عمران کا ہاتھ فریدی کے بازو پر نہ ہوتا تو فریدی یقیناً  
اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ مگر اب دونوں کے جسم فضا میں تھے اور وہ دونوں  
حقیر کوئل کی مانند نیچے گر رہے تھے۔ جہاں سیکڑوں فٹ نیچے گرے کھڈ اور خوفناک  
خاران کو خوش آمدید کہنے کیلئے منہ پھاڑے تیار کھڑے تھے۔ وہ تیر کی طرح نیچے جا  
رہے تھے سیکڑوں فٹ نیچے اور نیچے موت ان کے استقبال کے لئے کھڑی تھی۔ موت  
بھیانک تعقیبے ان کے کانوں میں گونج رہے تھے اور وہ بے بسی سے ہاتھ پیرا رہے  
موت کی گود میں گر رہے تھے۔ موت کی آغوش۔ بھیانک آغوش۔  
عظیم انسانوں کا انجام۔ موت۔ اور صرف موت!

کیپٹن شکیل نے ہر لمحہ بڑھتے ہوئے حالات کا اندازہ کرتے ہی فارمولے والے بیگ سمیت نکل جانے کا پروگرام بنالیا۔ ممران کے فریدی پر چھپتے ہی حمید کیپٹن شکیل سے ملے۔ حمید کیپٹن شکیل کے ایک ہاتھ میں بیگ تھا۔ اچانک گلنے والے دھکے سے وہ زمین پر گر پڑا مگر اس نے بیگ نہیں چھوڑا۔ حمید اس پر چڑھا مگر برسا رہا تھا کیپٹن شکیل نے تیزی سے پیر اس کے پیٹ پر بھیا اور پھر دوسرے ہی لمحے حمید اڑا ہوا دور باگر۔ کیپٹن شکیل تیزی سے اٹھا مگر اٹھتے ہی اس کے بائیں بازو کے ساتھ چھوٹا سا انگارہ سا نکل گیا۔ درو کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس نے ایک جھاڑی کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ اب اس کے ایک ہاتھ میں بیگ تھا اور دوسرا بازو زخمی ہو چکا تھا۔ وہ اچھل کر باٹھا مگر اگر اب کسی سے مقابلہ ہو گیا تو وہ اپنی مدافعت مکمل طور پر نہیں کر سکے گا اور نتیجے میں اپنی جان تو ایک طرف رہی فارمولے سے ہاتھ ضرور دھونے پڑیں گے جو وہ کسی قیمت پر نہیں چاہتا تھا۔

وہ رینگتا ہوا پہاڑی کی شمالی جانب ہانے لگا۔ پہاڑی پر اندھیرا ہونے کی وجہ سے ابھی تک اسے کوئی چہرہ نہیں کر سکا تھا۔

اچانک وہ رک گیا۔ سامنے ایک جھاڑی کے پیچھے اسے ایک سایہ سا بیٹھا نظر آیا۔ وہ جھاڑی کی اوٹ سے فارم کر رہا تھا سچا کہ اس پر کیپٹن شکیل آگے بڑھتا تو اسے اس

جھاڑی کے قریب سے ہو کر گزرا پڑا اور پھر نازنگ کرنے والا لیتینا اس کی آہٹ سے نکل کر ایک طرف متوجہ ہو جاتا اور یہ کیپٹن شکیل کے لیے خطرناک چیز تھی۔ اس نے پاس رہا اور مرنے نہیں دیا۔ اس نے وہ ایک لمحے کے لیے سوچا۔ باکر اس سے کیسے نجات پاتے؟ اس نے اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے زخمی ہاتھ میں بیگ پڑا اور دوسرا ہاتھ آستنی سے زمین پر لہرایا۔ ایک کافی بڑا پتھر اس کے ہاتھ لگ گیا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے پتھر کو ہاتھ میں اٹھا کر قولا اور پھر لیٹے ہی لیٹے بازو لہرایا اور اس نے پتھر چل دیا۔ نشانہ ٹھیک اپنی جگہ پر لگا اور نازنگ کرنے والا وہ کیپٹن شکیل کی آواز نکالتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اچھا خالصا درلی پتھر پوری قوت سے اس کی کیپٹن پر پڑا تھا۔ اس نے زمین پر ڈھیر ہوتے ہی کیپٹن شکیل تیزی سے آگے رینگنے لگا۔

پہاڑی پر کیپٹن شکیل سے متعلق دُور شدت کی لڑائی ہو رہی تھی کبھی کبھی ہونے والا نازنگ کی روشنی سے اسے ماحول کی شدت کا اندازہ ہو جاتا۔

اب وہ پہاڑی کے شمالی حصہ میں پہنچ چکا تھا۔ یہاں قدرے سکون تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے ارد گرد کا جائزہ لیا اور اپنے قریب کسی کو نہ پا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اب تیزی سے پہاڑی کے کنارے کی طرف دوڑنے لگا۔ وہ اندھیرا ہونے کے باوجود ایک خوبصورت گیلڈنڈی دیکھ چکا تھا جو پہاڑی کے کنارے سے پیچھے چلی گئی تھی۔ اس کا رخ اب گیلڈنڈی کی طرف تھا۔

ابھی وہ گیلڈنڈی کے قریب پہنچا بھی نہ تھا کہ اسے پہاڑی کے کنارے سے کسی اور سمجھتا ہوا نظر آیا۔ وہ تیزی سے زمین پر لیٹ گیا۔ ایک لمحہ بعد ایک شخص جو اندھیرے میں سایہ سا محسوس ہو رہا تھا۔ پہاڑی پر چڑھ آیا۔ وہ بُری طرح بانپ رہا تھا۔ شاید یہ وہی پہاڑی پر چڑھنے کی وجہ سے تھا۔ اس نے ہاتھ میں سٹین گن تھی۔ اس نے وہاں لڑکر ایک لمحے کے لیے اصرار دھریا اور پھر تیزی سے اُدھر چل پڑا بعد ضرورتاً

اور یہی مضمون کیپٹن شکیل پر اس کی نظر نہیں پڑی۔

کیپٹن تشکیل نے اطمینان کا ایک طویل سانس لیا اور پھر آگے کی طرف ریٹھنے لگا۔ وہ اس پگڈنڈی تک پہنچ گیا تھا۔ دیلے اسے یہ علم نہیں تھا کہ اسٹین گن والا اس کے اسٹیشن پر کھڑا تھا۔ وہ مزید تیرت سے کیپٹن تشکیل کی طرف دیکھ رہا تھا جو کنارے بیٹھا پگڈنڈی پر سیر چلا رہا تھا۔ پگڈنڈی چونکہ کافی دور تک سیدھی نیچے چلی گئی تھی اس لئے وہ جگہ بے حد دھولان بن گئی تھی۔ کیپٹن تشکیل کو احساس تھا کہ اس سے اگر خدا سنی میں غفلت ہوگئی تو وہ بیک سمیت سینکڑوں فٹ نیچے جاگ رہے گا۔ اس کا قصد یہ ایسا بھیجا کہ تھا کہ اس نے خوف سے جھنجھکی لی۔ ایک لمحے رک کر اس نے مضبوطی سے پیر جھلے اور پھر وہ اٹھ کر نیچے جانا ہی چاہتا تھا کہ اس کے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور اس کے پیر اپنی جگہ سے اکھڑ گئے۔ وہ منہ کے بل آگے کی طرف جھکا اور دوسرے لمحے وہ فضا میں بُری طرح تالا بازیاں کھارہا۔ بیک اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر بنانے کہاں گزریں میں اترتا پلٹا جارا ہوا تھا۔ ضرب کا زوردار پڑی تھی اس کی آنکھوں کے آگے تارے سے ناچ گئے۔ اس نے اپنے ذہن پر غالبو بانے کی بے حد کوشش کی لیکن اس کی کوشش ناکام رہی اور پھر اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

اب رہے نیچے ہی نیچے گرتا چلا جا رہا تھا۔۔۔۔۔ مڑوہ چھیل کی طرح۔

عالم اور فریدی دونوں تقریباً یکساں رفتار سے نیچے گر رہے تھے۔ دونوں کے وہی تالو میں نہیں تھے۔ دونوں کسی چپ زکاسہارا لینے کے لئے بُری طرح مامقہیر مار رہے تھے لیکن فضا میں ایسی کوئی چیز ہو سکتی تھی جس سے کا وہ سہارا لے سکتے؟  
دونوں کو خوفناک موت منہ کھولے سامنے کھڑی نظر آرہی تھی۔ فریدی زیادہ پریشان تھا کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ پہاڑی کے اس کنارے کے نیچے ایک خوفناک دلدل موجود ہے اور دلدل میں گرنے کا نتیجہ بتھابے ایسی کی موت۔ اس نے شعوری طور پر جرم کو پہاڑی کی طرف جھکولے دینے کی کوشش شروع کر دی تاکہ وہ دلدل سے بچ سکے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ پتھر لی زین پر گرنے سے اس کی ہڈیاں بھی نہیں ملیں گی۔ عجیب ایسی کا عالم تھا۔

اور جبرِ خدا کے بعد و زورِ دارِ حکم کے ہوئے۔ ایک دلدل کے کنارے پر اور دوسرا  
نقرباً دلدل کے وسط میں۔

دلہ ل کے کنارے پر گرنے والا کرنل فریدی تھا اور پھر گرتے ہی اس کا ایک ہاتھ کنارے پر اگی ہوئی جھاڑی پر پڑ چکا تھا۔ کرنل فریدی نے فوراً گرفت مضبوط کر لی۔ جھاڑی بگڑت مضبوط ہوتے ہی اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ اس جھٹکے نے اسے اچھال کر کنارے پر میکس دامن کنارے پر گرتے ہی وہ چند لمبے تک بے حس و حرکت پڑا رہا۔



اس کا ذہن قابو میں نہیں آ رہا تھا

لیکن یہ کیفیت صرف چند لمحے ہی رہی پھر کرنل مسریدی اپنے ذہن پر قابو پا گیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ اس کا تمام جسم کچھ دین لٹ پٹ تھا۔ چہرے کے گوشے گہرا کیا حال ہو گا۔ ویسے اسے اندازہ تھا کہ اس وقت جو بھی اسے دیکھنا محبت ہی سمجھ کر کرنل مسریدی کو احساس تھا کہ عمران کے گرنے کا دھماکا اس نے دلدل کے دریا میں سنا تھا۔ ہر طرف گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جیسا کہ اندھیرا — موت کا سیاہ ماتی لباس میں لپٹا ہوا اندھیرا — اور اس اندھیرے میں عمران زندہ ذہن تھا۔ دلدل کے عین وسط میں۔

عمران جو کبھی اس کا بہترین دوست تھا — عمران جس کی ذہانت اور جاکل وہ دل سے قائل تھا — عمران جس کے لئے اس نے سینکڑوں بار اپنی جان خطرے میں ڈالی تھی۔ آج اس کے سامنے اسے جیسا کہ دلدل نگل چکی تھی۔

گو عمران اس وقت اس کا دشمن نہ رہتا تھا — ایک غیر ملکی جاسوس — لیکن اس کے باوجود اسے بے ہندافوس ہو رہا تھا۔ وہ اگر اپنے ہاتھوں عمران کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تو شاید اسے اتنا افسوس نہ ہوتا — لیکن اب عمران بے بسی کی موت مر چکا تھا لیکن یہاں وہ خود بے بس تھا۔ ویسے یہ یقینی بات تھی کہ اگر کرنل مسریدی کے بس ہو جاتا تو وہ یقیناً عمران کو اس خوفناک دلدل کے پہنچنے سے بچا لیتا۔ کم از کم وہ یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ عمران جیسا عظیم شخص اس بے بسی سے مر جائے۔ بعد میں چلتے وہ اس کے ساتھ جو بھی رویہ اختیار کرتا — سو کرتا — لیکن اب وہ مجبور تھا۔

کرنل مسریدی نے ایک لمحے کے لئے اس نظروں سے گہرے اندھیرے میں اپنی طرف خوفناک دلدل کی طرف دیکھا اور پھر سر جھٹک کر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ وہ پہاڑی کی دریا طرف جانا چاہتا تھا جہاں سڑک موجود تھی۔ اس کے قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے

کرنل مسریدی سوچ رہا تھا کہ پہاڑی پر ہونے والی لڑائی کا نہ جانے کیا نتیجہ نکلا؟ پھر وہ اب کہاں ہو گا —؟ کس کے پاس ہو گا —؟ وہ انہی سوچوں میں گم قدم بڑھاتے چلا جا رہا تھا۔ وہ پہاڑی کے شمالی موڑ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ایک سو سالہ  
مکالمہ

شاخ کا احساس کرتے ہی عمران نے یزیدی سے اس پر اپنا دوسرا ہاتھ بھی جما دیا۔  
شاخ کافی مضبوط تھی کیونکہ دوسرے ہاتھ سے پکڑنے پر اسے جھٹکا سا لگا تھا اور اس  
جھٹکنے نے اسے کچھ اور بلند کر دیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے سانس روکے ہوئے تھا اور اسے  
بہت محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے پیٹھ پر پھٹنے والے ہوں۔

اس کے دماغ پر بار بار یہ ہوشی غلبہ پانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ہر بار وہ سر  
جھٹک کر اسے دور کر دیتا کیونکہ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ وہ کسی دلدل میں دھنس چکا  
ہے۔ اب اسے یہاں سے کوئی معجزہ سی زندہ سلامت باہر نکال سکتا تھا۔ لیکن اسے اب  
انہی سے ہی امید کی ایک سی ٹکسی کرن نظر آگئی تھی۔ وہ شاخ جیسے اس نے دونوں ہاتھوں  
سے پکڑا ہوا تھا اس کا آخری سہارا بھی۔ گو بظاہر ایک حقیر سا سہارا تھا لیکن وہ زندگی  
کے آخری لمحے تک جدوجہد کرتے کا قائل تھا۔ اس لئے دیوانہ وار شاخ کو باری باری ایک  
ہاتھ کی بلندی سے پکڑتا اور پھر ہاتھ کے جھٹکنے سے وہ اوپر اٹھ جاتا۔

شاخ کو پتہ نہیں تھا مگر کافی سے زیادہ مضبوط تھی۔ پھر عمران شاخ کے سہارے  
دلدل سے باہر نکلتا چلا گیا۔ — بلند ہوتا چلا گیا — اور پھر ایک جھٹکے سے اس کا سر  
دلدل سے باہر نکلا آیا۔ اس نے تیزی سے سر جھٹکا اور پھر منہ کھول دیا۔ تازہ ہوا اس  
کے پیٹھ پر اس میں بوری زندہ سے گھسی چلی گئی اور اسے اپنے تمام جسم میں توانائی کی لہریں  
دراؤنی ہوئی محسوس ہوئیں۔ گو وہ دلدل کے اندر صرف چند منٹ تک ہی رہا تھا لیکن  
اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے دلدل سے باہر نکلنے میں صدیوں جدوجہد کوئی پڑی  
ہے۔ یہ صحیح تھا کہ اگرچہ چند لمحے تک اور اسے تازہ ہوا نہ ملتی تو وہ یقیناً دم گھٹنے سے  
ختم ہو جاتا۔

عمران بچ گیا تھا۔ ایک ناممکن بات لیکن ہر جگہ تھی۔ وہ ایک خوفناک دلدل کے  
بچنے سے زندہ سلامت باہر نکلا آیا تھا۔ چند منٹ تک بھرپور سانس لینے کے بعد وہ

عمران سے تقریباً دلدل کے وسط میں گرا تھا۔ اس کا جسم دلدل میں گھسا چلا گیا  
پھر ایک دھڑکتے آیا جب عمران کا جسم نیچے جانے سے رک گیا۔ عمران کا سانس بند ہو گیا تھا  
وہ سن میں تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اسے فوری طور پر احساس ہی نہ ہوسکا کہ وہ پہاڑی سے گر  
کر ایک خوفناک دلدل میں دھنس چکا ہے۔ — ایک ایسی دلدل جس کے جھانک پنہ  
میں ایک دفعہ جو چیز آجائے پھر اس کا باہر نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ رکتے ہی غیر ارادی  
طور پر عمران کے جسم کو ایک دھچکا لگا اور وہ دو تین منٹ بلند ہو گیا۔ لیکن ابھی دلدل کی  
بیرونی سطح نہ جانے کتنی اونچی تھی۔

عمران نے غیر ارادی طور پر ہاتھ کو حرکت دی تو اچانک اس کا احساس جاگا اور اسے  
محسوس ہوا کہ اس کے دائیں ہاتھ کی گرفت میں کوئی شاخ سی ہے۔ شاید گرتے ہوئے  
اس کا ہاتھ کسی جھاڑی کی طویل شاخ پر پڑ چکا تھا اور غصیہ ارادی طور پر وہ اسے پکڑ  
کر اسے اپنے ساتھ نیچے لے گیا تھا۔

شاخ کے سہارے دلدل کے کنارے کی طرف بڑھنے لگا

وہ شاخ جس جھاڑی کی تنی وہ دلدل کے کنارے پر آگئی ہوئی تھی اس کی لمبی لمبی شاخیں دلدل پر در در و در و در سے چھلی ہوئی تھیں ایسی بنائے کتنی جھاڑیاں اور بوں کی جن کی شاخوں نے دلدل کی سطح کو ڈھانپ رکھا تھا وہ قدرت کے اس حسن انتظام پر ایمان لے آیا۔ جس طرح بڑے پتھر کوئی کے ساتھ اس کا ترائی پاک پتہ ضرور موجود ہوتا ہے اسی طرح ہر دلدل کے کنارے قدرت نے اس قسم کی بے شمار جھاڑیاں بیکر دی ہیں جن کی پتلی پتلی اور طویل شاخیں اپنی منبسطی کا جواب نہیں رکھتیں۔

آج اس جھاڑی کی وجہ سے عمران کی جان بھی تھی شاخ کے سہارے وہ جلد ہی دلدل کے کنارے پر پہنچ گیا۔ دلدل سے باہر نکل کر اس کی بہت بڑا بے گئی۔ جان بچانے کی جان توڑ کوشش نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ دلدل کے کنارے پر پہنچتے ہی وہ بیہوش ہو گیا لیکن اب کم از کم اس کی زندگی کو فوری خطرہ نہیں تھا۔



**بلیک زیرو عمران** کے بارے میں کافی پریشان تھا۔ کئی دنوں سے اسے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ ٹرانسمیٹر پر بھی اس نے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف سے کوئی بھی جواب نہیں ملا۔

ادھر سر سلطان نامو لے کے بارے میں کافی پریشان تھے کیونکہ اعلیٰ حکام بار بار زور دے

ہے متے اور عمران غائب تھا۔

آخر نگاہ اگر آج سر سلطان نے بلیک زیرو کو حکم دیا کہ وہ خود ساگا لینڈ جا کر عمران ورنامو لے کے بارے میں معلوم کرے کہ اس اب کس پوزیشن میں ہے؟ بلیک زیرو بھی کئی دنوں سے خواہشمند تھا کہ وہ ساگا لینڈ جا کر عمران کا ہاتھ بٹائے لیکن عمران کے حکم کی وجہ سے مجبور تھا۔

دارالحکومت میں آج کل کوئی کمی نہیں تھا۔ اب سر سلطان کے حکم کا بہانہ عمران کو ملنے کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس لئے اس نے ساگا لینڈ کا مکمل ارادہ کر لیا اور پھر ایک ہام سفر کے روپ میں وہ پہلے سہارے تک انخفستان گیا اور وہاں سے اسی سہارے پر چوڑے پر بلیک زیرو نے پہلے ہی سے تیار کر لیا تھا۔ وہ ساگا لینڈ پہنچ گیا۔

کسٹم پوسٹ سے نکل کر بلیک زیرو جیسے ہی باہر آیا اس کی نظر ایک بکسٹال پر پڑی مرنی اخبار پر پڑی۔ اخبار کی سرخی دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ اس نے اخبار غریبا اور پھر دہیں لڑ پورٹ کے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر پڑھنا شروع کر دیا۔ خبر یہ تھی۔

## کامائی کی پہاڑی سے پراسرار فائرنگ

بلیس اخرا کی لاشیں دستیاب ہوئیں، قیمتی اداہم نامو لا غائب ہو گیا  
سانسداں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ غیر ملکی جاسوسوں کی پراسرار سرگرمیاں  
کامائی کی پہاڑی پر کسٹم پوسٹ کے نیچے حکومت کی اہم خفیہ لیبارٹری ہے آج رات  
پراسرار فائرنگ مرنی۔ فائرنگ سے محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں پر آگیں لگتی ہیں۔  
ہوں۔ پہاڑی سے پولیس کو میس افراد کی لاشیں دستیاب ہوئی ہیں جن میں آدمی  
سے زیادہ مقامی غنڈے بھی شامل ہیں زخمیوں میں کرنل فسرین کا اسٹنٹ  
کیپٹن حمید بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ لیبارٹری سے معلوم ہونے والی خبروں میں زیرو



میں بتلایا گیا ہے کہ لہارٹی سے ایک اہم ناسولانا غائب کر دیا گیا ہے جو کل ہی میل تک پہنچا تھا۔ سائنڈن کو کوئی مارکر ہلاک کر دیا گیا ہے نیز تفصیلات کا انتظار ہے۔  
بلک زیرو نے کسی باخبر مرد کو بغور پڑھا۔ پھر ایک طویل سانس لیتے ہوئے اظہار کہہ کر دیا۔ اس نے میرے کہنے کے لئے کہا اور دیر اور پھر سوچ میں گم ہو گیا۔  
وہ سوچ رہا تھا کہ عمران اس وقت کہاں ہو گا اور آیا عمران اس نامور لے کو شامل کرنے میں کامیاب بھی ہو گیا ہے یا نہیں۔ وہ فوری طور پر عمران سے ملنا چاہتا تھا۔ عمران سے ملاقات کا اور تو کوئی ذریعہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ سولے ٹالسٹیر پر رابطہ کے اور اس نے اسی ذریعہ کو آزمائے کا فیصلہ کر لیا۔

بیرا چلے سرور کچا تھا۔ بلک زیرو نے چلتے بنائے اور پھر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ چاہئے کہ اس نے بل ادا کیا اور پھر باہر جانے کی بجائے ٹالسٹ کی طرف بڑھ گیا۔ ٹالسٹ میں داخل ہو کر اس نے ٹالسٹ کا دروازہ بند کیا۔

جیسے ہی ٹالسٹ کا دروازہ بند ہوا۔ بلک زیرو کی مینس کے قریب کی مینر پر بیٹھا ہوا ایک آدمی تیزی سے اٹھا اور کاغذ کی طرف بڑھا۔ کاغذ پر رہے ہوئے خون کو اس نے اپنی طرف کھسکایا اور تیزی سے نمروٹائل کرنے شروع کر دیئے۔ جلد ہی رابطہ قائم ہو گیا۔

بارڈ اسٹون — دوسری طرف سے کرنل منٹ بیڈی کی آواز سنائی دی۔  
نمبرون کس سر — ایک مثبت آدمی ابھی ابھی طیارے سے اتر رہے ہیں۔  
نمبرون کس سر — ایک مثبت آدمی ابھی ابھی طیارے سے اتر رہے ہیں۔  
نمبرون کس سر — ایک مثبت آدمی ابھی ابھی طیارے سے اتر رہے ہیں۔

تہیں کس بات پر شہر ہو رہے ہیں؟ — بہ کرنل فریدی نے پوچھا۔  
سر — وہ اخبار میں موجود پہاڑی والی خبر کو بڑے غور سے پڑھ رہا تھا۔ اس کے تاثرات تباہی تھے کہ وہ بھی کسی مدت تک اس کیس میں قوت ہے۔  
کس نے بتلایا۔

• خالانچہ تم کہہ رہے ہو کہ وہ ابھی ابھی طیارے سے اتر رہے ہیں۔ کرنل فریدی کا ہنسنے کا مذاک سخت تھا۔

• تم — تم — مگر — سر — نمرون کس کی آواز لکھڑا گئی۔ شاید اس کی دہر فریدی کے ہنسے کی سختی تھی۔

• اب کہاں ہے وہ؟ — بہ فریدی نے اس بار قدرے نرم لہجے میں پوچھا۔  
• ٹالسٹ میں — نمرون کس نے ذرا سنبھل کر جواب دیا۔

• ٹھیک ہے — تم اس کا تعاقب کرو — اور پھر مجھے رپورٹ دینا — فریدی نے حکم دیا اور رسیور رکھ دیا۔

نمبرون کس نے بھی رسیور رکھا اور پھر جبیب سے ایک چھوٹا سا سکہ نکال کر ٹیسٹل پر رکھ دیا۔ کاغذ پر کلک جو کسی پیچھے بیٹھ میں گم تھا، نے چونک کر دیکھا۔ نمرون کس نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ کاغذ پر کلک نے ٹھیک یو کہہ کر سکہ دراز میں ڈال دیا۔

نمبرون کس تیز قدم اٹھاتا ہوا رسیورٹ سے باہر آ گیا۔ باہر آ کر اس نے ایک سائیڈ ٹیبل پر ایک موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور اس پر بیٹھ گیا۔ وہ تعاقب کے لئے اب پوری تیار تھا۔

بلک زیرو ٹالسٹ میں واپس ٹالسٹ پر عمران سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کانی ویک کو کوشش کرنے کے باوجود وہ رابطہ قائم کرنے میں ناکام رہا۔ آخر یانوس نے کہہ کر ٹالسٹ سے باہر آیا اور پھر رسیورٹ سے باہر نکلی کہ وہ کیسی سٹیڈ کی طرف بڑھ گیا۔

ایک خالی ٹیکسی میں بیٹھ کر اس نے ڈرائیور کو شیر ذہول جانے کے لئے کہا اور ڈرائیور نے ٹیکسی اگے بڑھا دی۔

مختلف مردوں سے گزرنے کے بعد ٹیکسی شیر ذہول کے کپاؤ میں مڑ گئی۔ بلک زیرو

نے باہر نکل کر کراہ ادا کیا اور پھر وہ ہوٹل کے مین گیٹ میں داخل ہو گیا۔

اسی لمحے فبرون کس نے بھی موٹر سائیکل کھاؤنڈ میں ردی اور پھر وہ بھی مین گیٹ میں داخل ہو گیا۔

بلکہ پیر و کمرے کی چابی لے کر لفٹ میں داخل ہوا تو فبرون کس کا ڈش پر پہنچ گیا اس نے دیکھا کہ کاؤنٹر گرل رجسٹر پر اندراجات کھل کر رہی تھی۔ فبرون کس نے اندراجات پر ایک نظر ڈالی۔ کہہ فرما ۱۰۲ میسری منزل جاوید احمد کے نام سے بک ہوا تھا فبرون کس کا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔

کاؤنٹر گرل نے چونک کر سراسٹایا۔

”فریٹے“ — اس نے بڑی شیریں آواز میں کہا۔

”مٹر سرفراز آپ کے ہٹل میں مٹھرے سوتے ہیں“ — فبرون کس نے فرنی نام بتلاتے ہوئے کہا۔

”مٹر سرفراز“ — کاؤنٹر گرل نے ایک لمحہ کے لئے سوچا اور پھر فرنی میں سر جاتے ہوئے کہا۔

”نہیں جناب! — سرفراز نام کے کوئی صاحب ہمارے ہوٹل میں نہیں مٹھرے۔ کاؤنٹر گرل نے حجاب دیا۔

”ایسا۔ حیرت ہے۔“ مجھے تو انہوں نے کہا تھا کہ میں شیراز ہوٹل میں قیام کروں گا۔“ فبرون کس نے چہرے پر ہیرت کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ مٹر سرفراز یہاں مقیم نہیں ہیں۔“ کاؤنٹر گرل نے کاؤ بائی میں جواب دیا۔

”اوکے۔“ تعجب کیو — فبرون کس نے کہا اور پھر واپس مڑ گیا۔ وہ تیز رفتاری سے باہر نکل گیا۔ کاؤنٹر گرل دوبارہ رجسٹر میں اندراجات کرنے میں منہمک ہو

**کیپٹن شکیل کی جب آٹھ گھنٹے تک وہ خالی نظروں سے ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے دماغ کی سیٹ بائیکل صاف تھی لیکن آہستہ آہستہ اس پر مدھم مدھم فونی آہٹ لگنے لگے اور پھر اسے سابقہ تمام واقعات یاد آئے**

وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ پھر یہ دیکھ کر اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کہ وہ ایک آرام دہ لمز پر بخیر سو رہا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا آرام دہ تھا جس کے درمیان رکھے ہوئے نرم و گداز بستر پر اس وقت کیپٹن شکیل بیٹھا تھا۔ اس کا تمام جسم سفید پٹیوں سے لپٹا ہوا تھا۔ سر پر بھی پٹی باندھی ہوئی تھی۔

وہ حیران رہ گیا کہ وہ تو پہاڑی کی چوٹی سے گرا تھا لیکن اب وہ آرام سے کمرے میں آرام دہ بستر پر موجود ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ اور کب ہوا؟ اس نے غور سے بہوش رہا۔؟ اور اسے اس کمرے تک لے آنے والی شخصیت کو نشانی کی۔؟ کمرے کا اگوتا دروازہ بند تھا۔ اس نے جسم میں شدید تڑپ کو محسوس کیا۔ اور کب بار پھر وہ بستر پر لیٹ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ناریہ مولانجائے کس کے ہاتھ لگا اور اس نے غور سے کہاں ہیں؟

ایک لمحہ کمرے کا دروازہ کھلا اور پھر اندر آنے والی شخصیت کو دیکھ کر کیپٹن شکیل نے معمولی سا ہنس لی۔ اندر آنے والا کرنل فیٹیجی تھا۔ وہ مسکراتا ہوا بستر کی طرف بڑھا۔

کیٹن شیمیں سفرای طور پرامٹو بیٹھا۔

”لیٹے رہو۔ لیٹے رہو۔“۔ کرنل فریدی نے مکرانے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے کہا اور مہر خود اس کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

”اب کیسی طبیعت ہے تمہاری“ — بہ کرنل فریدی کی آواز میں ہمدردی ممتی۔

آپ کی مہربانی کی وجہ سے زندہ ہوں۔۔۔ کیپٹن ٹیکیل نے سپاہیوں میں جواب دیا۔  
وہی سپاہیوں میں موجود ایک سیٹھ نے کہہ دیا کہ فریڈ نے بھی ٹھیک کر لیا۔

”بیاضی سے گرنے کی وجہ سے تمہیں کافی چربی ملی ہوگی۔ ویسے قدرت کو تبدیل کرنے کی منتظر رہتی کہ تم کتنی جمالیوں کے ایک وسیع بحال میں جاؤ گے۔“

"در نہ آپ سے شرف ملاقات کی بجائے مُنکرنِ کھر سے جھگڑا ہو رہا ہوتا۔" کیپٹن نے ہکا کر جواب دیا۔

نوب۔ مجھے خوشی ہے کہ عمران مرحوم کے ساتھی میں اسی کی طرح بے غرور،  
نوش مذاق ہیں۔ کرنل فریدی نے جواب دیا۔

کیا کہا۔ — عمران مرحوم — کیپٹن شکیل کے ذہن میں ہم کادھماکہ مچا۔ وہ اچیل کہ  
بھڑک گیا۔

”ہاں! — مجھے افسوس ہے کہ میرا بہترین دوست اور اس دنیا کے عظیم دماغوں میں سے ایک دماغ اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔“ — کرنل فریدی کا بالجو دماغ افسردہ تھا۔

” تو — تو — کیا واقعی — نہیں نہیں — یہ نامکن ہے — الیا بنیہ  
 ہو سکتا — عمران نہیں مر سکتا — ” عمران کی مرث کی خبر سُن کر کپٹن کھٹیل کا دانا  
 چھٹ رہا تھا۔ اس کے اس خبر پر قطعی یقین نہیں آ رہا تھا۔

”مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں — مجھے خود اس کی اس قدر بے بسی کی موت پر بے حد افسوس ہے“ — کرنل فریدی نے تندہ سے سخت لہجے میں کہا۔

بے بسی کی موت — کیپٹن شکیل — فریدی کے سخت بچے کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑھایا۔

”ہاں! — دراصل بات یہ ہوئی کہ مجھے آپ لوگوں کے پروگرام کا پہلے پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ میں نے مہارشی کا محاصرہ کر لیا۔ جب آپ کا ساتھی فارمولا لے کے ادر

آیا تو ہم نے ریڈ کر دیا — عمران مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ ہم دونوں لڑتے لڑتے بہاڑی سے گئے گئے۔ بہاڑی کے اس کنارے کے نیچے ایک خوفناک دلدل ہے۔ ہم دونوں اس

دلّٰل میں گر پڑے — مجھے چونکہ اس دلّٰل کا پہلے سے علم تھا اس لئے میں نے شعوری کوشش کی کہ میں حقیقی الوسع دلّٰل کے کنارے کے قریب گروں۔ چنانچہ

ایسا ہی ہوا۔ میں دلدل کے کنارے کے قریب گرا اور پھر ایک جھاڑی کی مدد سے باہر نکل آنا سیکھ گیا۔ عماران چونکہ دلدل کے دھوڑے لالے تھا، اس لئے وہ دلدل

کے عین درمیان میں گرا اور پھر اس خونناک دلدل نے اسے زندہ نکل لیا۔ تم خود

تو کما واقع عمر از با حرم دلدا سر بند ز کما کما — کما شکما نے

میں نے کافی دیر تک وہاں کھڑے رہا تھا کہ اگر ”کونافہ“

ہیں۔ میں نے کہا کہ یہاں سارے بڑے سٹار دیپاک کپور کی طرح ہیں۔

یہاں میں بی جاموس رہا۔ وہ بھری سوپوں میں مری جا۔ اسے مرن کی موت  
السنکر کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔



”اب ہماری تمہاری لڑائی ختم ہو چکی ہے — عمران مرجکا ہے اور فارمولا واپس ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے — چنانچہ اب تم میرے مہمان ہو — جب تم ٹھیک ہو جاؤ گے تو میں تمہیں واپس تمہارے ملک مجبوراً دوں گا“ — کرنل فریدی نے ہنسی سے مسکراہٹ سے کہا۔

”فارمولا آپ کو کہاں سے ملا؟“ — کیپٹن شکیل چونک پڑا۔  
 ”وہیں پہاڑی پر سے ملا ہے“ — کرنل فریدی نے بغیر کیپٹن شکیل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوہ — کیپٹن شکیل خاموش ہو گیا۔ ویسے اس بات پر اسے اچھی طرح یقین تھا کہ فریدی غلط کہہ رہا ہے۔ فارمولا پہاڑی پر سے کیسے مل سکتا ہے جبکہ وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کہیں نیچے گہرائیوں میں گر چکا تھا اور عمران کے متعلق بھی اب وہ مشکوک ہو گیا کہ آیا عمران واقعی مرجکا ہے — یا — کرنل فریدی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“

کرنل فریدی خاموشی سے کیپٹن شکیل کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا مگر اس کی آنکھیں ہی تیار ہی تھیں کہ وہ الجھنوں کا شکار ہو گیا ہے ورنہ اس کا چہرہ حیرت منگیا ہوا تھا۔

کرنل صاحب! — اب کیا آپ مجھے باہر جانے کی اجازت دے دیں گے؟ — کیپٹن شکیل نے ایک خیال کے تحت چونک کر کرنل فریدی سے پوچھا۔

”ابھی تمہاری حالت اس قابل نہیں کہ تم باہر نکلو — ویسے میری طرف سے مکمل اجازت ہے“ — کرنل فریدی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”آپ کی ہمدردی کا شکریہ کرنل صاحب! — ویسے میں اپنے آپ کو ٹھیک پا رہا ہوں اس لئے میں باہر جانا چاہتا ہوں“ — کیپٹن شکیل نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”میری طرف سے اجازت ہے“ — کرنل فریدی نے جواب دیا۔  
 ”شکریہ“ — کیپٹن شکیل نے کہا اور پھر بہتر سے اٹھنے لگا۔ گو اس تھوڑی سی حرکت سے بھی اس کے جسم میں درد کی شدید لہریں دوڑ گئی تھیں۔ مگر اس نے ضبط کیا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں چلتا ہوں — تم کپڑے بدل لو — سامنے الماری میں کپڑے موجود ہیں۔ پھر باہر آکر چائے پی لو“ — کرنل فریدی بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

”بہتر“ — کیپٹن شکیل نے جواب دیا اور کرنل فریدی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمرے سے باہر نکل کر کرنل فریدی سیدھا ڈرائنگ روم میں گیا۔ وہاں اس نے ٹیلیفون کا رسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔ جلد ہی رابطہ مل گیا۔

”لیس سر“ — دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔  
 ”بارڈر اسٹون“ — کرنل فریدی نے کہا۔

”نمبر الیون سر“ — نمبر الیون نے دوبارہ لہجے میں جواب دیا۔

”نمبر الیون! — ابھی ابھی میری کوشش سے عمران کا ساتھی باہر نکلے گا۔ تم کسی کو اس کے تعاقب پر نہ دو — میں اس کی نقل و حرکت کی مکمل رپورٹ چاہتا ہوں۔“

کرنل فریدی نے حکم دیا۔

”بہت بہتر سر! — میں ابھی انتظام کرتا ہوں“ — نمبر الیون نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے“ — فریدی نے کہا اور پھر رسیور رکھ دیا۔

رسیور رکھ کر کرنل فریدی نے کال بیل بجائی۔ ملازم کے آنے پر اسے چائے لانے کا کہا اور پھر اطمینان سے بیٹھ گیا۔

حمید چونکہ کافی زخمی ہو گیا تھا اس لئے وہ ہسپتال میں تھا۔ ویسے اس کی حالت خطرے سے قطعی باہر تھی۔

کیپٹن شکیل، کرنل فریدی کو دلہل سے نکل کر پہاڑی کے شمالی موڑ مڑتے ہی نظر آ گیا تھا۔ وہ گھنٹی جھاڑیوں میں بے ہوش پڑا تھا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ گھنٹی جھاڑیوں کے وسیع جال نے اسے تمام لیا تھا اور نہ اس طرح گرنے پر اس کی ہڈیاں چوڑ ہو جاتیں۔ کرنل فریدی اسے اٹھا کر کوٹھلی لے آیا تھا۔

کرنل فریدی کو دراصل فارمولے کی تلاش تھی۔ فارمولا نہیں مل رہا تھا۔ فارمولا نہ پہاڑی پر تھا اور نہ ہی عمران کے کسی اور ساتھی سے مل سکا تھا۔

عمران کا صرف ایک اور ساتھی صفدر پہاڑی پر یہوش ملا تھا۔ وہ سخت زخمی تھا۔ اس نے کرنل فریدی نے اسے فی الحال ہسپتال میں ہی رہنے دیا تھا۔ ویسے کرنل فریدی کی بلیک فورس اس کی نگرانی کر رہی تھی۔

کرنل فریدی کو شبہ تھا کہ فارمولے کا ضرور کیپٹن شکیل کو پتہ ہوگا۔ کیونکہ وہ پہاڑی پر سے ملنے کی بجائے پہاڑی کی دوسری طرف گرا ہوا ملا تھا۔

کرنل فریدی نے سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ فارمولا لے کر بھاگ رہا ہو کہ کسی وجہ سے پہاڑی پر سے گر پڑا ہو۔ ویسے اس نے اچھی طرح کیپٹن شکیل کے گرنے والی جگہ کے ارد گرد تلاش کیا تھا لیکن فارمولے والا بیگ کہیں بھی نہیں ملا تھا۔ اب وہ کیپٹن شکیل کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہا کہ اس کا کھوج لگوانا چاہتا تھا۔

اسی لمحے کیپٹن شکیل ڈائینگ روم میں داخل ہوا۔ وہ لباس بدل چکا تھا لیکن سر پر ابھی تک پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ کرنل فریدی کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

اسی وقت ملازم چائے کی ٹالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے ٹالی میز کے

قریب روکی اور پھر چائے کی دو پیالیاں بنا کر ایک کیپٹن شکیل کے آگے رکھ دی اور دوسری کرنل فریدی کے سامنے۔

”چائے پیو“ — کرنل فریدی نے کہا۔

کیپٹن شکیل نے خاموشی سے پیالی اٹھائی اور ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر پیالی واپس میز پر رکھ دی۔

”کیپٹن حمید کہاں ہیں“ — کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

”وہ بہت زخمی ہوا تھا۔ ابھی تک ہسپتال میں ہے“ — کرنل فریدی نے چائے کا گھونٹ پینے کے بعد جواب دیا۔

”اب کیا حال ہے“ — کیپٹن شکیل نے رسمی طور پر پوچھا۔

”اب پہلے سے بہتر ہے“ — کرنل فریدی نے جواب دیا۔

پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ دونوں چائے پیتے رہے۔

”ہمارے ایک اور ساتھی بھی وہاں تھا“ — کیپٹن شکیل نے صفدر کا خیال آتے ہی پوچھا۔

”ہاں! — وہ بھی کافی زخمی تھا۔ وہ بھی ہسپتال میں ہے اور اس کی حالت

بھی اب خطرے سے باہر ہے“ — کرنل فریدی نے جواب دیا۔

چائے پی کر کیپٹن شکیل نے پیالی میز پر رکھی اور کچھ سوچنے لگا۔

”تم شاید عمران کے بچے ساتھی ہو“ — کرنل فریدی نے کہا۔

”جی ہاں! — مجھے عمران صاحب کے ساتھ شامل ہوتے ابھی صفدر ابھی عرصہ

گزر رہے“ — کیپٹن شکیل نے آہستہ آہستہ کہا۔

”تمہارا نام کیا ہے“ — کرنل فریدی نے پوچھا۔

”کیپٹن شکیل — میں ملٹی انٹیلی جنس سے ٹرانسفر ہو کر آیا ہوں“ — کیپٹن شکیل

نے اپنا اصل نام بھی بتلادیا اور پوزیشن بھی کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ کرنل فریدی چاہے کتنا ہی دشمن ہے لیکن ایک عظیم طرف کا مالک ہے اور اسے یہ معمولی سی بات بتلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

”اچھا اب مجھے اجازت دیجئے“ — کیپٹن شکیل کھڑا ہو گیا۔

”اگر تم چاہو تو میں تمہیں کارپریٹھج دوں جہاں میں تم جانا چاہو“ — کرنل فریدی نے

کھڑے ہو کر پوچھا۔

”نہیں“ — میں ٹیکسی پر چلا جاؤں گا — ”شکریہ!“ — کیپٹن شکیل نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”یہ کیس رکھ لو — تمہاری جیب سے ملتا تھا“ — کرنل فریدی نے اس کی طرف پس بڑھایا۔

کیپٹن شکیل نے پس لے کر شکریہ ادا کیا اور پھر کرنل فریدی سے ہاتھ ملا کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا کومٹی کے بیرونی گیٹ سے باہر نکل گیا۔

کرنل فریدی برآمدے میں کھڑا کیپٹن شکیل کو جاتے دیکھتا رہا اور پھر مڑ کر واپس ڈرائیونگ روم میں چلا گیا۔

Anbar my love



کر آخر زہرا  
لکھنا

نعمانی بھی لڑائی میں ماسا زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے سامتی غنڈوں میں سے تقریباً

آٹھ سے زیادہ مارے جا چکے تھے۔ باقی سخت زخمی تھے۔

نعمانی کے سامتی غنڈے واقعی ناگل واوا کے لئے اپنی جان پر کھیل گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے بھی جھاگنے یا بزدلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ شاید یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ وہ ناگل واوا جیسے بڑے غنڈے کے تحت لڑ رہے تھے۔

نعمانی نے جب لڑتے لڑتے یہ دیکھا کہ ان کا پلڑا خاصہ ہلکا جا رہا ہے اور اس کے کانوں سے زیادہ سامتی مارے جا چکے ہیں یا زخمی ہو گئے ہیں۔ عمران، کیپٹن شکیل اور صفدر تینوں میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا تو اس نے بھی مناسب سمجھا کہ اب وہ لڑائی سے علیحدہ ہو جائے۔ خوار خواہ اپنی جان گزائے تاکہ کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ موقع دیکھتے ہی اس نے بھی پہاڑی کے شمالی حصے کا رخ کیا تھا۔

لڑائی اب کافی مدت تک سرور پڑھ چکی تھی۔ اکا دکا فائرنگ پتھروں کی اوٹ سے کی جا رہی تھی۔

نعمانی تیزی سے رنگتا ہوا شمالی حصے کی طرف آیا اور پھر اسے بھی وہ پگڈنڈی نظر آگئی جہاں سے کیپٹن شکیل اڑنا چاہتا تھا۔ اس نے بیروں کے بل نیچے اترنے کی بجائے گھسٹنا زیادہ مناسب سمجھا۔ وہ نیچے گھسٹا چلا گیا۔ ایک دو جگہ پر وہ پھسلا بھی لیکن جھاڑیوں یا چٹانوں کے سرے ہاتھ میں آ جانے کی وجہ سے بچ گیا۔

بلند ہی نعمانی پہاڑی کے دامن میں پہنچ گیا۔ دامن میں گہنی جھاڑیوں کا جال تھا۔ وہ تیزی سے آگے کی طرف بڑھنے لگا۔ چلتے چلتے اچانک اس کے پاؤں کو ٹھوکر لگی اور وہ مزے کے بل نیچے زمین پر جا گرا۔ گرتے ہی وہ ایک جھکے سے اٹھا اور پھر جھبک کر دھینے لگا۔ اسے شبہ ہوا تھا کہ اس کے کس جھاڑی کی بجائے کس اور چیز سے ٹھوکر کھائی ہے۔ پھر جب ہی وہ نیچے جھبکا اس کے منہ سے بے اختیار ملی سی سیٹی کی آواز نکلی



اس کے پیروں میں ایک جھاڑی کی جڑ کے ساتھ ایک بگ پڑا ہوا تھا۔ فارمولے والے بگ — اس بگ کو وہ ایک پتھر کی آڑ سے پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ جبکہ منصف یہ بگ عمران کے حوالے کر رہا تھا۔ اس نے لپک کر بگ کو اٹھایا اور پھر تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

اس لمحے اسے خیال آیا کہ بگ یہاں خود بخود نہیں گرا ہوگا۔ اس کا کوئی سامع شائد منصف یا کیپٹن شکیل اس بگ کو لے کر جھاگ رہا ہوگا کہ پہاڑی پر سے گر گیا ہوگا اس نے اپنا شبہ مٹانے کے لئے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ اسی لمحے اچانک وہ پہاڑی اور پھر تیزی سے گھنی جھاڑیوں میں دبک گیا۔

کوئی خاصا لٹیم ٹیم آدمی پہاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بگ نغانی کے ہاتھ میں تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ بگ کتنا قیمتی اور اہم ہے۔ چنانچہ اس نے اس آدمی سے ٹکوانے سے زیادہ یہ بہتر سمجھا کہ بگ لیکر نکل جائے۔ چنانچہ نوادروں کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی وہ جھکا اور جھاڑیوں کی اوٹ لے آگے بڑھنے لگا۔

بلکہ ہی وہ پہاڑی سے کافی دور نکل آیا۔ اس نے سڑک کی طرف جانے کی بجائے جنگل کا راستہ اختیار کرنا زیادہ بہتر سمجھا۔ کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ سڑک کو پولیس یا لیبارٹری کی سکیورٹی پولیس نے گھیر رکھا ہوگا۔

جنگل میں پھوٹکنا ہوا نغانی پہاڑی کی جنوبی رخ کی طرف آنکلا۔ اس طرف ایک خوفناک دلدل تھی۔ وہ دلدل کے کنارے کنارے چلنے لگا۔

اچانک اسے محسوس ہوا جیسے کوئی آدمی کسی جھاڑی کی اوٹ سے نکلا ہو۔ نغانی وہیں دبک گیا۔ وہ سایہ سا اندھیرے میں آگے جانے لگا۔ نغانی نے محسوس کیا کہ وہ شخص کو جانتا ہے۔ اس کے چلنے کا انداز اسے شناسا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا شبہ مٹانے کے لئے منہ سے سیٹی کی ایک مخصوص آواز نکالی یہ سیرکٹروس کا مخصوص کوڑھ تھا۔

سیٹی کی مخصوص آواز سنکر آگے جانے والا شخص ٹھٹھک گیا۔ دوسرے لمحے وہ تیزی سے مڑا اور پھر نغانی کو وہی سیٹی کی مخصوص آواز سنائی دی۔ اس کا شبہ مٹ چکا تھا۔ بلکہ جانے والا اپنا ہی آدمی تھا۔

نغانی تیزی سے جھاڑی کی اوٹ سے نکلا اور پھر اس آدمی کی طرف بڑھنے لگا۔ آدمی وہیں رک چکا تھا۔ جلد ہی نغانی اس کے قریب پہنچ گیا۔

”ارے جی! کہیں بھوت پریت تو نہیں ہو —؟“ پہلے تبادو تاکہ میں آسانی سے پوش ہو سکوں“ — ”رکے ہوئے شخص نے کہا۔

”ارے عمران صاحب آپ“ — نغانی عمران کی آواز سنکر اچھل پڑا۔

”نغانی تم“ — اب حیران ہونے کی باری عمران کی تھی۔

”عمران صاحب! — فارمولے والا بگ یہی تو نہیں“ —؟ نغانی نے مطلب کیا کیا۔

”بگ!“ — عمران بگ کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ ”زندہ باؤ نغانی زندہ باؤ —“

پوری کڑ — ”ہاں یہ ہی بگ ہے“ — عمران نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بگ لے لیا۔

”یہ تمہارے ہاتھ کہاں سے لگ گیا“ —؟ عمران حیرت سے بگ اور نغانی کو دیکھ رہا تھا۔

”یہ پہاڑی کی دوسری طرف نیچے جھاڑیوں میں پڑا ہوا ملا ہے“ — نغانی نے براہ دیا۔

”جھاڑیوں میں — اور پہاڑی کے نیچے“ — عمران حیرت زدہ رہ گیا۔

”عمران صاحب!“ — اب یہاں سے نکلنے کی ترکیب کرنی چاہیے — پوری پہاڑی اور ارد گرد کے علاقہ کی ناکہ بندی جو چکی ہے“ — نغانی کو خیال آگیا۔

تم نکر نہ کر دمہرت بھائی! — اب یہ طلسماتی ٹیک ہمارے پاس ہے۔ اب دیکھو۔  
 کی پڑیس ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی — عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔  
 "بہرت تو آپ معلوم ہو رہے ہیں عمران صاحب! — اگر جو لیا آپ کو اس  
 میں دیکھ لے تو" — نعمانی نے ہنستے ہوئے جان بوجھ کر فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔  
 "ارے نہیں یا! — میں تو سمجھتا ہوں کہ میں پہلے سے زیادہ خوبصورت  
 ہوں" — عمران نے جواب دیا۔  
 "جی ہاں! — جی ہاں! — واقعی کیا کہنے ہیں آپ کی خوبصورتی کسے"  
 نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔  
 "اور ہاں! — صدف، شکیل اور نادر کا کیا بنا" — ؟ عمران نے اچانک ایک  
 آتے ہی چونک کر پوچھا۔  
 "جب میں پہاڑی سے جھکا ہوں تو مجھے صدف اور شکیل تو نظر نہیں آتے  
 نادر مر چکا ہے — میسے سامنے اس کے سر میں گولی لگی تھی" — نعمانی نے بھی  
 ہوتے ہوئے جواب دیا۔  
 "اوہ" — عمران نادر کی موت پر افسردہ ہو گیا۔  
 "آپ پہاڑی کی بجائے یہاں کیسے موجود ہیں — اور آپ کا یہ حلیہ کیسے  
 نعمانی نے پوچھا۔  
 "میں اور کرنل فریدی روتے روتے پہاڑی سے گر گئے تھے۔ پھر ہم دونوں  
 خونناک دلدل میں گر گئے۔ — یہ تو خدا کی قدرت تھی کہ جھاڑی کی ایک مضبوط  
 کی وجہ سے میں اس خونناک دلدل سے باہر نکل سکا" — عمران نے مختصر سے  
 اسے بتلائے۔  
 "اور کرنل فریدی" — ؟ نعمانی نے سوال کیا۔

جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ دلدل کے کنارے پر گر ا تھا — ظاہر ہے وہ پنج  
 ہو گا" — عمران نے جواب دیا۔  
 "تو اس کا مطلب ہے کہ کرنل فریدی بھی یہیں کہیں اس پاس ہی ہو گا" —  
 نعمانی نے چونک کر کہا۔  
 "نہیں — وہ جا چکا ہو گا — میرا خیال ہے کہ میں دلدل کے کنارے کافی دیر تک  
 ہوش بڑا رہا ہوں۔ پھر مجھے باہر نکلنے میں بھی کافی دیر لگی ہے — فریدی جلدی نکل  
 ہو گا" — اور ظاہر ہے کہ کہیں اس پاس ہوتا تو اب تک ضرور مڈھیل ہو جاتی۔  
 عمران نے اپنا اندازہ بتلایا۔  
 "نعمانی ایک طویل سانس لے کر خاموش ہو گیا۔  
 عمران بھی کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ شاید کپٹن شکیل اور صدف کے متعلق  
 کچھ رہا تھا۔  
 "اب کیا پروگرام ہے عمران صاحب" — ؟ نعمانی نے سکوت توڑا۔ وہ شاید اس  
 سوال سے نکل جانے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔  
 "نعمانی! — کیا تمہارے والا اڈہ کچھ دنوں کے لئے کام دے سکتا ہے" — ؟ عمران  
 نے چونک کر پوچھا۔  
 "ہاں — کیوں نہیں — اب تک کرنل فریدی کے قدم اس اڈے تک نہیں  
 نعمانی نے جواب دیا۔  
 "لیکن تمہارے ساتھی غنڈوں کی وجہ سے فریدی یقیناً اس اڈے تک ضرور پہنچ  
 جائے گا" — عمران نے ایک خیال ظاہر کیا۔  
 "نہیں ایسا نہیں ہو گا — کیونکہ یہ غنڈے ایسے تھے جن کو فیروز خفیر رکھتا ہے  
 انہیں اڈے پر نہیں آنے دیتا" — نعمانی نے جواب دیا۔

”پھر ٹھیک ہے۔ چلو تمہارے فیروز کی دعوت و مہمانی قبول کر لیں۔“  
 نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور نعمانی نے کندھے جو تک کر عمران کے فیصلے کی تائید  
 اور پھر وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے پہاڑی کے شمالی موڑ کی طرف بڑھتے گئے۔

## پاک سوسائٹی

بلیک زیرو کمرے میں بیٹھا آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کر رہا تھا۔ کافی دیر  
 تک اس بارے میں غور کرتا رہا۔ لیکن کوئی صورت اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔  
 وہ کئی سوچوں سے اچانک وہ چونک پڑا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ ایک لمحے  
 کے لئے اس کی آنکھوں میں الجھن کی ڈوری ابھری پھر مٹ گئی۔

وہ آہستہ سے اٹھا اور اس نے چٹخنی گرا دی۔ باہر دروازے پر موجود آدمی کو دیکھ کر  
 وہ کئی طرح چونک پڑا۔ اس شخصیت کو ہزاروں میں سے صاف پہچان لیتا تھا۔  
 دروازے پر موجود آدمی کرنل فریدی تھا۔ جس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیلی  
 تھی۔

”تشریف لائیے۔“ بلیک زیرو نے قدرے سنبھلتے ہوئے اسے اندر آنے کے لئے  
 بلانے والا ایک طرف ہٹ گیا۔

”شکریہ! — کرنل فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ اندر داخل  
 ہو گیا۔ سامنے رکھے صوفے پر بیٹھنے کے بعد اس نے پہلے اپنا تعارف کرنا ضروری سمجھا۔



”مجھے کرنل فریدی کہتے ہیں“ — کرنل فریدی نے کہا۔

”اوہ! — آپ ہی کرنل فریدی ہیں — بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر —“  
کے کا ناموں کی دھوم تو ساری دنیا میں مچی ہوئی ہے۔“ — بلیک زیرو نے اپنے  
پر خوشی کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

”شکریہ! — کرنل فریدی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”مجھے جاوید احمد کہتے ہیں — اور میں آج ہی ناغفنجان سے آیا ہوں —“  
نے جواباً تہنیت کرایا۔

”مسٹر جاوید! — آپ دیر سے آئے ہیں — عمران سچکے ہے“ — کرنل  
نے براہ راست اعصابی مدد کیا۔

حادثاتی زوردار تھا۔ بلیک زیرو کافی کوشش کے باوجود اپنے آپ کو چوکنے  
باز نہ رکھ سکا۔

”جی ہاں۔ اس کے منہ سے نکلا۔

”جی ہاں! — میں صحیح کھڑا ہوں —“ کرنل فریدی نے بغیر بیک  
کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”لیکن کون عمران —؟ اور میرا عمران سے کیا تعلق؟“ — بلیک  
اب سنبھل چکا تھا۔

”بہر حال آپ ایئر پورٹ پر بڑے غور سے اخبار پڑھ رہے تھے — پھر آپ  
ٹوائٹ میں جا کر عمران سے ٹرانسپیر بات کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس

میں نے یہاں تک کہ آپ کو مطلع کر دینا اپنا فرض سمجھا — وہ اور میں پہلاڑی  
ہوئے پہلاڑی کے دامن میں موجود خوفناک دلدل میں گر گئے تھے تو نکل جانے

کا میاب ہو گیا مگر“ — کرنل فریدی نے جان بوجھ کر فقہ نامکمل چھوڑ دیا۔

بلیک زیرو کرنل فریدی کی معلومات پر دل ہی دل میں عیش کشی کر اٹھا۔ وہ  
نے لگا کہ وہ ایئر پورٹ پر اترتے ہی کرنل فریدی کے آدمیوں کی نظر میں آ گیا تھا۔  
لے یقین ہو گیا کہ کرنل فریدی کے آدمی صرف اخبار میں وہ خیر پڑھنے پر اس کے  
گئے ہوں گے اور ویسے بھی وہ کبھی کرنل فریدی کے سامنے نہیں آیا تھا۔ اس  
کرنل فریدی کا اس کی اصل حیثیت پہنچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔

میں آپ کی معلومات کی داد دیتا ہوں — مگر میں نے تو فطری تجسس سے مجبور ہو کر  
خبر پڑھی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں — میں نہ تو کسی عمران کو جانتا  
تھا اور نہ ہی میرا عمران وغیرہ سے کوئی تعلق ہے“ — بلیک زیرو اب بڑے اعتماد  
سے بات کر رہا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہوگا — لیکن پھر آپ نے اپنے چہرے پر میک اپ  
کر لیا ہوا ہے“ —؟ کرنل فریدی کے لہجے میں بھی اعتماد تھا۔

”اوہ میک اپ! — اچھا اچھا — آپ اس میک اپ کی وجہ سے مجھ پر  
شک کر رہے ہیں — دراصل بات یہ ہے کہ میرا تعلق ناغفنجان کے ایک تھیرپے

ہے — میں وہاں میک اپ ماسٹر کے طور پر کام کرتا ہوں — یہاں میک اپ چند  
پہلاڑی دشمن ہیں — میں نہیں چاہتا کہ میری یہاں موجودگی کا علم ان کو ہو۔ اس

میں نے چہرے پر میک اپ کر لیا تھا“ — بلیک زیرو نے بڑی مشکل سے بات  
سے ہوتے ہوئے جواب دیا۔

”ہوں! — تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اس ملک میں ناجائز طریقے سے داخل  
ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں آپ کو یہیں مہنگی مچی پہنا سکتا ہوں“ — کرنل فریدی

اب پھر افسانہ معنی خیز تھا۔  
”ناجائز — ہرگز نہیں — میں تو باقاعدہ باسپورٹ پر آیا ہوں“ — بلیک زیرو

نے قدرے شکستہ لہجے میں جواب دیا۔

کرئل مسریدی اس کے تصور سے بھی زیادہ ذہین تھا۔

”مطر جاوید! — آپ جان بوجھ کر بچوں والی باتیں کر رہے ہیں — صاف نہ سمجھ رہے کہ آپ نے اسی میک آپ میں تصویر بنوا کر پاپوٹ پر لگوائی ہوگی جبکہ آپ کا چہرہ اور سب — کیا یہ جبرم نہیں ہے؟ —“ ہ کرئل فریدی نے قدرے غصے سے لہجے میں جواب دیا۔

”ہے تو سہی کرئل صاحب مگر —“ بلیک زیرو سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

”ہاں! — ایک صورت میں آپ کو معاف کیا جاسکتا ہے کہ اگر آپ عمران کے ساتھ ہیں — عمران مریچکا ہے — اب میری اور اس کی دوستی دشمنی ختم ہو چکی ہے۔ اب اس کے ساتھ میرے مہمان ہیں۔“ کرئل فریدی نے کہا۔ اس کے چہرے پر طنز بیکور تھا۔ کھیل رہی تھی۔

بلیک زیرو پوری طرح پھنس چکا تھا۔ اگر وہ عمران کے ساتھ ہونے سے انکار کر دے تو کرئل فریدی ابھی گرفتار کر لیتا — اور عمران کا ساتھ ہونے کا وہ اقرار نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اسے عمران کی موت کی خبر پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ اسے کرئل فریدی کا ایک حربہ سمجھ رہا تھا۔

”ولیسے آپ کی مرضی — لیکن یہ حقیقت ہے کہ میرا عمران نامی کسی آدمی سے نہیں — آخر بلیک زیرو نے کشمکش سے چھٹکارا پاتے ہوئے انکار کرنا بھی مناسب سمجھا۔

”ٹھیک ہے — پھر آپ اپنے آپ کو حراست میں سمجھیں۔“ کرئل فریدی جیکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے انتہائی پھرتی سے جیب سے ریوالور نکال لیا تھا۔

”تو کیا میں ہاتھ اونچے کر لوں؟ —“ بلیک زیرو نے طنز سے لہجے میں پوچھا۔

”ہاں! —“ کرئل فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔

بلیک زیرو نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

”دوسری طرف رخ کرو — میں تمہاری تلاشی پسنا چاہتا ہوں! — اس بار کرئل فریدی کا لہجہ غراہٹ آمیز تھا۔

بلیک زیرو بڑی شرافت سے گھوم گیا۔

کرئل مسریدی نے آگے بڑھ کر اس کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

اسی لمحے اچانک بلیک زیرو تیزی سے گھوما اور کرئل مسریدی کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر دور جا پڑا۔

بلیک زیرو کا ہاتھ ریوالور پر پڑے زور سے پڑا تھا۔



صنوبر کو جب ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ہسپتال میں موجود پایا۔ چند لمحوں کے بعد وہ خالی خالی نظروں سے بیماروں طرف دیکھتا رہا۔ جیسے گزرے ہوئے واقعات کے نقش اس کے ذہن کی لوح سے منٹ چکے ہوں۔

پھر آہستہ آہستہ اسے سب واقعات یاد آتے گئے۔ اسے یاد آیا کہ وہ دروازے سے نکلنے کے بعد پہاڑی پر ہونے والی لڑائی سے زخمی ہو گیا تھا۔ گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی۔ نتیجے میں اس وقت وہ ہسپتال میں موجود تھا۔ یادداشت واپس آتے ہی اس نے

بڑھ کر اٹھا چاہا لیکن جسم میں اٹھنے والی شدید میسوں نے اسے پھر لیٹنے پر مجبور کر دیا۔  
 "آپ کو ہوش آگیا۔۔۔" اسے اٹھنا دیکھ کر ایک نرس اس کے قریب پہنچ گئی۔  
 "ہاں!۔۔۔ آؤ گیا ہے۔" صفر نے قدرے بے بسی سے جواب دیا۔  
 "آپ لیٹے رہیے۔" آپ خطرناک حد تک زخمی ہو چکے ہیں۔ ویسے آپ مکمل طور پر خطرے سے باہر ہیں۔" نرس نے اسے دلاسا دیا۔

"شکریہ مس!۔۔۔" صفر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔  
 "صوفیہ۔۔۔" نرس نے مسکراتے ہوئے اپنا نام بتلایا۔

"مس صوفیہ۔۔۔" کیا کیپٹن حمید اور کرنل فریدی بھی ہسپتال میں موجود ہیں؟  
 صفر نے قدرے لا پرواہی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"اوه!۔۔۔ آپ کیوں ان کی فکر کر رہے ہیں۔۔۔ آپ دماغ پر زور نہ دیں!۔۔۔  
 آپ کے لئے بہتر ہے۔" نرس صفر کا سوال جان بوجھ کر ٹال گئی۔

"ہونہہ۔۔۔" صفر نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ نرس کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے متعلق کچھ بتانا نہیں چاہتی۔ شاید اسے اس بارے میں ہدایات دے دی گئی ہوں۔  
 نرس والپس چلی گئی تھی۔

صفر سوچ میں گم تھا۔ اسے قطعی علم نہیں تھا کہ دیگر ساتھیوں اور فارمولا کے بارے میں وہ اس بارے میں کافی تشویش زدہ تھا۔ اس نے جسم کو ہلا کر اندازہ کرنا چاہا کہ آیا وہ میدان عمل میں کود سکتا ہے یا نہیں۔ جسم کو ہلانے سے اسے اتنا اندازہ ہوا کہ تکلیف تو ہوگی لیکن وہ کام کر سکتا ہے۔

اب صفر یہاں سے فرار ہونے کے متعلق سوچنے لگا۔ تاکہ عمران وغیرہ کا پتہ پکڑ کر پوزیشن کا پتہ چلائے۔ اور پھر اس نے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے چاروں

دف نظر دوڑائی تاکہ فرار ہونے کے لئے کوئی راہ منتخب کی جاسکے۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں صرف صفر کا ہی بیڈ تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھا اور پھر بیڈ سے نیچے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ گو اس مقررے سے عمل سے اسے بے پناہ جسمانی تکلیف محسوس ہوئی تھی لیکن اس نے دانت چیخنے کو ضبط کر لی۔

چند لمحوں کے بعد اس نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ جسم کے حرکت میں آنے سے پہلے تو اسے بے حد تکلیف ہوئی۔ لیکن آہستہ آہستہ تکلیف کا احساس کم ہونا گیا۔ اب وہ کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے جسم پر ہسپتال کا لباس تھا۔ اس حالت میں فرار ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے دروازے کو ہاتھ سے کھولا اور پھر باہر کا ریڈروم میں نظر ڈالی۔ دوسرے لمحے جب تک کہ اس نے سر پیچھے کر لیا کیونکہ دروازے کے ساتھ ہی ایک آدمی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں سامنے نہیں اس لئے وہ صفر کو نہ دیکھ سکا۔

صفر سمجھ گیا کہ اس کی کڑی نگرانی کی جا رہی ہے۔ اس لئے دروازے کی طرف سے نکلنا مفید نہیں تھا اور اب وہ کوئی اور راہ دیکھنا چاہتا تھا۔

صفر نے کمرے میں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ پچھلے رنج پر ایک بڑی کھڑکی تھی جس پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ صفر اب اس کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس نے پردہ ہٹا کر دیکھا۔ کھڑکی کا کافی بڑی تھی۔ لیکن شیشیوں کی دوسری طرف کھڑکی کے فریم میں لٹائی ہوئی موٹی موٹی سلاخیں اس کا منہ چڑھا رہی تھیں۔

اس نے خاموشی سے پردہ دوبارہ برابر کر دیا اور پھر والپس بیڈ پر آکر بیٹھ گیا۔ مناظر کا کافی پیچیدہ ہو گیا تھا۔ باہر نکلنے کی کوئی راہ نہیں تھی۔

پھر اس نے روشندان کی طرف نظر اٹھائی لیکن بے سود۔ روشندان اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں سے صفر تو کم از کم نہیں نکل سکتا تھا۔ ابھی وہ اس معاملے پر غور کر رہی



رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور پھر ایک ڈاکٹر اور ایک نرس اندر داخل ہوئی۔

صفدر نے انہیں دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا  
فار ہونے کی ترکیب اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے اس ترکیب کو آزمائے کا فیصلہ  
کر لیا۔

”اوہ! آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیٹ جائیے۔ مکمل آرام کیجئے۔“ ڈاکٹر  
نے اسے کندھے سے پکڑتے ہوئے لیٹنے کی کوشش کی۔

نرس بیڈ کے قریب — دیوار پر لٹکے ہوئے چارٹ کو بغور دیکھنے میں  
مصروف ہو گئی۔

اسی لمحے صفدر نے ڈاکٹر کے ایک کندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر لوری قوت سے  
اسے نرس پر دھکیل دیا۔ ہلکی سی دو جھینج بلند ہوئیں اور وہ دونوں ایک دوسرے سے  
ٹکرا کر فرش پر نیچے گر پڑے۔

صفدر نے چیتے کی طرح چھلانگ لگائی اور پھر وہ ان دونوں کے اوپر جا کر اگڑا  
گرتے اس لیے ایک زوردار مکہ ڈاکٹر کے منہ پر مارا اور دوسرا ہاتھ نرس کے منہ پر  
جما دیا۔ جو بے اختیار چیتے کی کوشش کر رہی تھی۔

ڈاکٹر نے پہلا مکہ کھا کر — صفدر پر حملہ کرنے کی کوشش کی مگر صفدر کا وہ  
مکہ کافی کاری پڑا اور ڈاکٹر کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ بیہوش ہو گیا تھا۔

صفدر کا ہاتھ ابھی تک نرس کے منہ پر جما ہوا تھا۔ گودہ لڑکی سے غافل ہو کر  
کی طرف متوجہ ہو گیا تھا لیکن غیر شعوری طور پر اس کا ہاتھ لڑکی کے منہ پر جما ہوا  
تھا۔ اب جب وہ لڑکی کی طرف متوجہ ہوا تو وہ سانس رکھنے کی وجہ سے بیہوش ہو چکا  
تھی۔ صفدر اٹھ کھڑا ہوا۔

اس مقصودی سی جدوجہد نے صفدر کو نڈھال کر دیا تھا۔ وہ بے اختیار بیٹھ کر طویل

سانس لیتے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ میلوں کی مسافت طے کر کے  
آیا ہو۔

پھر اسے خیال آیا کہ اسے جو کچھ کرنا چاہیے، جلد ہی کرنا چاہیے۔ کیونکہ کسی بھی  
لمحے کوئی شخص اندر آ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اٹھا اور پھر اس نے ڈاکٹر کے کپڑے  
اندھے شروع کر دیے۔ پھر اپنے کپڑے اتار کر اس نے ڈاکٹر کے پینے اور اس پر  
سفید کوٹ پہن لیا۔ گالے میں سفید ٹوکوپ لٹکایا۔ ڈاکٹر کی عینک اتار کر آنکھوں پر چڑھائی  
گر عینک نظر کی تھی اور اس عینک کے پہننے سے اسے الجھن سی ہو رہی تھی لیکن  
وقت کی نزاکت کے تحت اس نے عینک لگائی اور پھر بڑے اطمینان سے دروازہ کھول  
کر باہر نکلا اور پھر سر جھکائے سیدھا آگے بڑھتا چلا گیا۔

چوکیدار شانہ کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس لئے وہ متوجہ ہی نہ ہوا۔ قدموں کی  
پاپ سن کر اس نے کاہلانہ انداز میں آنکھ کھولی۔ لیکن پھر ڈاکٹر کا سفید کوٹ دیکھ  
کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

صفدر سیدھا نکلتا چلا گیا۔ ایک راہداری کا موڑ مڑتے ہی اپانک ایک نرس  
اس سے ٹکرا گئی۔

”ڈاکٹر!“ صفدر کو شانہ وہ پہچان گئی تھی اس لیے اس کے منہ سے حیرت  
کے شدید حملے کی وجہ سے صرف یہی لفظ نکلا۔ وہ آنکھیں چھپاڑے صفدر کو دیکھ رہی  
تھی۔

صفدر ایک لمحے کے لئے جھجکا۔ دوسرے لمحے وہ کچھ سوچ کر آگے بڑھتا چلا گیا۔  
وہ آمدورفت کی جگہ پر زیادہ دیر تک نہ رکنا چاہتا تھا اور نہ ہی وہ وہاں لڑائی جھگڑے  
کے موڑ میں تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔

نرس کچھ لمحے وہاں کھڑی سوچتی رہی۔ پھر تیزی سے دوڑتی ہوئی صفدر کے کمرے کی

طرف بھاگنے لگی۔

صفر نے مرکز زرس کو بھاگتے دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ اب چند لمحوں بعد راز کھلے والا ہے اور وہی چند لمحے اس کے پاس تھے۔ ان ہی چند لمحوں میں وہ پکڑا بھی جا سکتا تھا اور فرار ہونے میں کامیاب بھی ہو سکتا تھا۔

اس کے قدم مزید تیز ہو گئے۔ وہ تیزی سے مختلف راہداریوں اور باندوں سے گزر رہا تھا۔ اس دوران اسے کئی ڈاکٹر اور ملازمین ملے لیکن اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ کسی کی نظر بھی اس کے چہرے پر نہ پڑ سکی۔ پھر وہ ہسپتال کے مین گیٹ کے قریب پہنچ گیا۔

مین گیٹ پر بیٹھے چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا اور وہ ہوا کے جھونکے کی طرح مین گیٹ سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اب صفر ہسپتال کی عظیم الشان عمارت سے باہر تھا۔ ہسپتال کے مین گیٹ کے باہر کافی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ وہ تیزی سے ایک نمالی ٹیکسی کی طرف بڑھا۔ اس نے پھرتی سے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔

"جلدی چلو ڈرائیور! — صفر بازار چلو" — صفر نے تیز لہجے میں ڈرائیور سے مخاطب ہو کر کہا۔

ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کی۔ اسی لمحے اسے مین گیٹ پر ملے سنتری بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ اس کا راز کھل چکا تھا۔ لیکن ڈرائیور گاڑی آگے بڑھا چکا تھا اور سنتری پیچھے بھاگتے رہ گئے۔ لیکن ٹیکسی ان کی زد سے باہر نکل گئی۔

پھر صفر نے بیک مر میں سنتریوں کو ایک جیب میں سوار ہوتے دیکھا۔ مندر نے جیبوں میں ہاتھ ڈالا۔ ایک پرس اس کے ہاتھ سے نکل آیا۔ اس نے پرس کھول کر ایک نوٹ نکال لیا۔

ٹیکسی میں روک دو ڈرائیور! — صفر نے کسی خیال کے آتے ہی کہا۔ اور بعد میں گاڑی ایک سائیڈ میں روک دی۔

صفر نے نوٹ ڈرائیور کی طرف پھینکتے ہوئے دروازہ کھولا اور نیچے اتر کر تیزی سے نوٹ ہاتھ پر چلنے والوں کی بیٹریں گم ہو گیا۔

بیٹریں سے ہوتا ہوا صفر تیزی سے ایک ریسٹورنٹ میں گھستا چلا گیا۔ ریسٹورنٹ کے میٹ کے ساتھ سی ٹوائٹ بنے ہوئے تھے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی مندر ایک ٹوائٹ میں گھس گیا۔

ٹوائٹ میں داخل ہو کر اس نے پھرتی سے کوٹ، سٹیکو سکوپ اور عینک اتار لی۔ کوٹ اور سٹیکو سکوپ اس نے دروازے کے پٹ کے پیچھے لگی ہوئی ایک کیل پر رکھ دیئے تاکہ اگر کوئی ویسے دروازہ کھول کر دیکھے تو اسے یہ چیزیں نظر نہ آئیں۔ عینک اتار کر اس نے جیب میں رکھ لی اور پھر ٹوائٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور پھر اپنے ریسٹورنٹ کے ہال میں جانے کے وہ مین گیٹ سے باہر نکل گیا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر دیکھا اسے کوئی آدمی اپنی طرف متوجہ نظر نہ آیا۔ وہ اطمینان سے باہر نکل چلا گیا۔

کافی دُور نکل آنے کے بعد جب اسے کوئی خطہ نظر نہ آیا تو اس نے ایک ٹیکسی روک کر باہر نکلی۔ اس نے ڈرائیور سے کہا اور پھر سلامت سے مرکز کو آگے بڑھ گیا۔

دو ہیڑی ٹھنک چکا تھا۔ اور اسے اب پھر سے آتے محسوس ہو رہے تھے۔ ٹیکسی تیزی سے مارکیٹ کی طرف دوڑتی چلی جا رہی تھی لیکن اسے یہ اطمینان تھا کہ وہ سچا ہیوں کو ڈال رہا ہے۔ ٹیکس کا میاب ہر چ کا ہے۔

بغور دیکھ رہے تھے۔

”تمہارے پاس ریوالور ہے؟“ — عمران نے نعمانی سے پوچھا۔

”نہیں۔ کیوں؟“ — نعمانی نے حیرت سے جواب دیا۔

”کچھ نہیں۔ بس ویسے ہی ریوالور دیکھنے کے لئے جی چاہ رہا تھا۔“ — عمران

نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”اب کیا ہوگا عمران صاحب؟“ — نعمانی نے سوال کیا۔

”تم نے وہ شعر نہیں سنا۔“

مدعی لاکھ بڑا چاہے تو کیا ہوتا ہے

وہی ہوتا ہے جو منظر خُدا ہوتا ہے

”سب وہی ہوگا جو منظر خدا ہوگا۔“ — ویسے نعمانی! — مجھے یہ شعر کسی ملزم کا نظر

آتا ہے۔“ — عمران نے کہا۔

”ملزم! کیا مطلب میں سمجھ نہیں؟“ — نعمانی عمران کی بات نہیں

سمجھ سکتا تھا۔

”اسے وہ ملزم ہی ہوگا جو مدعی کو نیچ عدالت میں دھکیلاں دے رہا ہے۔“ — عمران

نے شعر کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

”ہو نہ ہو۔“ — نعمانی نے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔ اب مصلادہ کیا جواب دیتا۔

عمران تو کسی بھی پویش میں سنجیدہ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن وہ تو عمران نہیں تھا۔ اسے

یہاں سے نکلنے کی بیحد تشویش تھی۔

”نعمانی! — تم یہ بیگ لے کر سڑک پر جاؤ۔“ — اور خاموشی سے آگے بڑھتے چلے

جاؤ۔“ — اچانک عمران کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔

”مگر۔“ — نعمانی نے کچھ کہنا چاہا۔

عمران اور نعمانی پہاڑی کاشانی موڑ مڑنے کے بعد تیز چلتے ہوئے اس میں  
کی طرف بڑھ رہے تھے جہاڑی کے قریب سے ہوتی ہوئی شہر کی طرف جاتی تھی  
تد اور جھاڑیوں کی آڑ میں چھپے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

عمران کے ہاتھ میں وہ قیمتی بیگ تھا اور وہ کسی قیمت پر اس بیگ کو ہاتھ سے  
کھنڈنا نہیں چاہتا تھا۔ جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے وہ دونوں جلد ہی سڑک کے قریب  
پہنچ گئے۔

سڑک بالکل سناں پڑی تھی۔ نعمانی کا یہ اندازہ اب غلط نظر آ رہا تھا کہ وہ

بیرکڑی نگرائی کی جابری ہوگی مگر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ مقابلہ پولیس سے ہونا

کرنل مسریدی سے ہے اور کرنل فریدی کے آدمی یقیناً اس سڑک کی نگرانی کر رہے

ہوں گے۔ اور عمران اور نعمانی یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ان کی نظروں میں چڑھیں

بیگ اور وہ دونوں کرنل مسریدی کی گرفت میں آجائیں۔ پھر دھملاں میں گرنے کی

سے عمران کی حالت بھی ایسی تھی کہ ہر آدمی خواہ مخواہ اس پر شک کرتا۔

وہ عجیب سی صورت حال سے دوچار ہو چکا تھا۔ وہ بیگ کو کسی بھی حالت میں

نہیں چاہتا تھا۔ اور یہاں سے نکلنا بھی اسے قدرے دشوار نظر آ رہا تھا۔

وہ دونوں ایک جھاڑی کی آڑ میں بیٹھے ہوئے تھے اور سناں سڑک کی طرف



اگر مگر کا وقت نہیں۔ بس اب تم چل دو۔ — عمران نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

نعمانی نے عمران کے ہاتھ سے خاموشی سے بیگ لے لیا اور پھر جھاڑی سے نکلی کر سانسے سڑک کی طرف چل دیا۔ چرکن ہونے کے باوجود اس نے قدموں میں کسی قسم کی لرزش ظاہر نہ ہونے دی اور بڑے اطمینان سے آگے بڑھتا چلا گیا۔  
جلد ہی وہ سڑک پر پہنچ گیا اب اس کا رنج شہر کی طرف تھا اور وہ تیز تیز قدموں سے چلا جا رہا تھا۔

عمران وہیں جھاڑی میں بیٹھا نعمانی کو جاتا دیکھتا رہا۔ ابھی تک بلیک فورس کی طرف سے کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔  
نعمانی کافی دور پہنچ گیا تھا۔

عمران سوچتے لگا کہ یہ سب کیا ہے۔؟ اے یہ معاملہ اس طرح سادگی سے حل نہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کرنل فریدی کو اتنا ہی وقت نہیں سمجھتا تھا کہ اس نے پہاڑی سے اپنے تمام آدمی مٹا لئے ہوں لیکن الجھن یہ تھی کہ ابھی تک نعمانی کے ساتھ کوئی گڑبڑ کیوں نہیں ہوئی تھی؟ وہ نعمانی کو آگے بھیج کر یہی چیز دیکھنا چاہتا تھا کہ بلیک فورس کے آدمی کہاں چھپے ہوئے ہیں۔

نعمانی اب کافی دور جا چکا تھا اور کوئی چارہ نہ دیکھتے ہوئے وہ بھی جھاڑی کی آڑ سے نکلا اور پھر لمبے لمبے دوگ مجرتا ہوا سڑک کی طرف چل دیا۔ سڑک پر آنے کے بعد وہ نعمانی کی طرف بڑھنے لگا۔ ویسے وہ بے حد پرانا سما اور بس بھی اسے سے پیش نظر وہ فوری حرکت میں آ سکتا تھا۔ لیکن ابھی تک بھابھ کوئی رد عمل نہ ہوا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتا گیا اور جلد ہی وہ نعمانی کے قریب پہنچ گیا۔

یہاں تو کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔ — نعمانی نے عمران کے قریب پہنچتے ہی کہا۔

یار عینک لگاؤ۔ — اگر تمہیں نظر نہیں آ رہا تو — عمران نے کہا اور نعمانی نے لگا۔

کافی دُور نکل آنے کے بعد وہ مین روڈ پر پہنچ گئے۔  
یاد آتی اس بار تو کمال ہو گیا ہے۔ — فریدی کی عقل شاید گلاس چرنے چلی گئی ہے۔ — عمران نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ دُور دور تک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اور کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔  
ہو سکتا ہے کہ فریدی اس خوفناک دلدل میں ہی چپسا ہوا ہو۔ — نعمانی نے رائے پیش کی۔

ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ — لڑکا بھی ہو سکتا ہے۔ — بارش بھی ہو سکتی ہے۔ — جن بھی ہو سکتا ہے۔ — مہجرت بھی ہو سکتا ہے۔ — میں بھی ہو سکتا ہوں۔ — تم بھی ہو سکتے ہو۔ — عمران نے ہر سکتے کی گردان شروع کر دی۔

بس بس۔ — میں سمجھ گیا۔ — سب کچھ ہو سکتا ہے۔ — نعمانی نے ہر سکتے کی گردان ختم کرنے کے لئے کہا۔

مین روڈ پر اس وقت بھی کافی ٹریفک تھی۔ نعمانی نے ایک خالی ٹیکسی کو ہاتھ دیکھ لیا۔ ٹیکسی ان کے قریب آ کر رکی تھی۔  
ڈرائیور نے عمران کو بڑی حیرت مچری نظروں سے دیکھا لیکن وہ منہ لکچھ بولا نہیں۔

وہ دونوں ٹیکسی میں سوار ہو گئے۔

کیفے اسٹارٹ کے قریب روک دینا۔ — نعمانی نے کہا۔ اور ڈرائیور نے خاموشی سے اس کے بڑھادی۔

عمران نے مڑ کر پیچھے دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے تعاقب کا اندازہ لگانا چاہتا تھا لیکن اسے ایسی کوئی گاڑی نظر نہ آئی۔

وہ یقیناً دل ہی دل میں حیران تھا کہ اس بار کچھ کیا ہوا ہے۔ کیا واقعی کرنل فریدی نے بے وقوفی کی ہے۔ یا۔۔۔ کوئی گہری چال چلی جا رہی ہے۔ بہر حال تمام راستے وہ کافی چوکنارہ کہ شاید تعاقب کا پتہ مل جائے۔ لیکن کیسے شارلائٹ تک اسے کسی پر بھی اس قسم کا شک نہیں ہوا۔

کیسے شارلائٹ کے گیٹ کے سامنے جا کر ٹیکسی رک گئی۔  
نعمانی نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر ڈرائیور کو دیا اور پھر عمران اور نعمانی اتر کر کیفے کے گیٹ کے اندر داخل ہو گئے۔

البرار  
البرار  
البرار



دلو اور تو کرنل فریدی کے ہاتھ سے نکل گیا لیکن فریدی کا ہتھکڑے زندہ رہا۔  
بلیک زیرو کی گردن پر پڑا اور بلیک زیرو الٹ کر دیوار کے پاس جاگرا۔ لیکن دیوار کے ساتھ گرتے ہی وہ بول اچھل کر واپس آیا جیسے دیوار میں پس بنگ لگے ہوئے ہوں۔  
اس کی دونوں ٹانگیں بڑے زور سے فریدی کے سینے پر پڑیں اور فریدی پشت کے فرش پر جاگرا۔ لیکن گرتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔  
ادھر بلیک زیرو نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اور اب وہ دونوں

آنے سامنے تھے۔

”تو تم نے اپنی اصلیت ظاہر کر دی“ — فریدی پھٹکا۔

”جو تم سمجھو کرنل فریدی“ — بلیک زیرو نے طنز یہ لہجے میں جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے کرنل فریدی پر حملہ کر دیا۔ مگر کرنل فریدی پھرتی سے دائیں طرف ہٹ گیا اور بلیک زیرو اپنے ہی زور میں آگے نکلنا چلا گیا۔ پیچھے سے کرنل فریدی نے اس کی پشت پر زوردار لٹ نکا دی۔

بلیک زیرو منہ کے بل دیوار کے قریب پڑے ہوئے صدف پر جاگرا۔ کرنل فریدی نے جھپٹ کر اسے کار سے کھینچا اور اس کے سیدھا ہوتے ہی ایک زوردار مکہ اس کی کپڑی پر چڑھ دیا۔ مگر بلیک زیرو جو کراٹے میں ماہریت کا دھجہ رکھتا تھا، نے اپنی دونوں کہنیاں مخصوص انداز میں کرنل فریدی کی پسلیوں میں مار دیں۔ کراٹے فاسٹ کا یہ خطرناک ترین مخصوص وار تھا۔ کرنل فریدی کے ہاتھ سے بلیک زیرو کا کارل جھوٹ گیا اور وہ لوکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

بلیک زیرو پھرتی سے مڑا اور دوسرے لمحے اس کے سر کی زوردار ٹک کر کرنل فریدی کی ٹاک پر پڑی اور کرنل فریدی الٹ کر دوسری طرف کرسیوں پر جاگرا۔ ساتھ ہی بلیک زیرو نے بھی اس پر چھلانگ لگا دی۔

لیکن اب کرنل فریدی سنبھل چکا تھا۔ وہ تیزی سے کروٹ بدل گیا اور بلیک زیرو اس سے ٹکراتا ہوا سر کے بل نیچے فرش پر گر گیا۔ بلیک زیرو نے گرتے ہی پیر کے زور پر کرنل فریدی پر اچھال دی۔ لیکن کرنل فریدی ذرا سا ایک طرف جھکا اور کرسی اڑتی ہوئی سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی۔

دوسرے ہی لمحے کرنل فریدی کے بڑے زوردار ٹکڑے بلیک زیرو کے پہلے پر پڑی۔ بلیک زیرو نے بچنے کے لیے حد کوشش کی۔ لیکن ٹکڑے پڑ چکی تھی۔ پھر تو کرنل فریدی نے

سے اٹھنے نہیں دیا۔

بلیک زیرو کے منہ پر اس نواز سے ٹھوکریں پڑ رہی تھیں جیسے عمل کسی آٹومیک  
منٹین کے ذریعہ ہو رہا ہو۔ بلیک زیرو کا چہرہ متواتر پڑنے والی ٹھوکروں سے لہو لہو  
ہو گیا تھا۔

پہلے اچانک ہی بلیک زیرو کے ہاتھوں میں کرنل فریدی کا پاؤں آگیا۔ اس نے  
ایک جھٹکے سے اس کی ٹانگ مروڑ دی۔ فریدی الٹ گیا۔ بلیک زیرو تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا  
دوسرے ہی لمحے اس کے بوٹ کی ٹھوکر کرنل فریدی کی پسلیوں پر پڑی۔ ضرب کافی قوت  
سے لگائی گئی تھی۔ کرنل فریدی ضرب کی قوت سے مر گیا۔

بلیک زیرو نے دوسری ضرب لگائی لیکن کرنل فریدی تیزی سے مر گیا تھا چنانچہ  
بلیک زیرو اپنا توازن نہ سنبھال سکا اور نیچے گر گیا۔ لیکن اس نے اٹھنے میں پھرتی دکھائی  
مگر کرنل فریدی پہلے ہی اٹھ چکا تھا۔ اس کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو رہی تھیں  
بلیک زیرو کافی سخت جان واقع ہوا تھا۔ کرنل فریدی کے مقابل میں اتنی دیر تک ٹھہرنا  
بھی اس کی ہی بہت تھی۔

اچانک کرنل فریدی نے اپنے جسم کو آگے جھکایا۔ بلیک زیرو نے چھرتی سے اس کی  
گردن پر جوڑو کا وار کرنا چاہا مگر دوسرے لمحے بلیک زیرو کرنل فریدی کے ہاتھوں پر  
اٹھا ہوا تھا۔ بلیک زیرو ایک جھٹکے سے پیچھے کی طرف جھکا تا کہ کرنل فریدی کی پشت  
پھوٹے مگر کرنل فریدی نے ایک زوردار جھٹکے سے اسے سامنے کھڑکی کی طرف اچھال  
دیا۔ کھڑکی کا پیچڑی تھی۔

بلیک زیرو کا جسم پوری قوت سے کھڑکی سے ٹکرایا اور شیشے توڑا ہوا دوسری  
طرف نکل گیا۔  
کرنل فریدی واقعی غصے میں پاگل ہو گیا تھا۔ ورنہ اس کا ارادہ بلیک زیرو کو

تیسری منزل سے کھڑکی سے باہر پھینک دینے کا نہ تھا۔

بلیک زیرو کا جسم قلابا زیاں کھاتا ہوا نیچے کیا وند کی طرف جانے لگا۔ کرنل فریدی  
نے لا پرواہی سے ہاتھ جھاڑے اور مچوکر سے سے باہر نکل گیا۔ اس نے کھڑکی سے جھانک  
کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا کہ بلیک زیرو کا کیا حشر ہوا۔ کیونکہ نتیجہ ظاہر تھا۔ تیسری منزل  
سے گرنے کے بعد ایک آدمی کا جو حشر ہوتا ہے وہ اظہار من الشمس تھا۔



پٹن شکیل کو مٹی سے باہر نکالا اور ایک کھجے سے ٹیک لگا کر کسٹیکسی  
انتھار کرنے لگا۔ اس کے ذہن میں مختلف خیالات گردش کر رہے تھے۔ وہ سوچ رہا  
تھا کہ عمران کا پتہ کس طرح چلایا جائے جبکہ اس کے ہاتھ سے ٹرانسمیٹر واپس پہلے ہی  
آئی گئی تھی۔ کو مٹی سے تو وہ یہ سوچ کر نکلا تھا کہ کالٹی پہاڑی کی طرف جائے اور  
بر کی تلاش کرے۔ لیکن کرنل فریدی کے بلجے سے اسے شک ہوا تھا کہ کرنل  
اس سے متعلق نہیں ہے۔ چنانچہ یقیناً اس کا تقاب کیا جائے گا۔

اور پھر جیسے ہی اس نے بیگ ڈھنڈ نکالا۔ بیگ اس سے چھین لیا جائے گا۔  
الہامی اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھ رہا تھا کہ مقابلہ کر کے نکل سکے۔ چنانچہ وہ  
دقت اسی کشمکش میں تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا  
تھا۔ اچانک ایک ٹیکسی اس کے قریب آکر رک گئی۔ کیپٹن شکیل نے چونک کر دیکھا تو



ٹیکسی خال تھی۔

کہیں جانا ہے جناب؟ ڈرائیور نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر پوچھا۔

ہاں! کیپٹن ٹیکسی نے کہا اور پھر ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

پورستان مارکیٹ چلو! کیپٹن ٹیکسی نے ایک مشہور مارکیٹ کا پتہ بتلایا اور

ٹیکسی ڈرائیور نے میٹر ڈاؤن کیا اور گاڑی آگے بڑھادی۔

متوڑی دیر بعد ٹیکسی پورستان مارکیٹ کے چوک میں پہنچ گئی۔ ڈرائیور نے گاڑی

پارکنگ پر لگا دی۔

کیپٹن ٹیکسی خاموشی سے ٹیکسی سے اترتا۔ اس نے میٹر دیکھا اور پھر جیب سے

پیسے نکال کر ڈرائیور کو دیتے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ایک ریسٹورنٹ کی طرف

بڑھ گیا۔ ریسٹورنٹ میں ایک کرسی پر بیٹھ کر وہ سوچنے لگا کہ اب کیا کرے؟

بیرے کو اس نے چائے لانے کے لئے کہا۔ جلد ہی اس کی میز پر چائے سبز

کروٹ لگی۔ اس نے ایک پیالی تیار کی اور آہستہ آہستہ پسکیاں لے کر پینے لگا۔ جب

چائے کی پیالی ختم ہو گئی تو وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے سب سے پہلے کامائی پہاڑی کی

کی طرف جانا چاہیے کیونکہ بیک کو تلاش کرنا بید ضروری تھا۔ بعد میں جو ہو گا دیکھ

جائے گا۔

فیصلہ کرنے کے بعد اسے اپنا ذہن کچھ ہلکا کر دیا۔ اس نے چائے کا بل دیکھا

اور پھر اٹھ کر ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ٹیکسی سے جانا تو فضول ہے

اس نے اور اُدھر دیکھا۔ پھر اسے ایک دکان کے ساتھ ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی

آگن۔ انجن میں چابی لگی ہوئی تھی شاید اس کا مالک دکان میں کسی کام کے لئے گیا

تھا۔ چابی کا لٹا ہوا تو وہ بھول گیا تھا یا پھر اس کا ارادہ فوری واپسی کا تھا۔

بہر حال کیپٹن ٹیکسی نے اس نادروغ سے فائدہ اٹھانے کا سوچ لیا۔ گو موٹر سائیکل

میں اس کی موجودہ صحت لئے کافی سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوتا لیکن اس کے

لہا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

وہ بڑے اطمینان سے موٹر سائیکل کے قریب آیا۔ موٹر سائیکل سلف اسٹارٹ تھی

نہیں کیل موٹر سائیکل پر بیٹھا اور سلف سوچے دایا۔ موٹر سائیکل سٹارٹ ہو گئی۔ اس

نے بڑی سگور لگایا اور پھر ایک سیٹیر چھوڑ دیا۔ موٹر سائیکل نیر کی طرح آگے جھانکتی

گئی۔

اس نے آئل میٹر چیک کیا۔ ٹینک خالی تھی۔ وہ اطمینان سے موٹر سائیکل بھگا تاکہ

موٹر سائیکل پر فٹ بیک مرر پر اس نے اپنے تعاقب کا اندازہ کرنا چاہا۔ اور پھر اسے

بیک مارر پر ٹھیک کر دیا۔ وہ کار اسے تین چار بار نظر آئی تھی۔ گو اس نے مختلف سڑکوں

پر پھرتے تھے۔

اپنا شک مٹانے کے لئے اس نے موٹر سائیکل کو ایک چوک سے بائیں ہاتھ کی

طرف موڑ دیا۔ پھر وہ کار بھی ادھر ہی مڑ آئی تو اسے سختے یقین ہو گیا۔ اس سے

تاقب سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری سمجھا۔

چنانچہ اپنا بیک ایک چھوٹی سی گلی دیکھ کر اس نے موٹر سائیکل اس میں موڑ دی۔

گلی کافی درز تک سیدھی چلی گئی تھی۔ وہ موٹر سائیکل بھگاتا چلا گیا۔ آگے ایک تنگ سائڈ

تھا اس نے پھر موٹر سائیکل موڑی اور دوسرے رخ سے پورے قوت سے بیک لگانا

پہلے کر بڑی موڑ کے فوراً بعد ہی گلی بند ہو گئی تھی۔ موٹر سائیکل چونکہ کافی رندار سے

مکھ رہی تھی اس لئے پوری قوت سے بیک لگانے کے باوجود موٹر سائیکل ایک زوردار

جھٹکے سے سامنے والی دیوار سے ٹکرائی۔ اور کیپٹن ٹیکسی اچھل کر ایک طرف جا گرا۔ اس

دروازے سے لکڑیا اور پھر ستارے تو ایک طرف رہے۔ اسے پورے کھٹکشاں ہی نظر

آئی تھی۔

وہ اس وقت چونکا جب برے کی آواز آئی۔

پائے حاضر ہے جناب!

شکریہ! — صفدر نے کہا اور پھر چائے بنانے میں مشغول ہو گیا۔

چند ہی لمحوں بعد وہ گرم گرم چائے کی چکیاں لے رہا تھا۔ چائے پینے کے ساتھ ساتھ ہر چہ بھی رہا تھا لیکن بے سوہ کوئی ایسی ترکیب لے سمجھ نہیں آ رہی تھی جس پر غصے کر کے وہ عمران سے مل سکتا۔ اور جب تک عمران سے ملاقات نہ ہوتی۔ وہ قطعی زہرے میں تھا۔ وہ کہا کر — اور کیا نہ کرے۔

اس کا دل کہتا تھا کہ کوئی ایسا مجھ سے نہ ہو کہ عمران اچانک ہی یہاں ٹپک پڑے اور اپنے طفلانہ خیال پر اُسے ہنسی آگئی۔

چائے کا آخری گھونٹ لے کر اس نے پیالی میز پر رکھی۔ اور پھر وہ تھک پڑا ایک نامساعد خوش شکل نوجوان اس کی میز پر قریب کھڑا تھا۔

کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟ — نوجوان نے بڑی خوش اخلاقی سے پوچھا۔ ضرور ضرور! — صفدر نے اسے بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اور وہ نوجوان کمر باندھ کر اترتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

میں آپ کی تنہائی میں مغل تو نہیں ہوا؟ — نوجوان نے مکرراتے ہوئے پوچھا۔ اہ! — بالکل نہیں! — ایسی کوئی بات نہیں! — صفدر نے بھی خوشگوار لڑائی سے جواب دیا۔

مجھے جاوید کہتے ہیں! — نوجوان نے اپنا تعارف کر دیا۔

اور مجھے اسلم کہتے ہیں! — صفدر نے بھی ایک فرض نام بتایا۔

اسی یہ لوگ تعارف سے بھی ناراض نہیں ہوئے تھے کہ بڑا آمو جوڑ ہوا۔

پائے لاؤ! — صفدر نے اسے کہا اور وہ واپس مڑ گیا۔

سپر مارکیٹ آ رہی تھی صفدر ٹیکسی سے اتر گیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے۔

سب سے بڑا مسئلہ تو اس کے سامنے عمران کو تلاش کرنے کا تھا۔ اور عمران کو تلاش کرنے کا اسے کوئی ذریعہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نہ ہی اس کے ہاتھ میں ٹیلی فون تھی۔ وہ پہلے ہی اتار لی گئی تھی۔

اب وہ قطعی اندھیرے میں تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ عمران کہاں ہوگا۔ ایک عجیب سی سچو ستن پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا۔ یوں سوک پر کھڑے رہنے سے شاید وہ کسی کی نظر پر نہ چڑھ جائے۔ اس لئے اس نے ادھر ادھر کیفے تلاش کیا۔ اور پھر اسے سامنے ایک چھوٹا سا کیفے نظر آ گیا۔ وہ لمبے لمبے لوگ بیٹھا ہوا کیفے کی طرف چل پڑے۔ کیفے کا سامان سقا تھا۔ اس نے ایک کونے کی میز منتخب کی اور پھر کرسی پر بیٹھ کر اس نے ایک طویل سانس لی۔

دوسرے لمبے ایک بیڑہ اس کے سر ہو گیا۔

چائے لاؤ! — صفدر نے میرے سے کہا اور بیرام پرتی سے واپس مڑ گیا۔

صفدر نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اسے یہاں بیٹھ کر ایک

عجیب سی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔ سچانے کیوں۔

معاف کیجئے اسم صاحب! — ہسپتال سے فرار ہونے میں آپ نے بڑی ہی ہوشیاری دکھائی ہے۔ — جاوید نے سکر اتے ہوئے کہا۔

جی۔۔۔؟ صفدر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”میں تو واقعی قابل ہو گیا ہوں آپ کی پھرتی کا۔ اور پھر اس حالت میں میرے خیال میں آپ کو حرکت کرنے میں تکلیف ہوتی ہوگی۔“ جاوید بڑے پراسرار انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

آپ کو غلط فہمی ہوتی ہے جاوید صاحب! — صفدر نے شک کے لیے کہا۔ ویسے وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ نوجوان کرنل مسریدی کی بلیک فورس کا رکن ہے۔

گھبرائے نہیں اسم صاحب! — میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔ جب آپ ہسپتال سے فرار ہوئے تھے اس وقت سے آپ ہماری نظروں میں ہیں۔

آپ نے ایک ریسٹورنٹ کے ٹوائٹلٹ میں کوٹ اور شیٹو سکوپ چھوڑا اور پھر ٹیکسی سے یہاں آ گئے۔ اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہوتا تو ایسا کہیں بھی کیا جاسکتا تھا۔ ہمیں تو بس اتنا حکم ملا ہے کہ آپ کو کرنل مسریدی کی کوٹھی

پہنچا دیں۔ اور اسی لئے میں حاضر ہوا ہوں۔ جاوید نے بڑے تحمل اور اعتماد بات کی۔

مگر صفدر اس اثناء میں سوچ رہا تھا کہ کرنل فریدی کی کوٹھی میں پہنچنا اس کے لئے بے مدلفضان وہ ثابت ہوگا۔ یعنی خود ہی دشمن کی گرفت میں چلے جانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ دشمن چاہے کتنا ہی اعلیٰ ظرف ہو۔ دشمن دشمن ہوتا ہے۔ چنانچہ

اسی اثناء میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی صورت میں بھی ان لوگوں کے ساتھ نہیں جائے گا۔ چنانچہ جیسے ہی جاوید نے بات ختم کی۔ صفدر نے کہا۔

لیکن جاوید صاحب! — اگر میں نہ جانا چاہوں تو؟ —

آپ سمجھدار ہیں اسم صاحب! — دوسری صورت میں کیا ہو سکتا ہے یہ آپ ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ جاوید نے چائے کی چمکی لیتے ہوئے قدرے طنز پر لہجے میں جواب دیا۔

یعنی آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔ اس بار صفدر کے لہجے میں سختی تھی۔

آپ جیسے سمجھ لیں۔ بہر حال میں نے آپ سے ایک بات کی تھی۔ جاوید نے پراسرار سی باتیں کر رہی تھیں۔

تو پھر آپ جو چاہیں کر لیں۔ بہر حال میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکتا۔ صفدر نے فیصلہ کر لیا۔ لیکن اس کے پاس ریوالور بھی نہیں تھا اور وہ کافی حد تک کمزور بھی تھا مگر اس کے پاس مضبوط قوت ارادی تھی اور اسی قوت ارادی کی بنا پر اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی ان کے ساتھ نہیں جائے گا چاہے

پوری کیوں نہ ہو جائے۔ تو پھر خاموشی۔ تھوڑے لمحے کے ساتھ چلیں۔ کسی قسم کی حرکت کی کوشش میں آپ کی جان کے تحفظ کے ذمہ دار نہیں رہیں گے۔ جاوید نے بڑی پھرتی سے جواب دیا۔

آپ سے کوئی حکیم کرنے نہیں آئے گا۔ — صفدر نے کہا اور بے فکر رہیں۔ آپ سے کوئی حکیم کرنے نہیں آئے گا۔ —

بڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ تو خاموشی سے باہر چلیے۔ اور یہ سرت بھولنا کہ میں اکیلا ہوں۔ اس وقت

جاوید نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ان کے اٹھتے ہی عین اور آدمی بھی ساتھ والی میزوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے اٹھنا ان کی کوٹ کی جیبوں میں تھے اور وہ سب کینہ تو نظروں سے صفدر کی طرف

پڑ رہے تھے۔



صفر نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکے اور کہا۔

"چلیے صاحب! — مجھے اس بات کی کبھی پرواہ نہیں رہی کہ ریڈیو چار میں کس کس کی بات ہو رہی ہے۔"

"کافی بے تحاشہ ہیں آپ — جاوید اس کی بے خوفی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔"

صفر نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ خاموشی سے گیٹ کی طرف چل پڑا۔ اس اشارہ میں جاوید ایک لڑکھالیہ کے نیچے رکھ چکا تھا اور پھر صفر کے پیچھے چل پڑا اور تینوں آدمی بھی ان کے پیچھے چل دیئے۔

صفر اب مکمل گیسرے میں تھا لیکن اس کے چہرے پر محض غم سے قطعی ظاہر نہیں تھے۔ وہ اس دلت دشمن کے گیسرے میں بے فکر وہ یوں اطمینان کے ساتھ چل رہا تھا جیسے اس کے گرد اس کے دشمن نہیں بلکہ دوست ہوں۔ گیٹ سے باہر آنے کے بعد صفر رک گیا۔

"سامنے زورونگ کی کار کی طرف چلیے" — جاوید نے سامنے کھڑی کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اور صفر بغیر کوئی جواب دینے کار کی طرف چل پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں سے کہاں دو دو ہاتھ کرے۔ یہ مارکیٹ تھی۔ یہاں اگر کوئی حرکت کرتا تو جلد ہی پکڑا جاتا۔ اس نے راستہ میں کسی مناسب موقعے اور جگہ کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جاوید اور اس کے تینوں ساتھی بڑے چرکنے اور محتاط انداز میں چل رہے تھے۔ جاوید کو سو فیصد یقین تھا کہ صفر کوئی حرکت ضرور کرے گا کیونکہ اس نے بڑے بڑے سے اسے چیلنج کیا تھا اس لئے وہ بے حد محتاط رہنا چاہتا تھا۔

صفر کو پچھل سیٹ پر بٹھا گیا اور اس کے دونوں طرف دو آدمی بیٹھ گئے۔ ایک

نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور جاوید اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا پچھلی طرف ہی رکھا اور اس کے ہاتھ میں ریڈیو اور بدستور تھا۔

دونوں سائیڈوں میں بیٹھے ہوتے آدمیوں نے بھی ریڈیو اس کے پہلوؤں پر رکھ دیئے۔ ہر حال انہوں نے ہر لحاظ سے صفر کو بے بس کر رکھا تھا۔

صفر پہلے ایسے کئی موقعوں سے نبرہ آزما ہو چکا تھا۔ اس لئے اسے اس بات کی فکر نہیں تھی۔ وقت آنے پر سب کچھ ہو سکتا تھا۔

وہ مایہی جاسکتا تھا اور آسانی سے اپنی جان بھی چھڑا سکتا تھا۔ دونوں ہی صفر اب مکمل گیسرے میں تھا لیکن اس کے چہرے پر محض غم سے قطعی ظاہر نہیں تھے۔

بہر حال صفر نے چونکہ الجھنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس لئے اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ کیا صورت حال پیش آئے گی۔ وہ تو بس مناسب موقع کی انتظار میں تھا۔

بڑا ناڈیوں کی طرح وہ الجھنا بھی نہیں جانتا تھا کہ خواہ مخواہ اپنی زندگی کو خطرے میں

کار چل پڑی اور بغیر ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اتنا دیکھتا تھا کہ کار سیدھی کرنل فریدی کی گاڑی میں جا پڑے گی۔ چنانچہ جو کچھ کرنا چاہیے۔ جلدی کرنا چاہیے۔ لیکن کوئی مناسب

وقت نظر نہیں آ رہی تھی اور کار انتہائی تیز رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ سرکلر روڈ سے ہوتی ہوئی کار ارباب روڈ اور پھر گیس روڈ پر چڑھ گئی۔ یہ سڑک

بہت سلسلہ تھی۔ ٹریفک تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی اور صفر اچھی طرح جانتا تھا کہ

اپنی روڈ کے پانچ میل کے ٹکڑے کے بعد کار کا نوئی روڈ سے ہوتی ہوئی کرنل فریدی کی گاڑی پر پہنچ جائے گی اور کوٹھی پر پہنچنے کے بعد وہ بے بس ہو جائے گا۔ لہذا جو

کار کرنا تھا اسی پانچ میل کے ٹکڑے میں ہی کرنا تھا۔ ویسے اس نے یہ بھی محسوس کر لیا

تھا کہ اس سلسلہ میں ہی جاوید اور اس کے تینوں ساتھی مزید محتاط ہو گئے تھے۔

وقت لمحہ برحق گزر رہا تھا۔ پر لگا۔ ٹے اڑ رہا تھا۔ اور سفدر سوچ رہا تھا۔  
اور صرف سوچ رہا تھا۔

علم اور فہمی کا کیفی سٹار لائٹ میں کوئی کام نہیں تھا۔ وہ صرف ٹیکسی والے کو ڈانچ دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ کرنل مسریدی کی بلیک فرس کا جال وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا اس لئے وہ ہر قدم چھوڑ کر رکھنا چاہتے تھے لیکن بیرونی راہداری میں ٹوائٹ دیکھ کر عمران کے ذہن میں ایک خیال آیا۔

”تم میسکرتے ایک ریڈی میڈ سوٹ لے آؤ۔ میں اتنی ویروائٹ میں رکنا ہوں۔  
عمران نے کیفے کے ٹوائٹ کے دروازے پر رکتے ہی نعمانی سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں ابھی لے آتا ہوں۔ آپ کی حالت بہت خراب ہے۔“  
نعمانی نے سر ہلاتے ہوئے تائید کی۔ اور واپس مڑ گیا۔

عمران غراب سے ٹوائٹ کے اندر گھس گیا۔ اس نے منہ ہاتھ اور سر دھویا اور پھر  
زبانے اتار کر انہیں کونے میں پڑے ہوئے شوکلینگسٹینڈ پر رکھے ہوئے کپڑے سے  
بیک طرح صاف کیا۔ کپڑے سے مٹھری ہوتی جوتی اتار کر اس نے پیر بھی دھوئے۔ اور پھر  
اس نے عرابیں بھی بیسن میں دھونی شروع کر دیں۔ دراصل وہ وقت گزارنا چاہتا تھا۔  
انہیں دھو کر اس نے انہیں اچھی طرح نچوڑا اور سٹینڈ پر ڈال دیں۔ اسی لمحے دروازے

پر مخصوص دستک ہوئی۔

عمران سمجھ گیا کہ نعمانی آیا ہے۔ اس نے دروازہ کھولا تو نعمانی ریڈی میڈ سوٹ  
بوسٹرٹ اور ٹائی لے آیا تھا۔ عمران نے ہاتھ بڑھا کر لفافہ لے لیا۔

”جبرائیل بھی لے آیا ہوں — پہلی تو غراب ہو گئی ہوں گی“ — نعمانی نے  
مسکراتے ہوئے کہا۔

”یار! تم اتنے عقلمند کب سے ہو گئے ہو“ — عمران نے حسین آئینہ بچہ  
میں کہا۔ اور نعمانی صرف مسکرا دیا۔

”بیگ مجھے دے دیجئے — میں کیفے میں بیٹھا ہوں — آپ کپڑے تبدیل کر کے  
آجائیے گا“ — نعمانی نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ ذرا احتیاط رکھنا“ — عمران نے بیگ نعمانی کے حوالے کرتے  
ہوئے کہا۔

نعمانی نے سر ہلایا اور پھر بیگ لے کر مڑ گیا۔

عمران نے دروازہ بند کر دیا۔ ویسے اسے اتفاق ہی کہنا چاہیے کہ اس دوران ٹرانٹ  
کارٹر کسی شخص نے نہیں کیا تھا۔

عمران نے کچھ پڑے پھرے ہوئے کپڑے اتار کر اسٹینڈ پر رکھے ہوئے تو لیٹے سے جبر  
کو اچھی طرح صاف کیا اور پھر نئے کپڑے پہن لئے۔ کچھ پڑے پھرے ہوئے کپڑے جن پر  
لگا ہوا کچھ پڑا ب شک ہو گیا تھا۔ اس نے اچھی طرح جھاڑے اور پھر انہیں اسی لفافے  
میں ڈال دیا۔ جس میں نعمانی سوٹ لے کر آیا تھا۔

وال مر کے اسٹینڈ پر رکھا ہوا کنگھا اٹھا کر اس نے بال سنوارے اور ایک نفر  
آئینے پر ڈال کر وہ مطلق ہو گیا۔ اب وہ انسانوں کے روپ میں آ گیا تھا۔ گیلی جبرائیل بھی  
اس نے اسی لفافے میں ڈال لیں اور پھر ٹرانٹ کا دروازہ کھول کر بائرنکل آیا۔ کپڑے

بیل کرے میں اسے زیادہ سے زیادہ بیس منٹ لگے ہوں گے۔

عمران لفافہ اٹھائے، کیفے کے اندرونی گیٹ کی طرف بڑھا اور پھر چند لمحوں بعد  
وہ کیفے کے بال میں تھا۔

بال تقریباً خالی ہی پڑا تھا۔ اکادمک میز پر پڑی مقبلیں، عمران نے ادھر ادھر نظریں  
دراڑیں اور پھر حیرت سے بے اختیار اپنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ نعمانی کہیں بھی  
نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے ایک دفعہ پھر بغور بال میں میٹھے ہوئے لوگوں کی شکلیں دیکھیں لیکن نعمانی  
کہیں جہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

نعمانی غائب تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ بیگ بھی غائب تھا جس میں فارمولا تھا۔  
عمران کی سمجھ میں یہ سلسلہ نہیں آیا۔ نعمانی کہاں غائب ہو سکتا ہے —؟ اب تو اس کے  
دماغ میں یہ شک بھی سر اٹھا رہا تھا کہ کپڑے لانے والا اصلی نعمانی تھا یا کوئی اور۔  
کیا وہ کرنل فریدی کی بلیک فورس کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا ہے —؟ یا نعمانی

کو یہاں سے زبردستی لے جایا گیا ہے؟  
”تشریف رکھیے“ — ایک ویٹر نے عمران کو کرسیوں کے درمیان کھڑا دیکھ کر  
مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”اوہ!“ — عمران چونک پڑا۔ دراصل وہ خیالوں میں اس طرح گم ہوا تھا کہ اسے یہ  
ہلکیا نہ نہ رہا کہ وہ کھڑا ہے۔ پھر وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا ایک کرسی پر  
بیٹھ گیا۔ دماغ اب بھی نعمانی کی طرف ہی تھا۔ نہ جانے اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟



ظن کرا۔ ایک آدمی اس سے لپٹ گیا۔ وہ آؤں شاید دیوار کے قریب ہی کہیں موجود تھا۔  
یہ بلیک زیرو تے پھر تلے سے اچھال دیا۔ لیکن اتنے میں دو چار آدمیوں نے  
اسے گھیر لیا۔ یہ ہوٹل کی سائیڈ میں چوڑی سی ایک گلی تھی۔

اور پھر وہاں ایک جان لیوا مقابلہ شروع ہو گیا۔ وہ چار تھے اور بلیک زیرو اکیلا۔  
لیکن وہ بلیک زیرو کو باوجود بھی نہ لگا سکے اور بلیک زیرو نے مار مار کر ان کا بھرتہ بنا دیا۔  
ایکس بجائے وہ کس پڑی کے بنے ہوئے تھے کہ اتنی مار کھانے کے باوجود بھی وہ  
زاد ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ اور بلیک زیرو جانتا تھا کہ اس کے لئے ہر  
طریقہ حقیقی ہے۔

چنانچہ پھر وہ خطرناک داد پر اتر آیا۔ کھڑی بھتیجی کے وار چاروں کے لئے جان لیوا ثابت  
ہوئے اور چند ہی لمحوں میں لڑائی کا فیصلہ ہو گیا۔ اور پھر بلیک زیرو تیزی سے گلی کے  
آخر پہنچا جہاں چلا گیا۔

کافی دور جانے کے بعد اس نے اپنی رفتار آہستہ کر دی تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔ پھر  
اُسے دور سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کا تعاقب  
کے جارہا ہے۔ اس کے قدم اور تیز ہو گئے۔

گلی شیطان کی آست کی طرح طویل ہوتی چلی جا رہی تھی ختم ہونے میں ہی نہیں  
آ رہی تھی۔ پھر ایک موڑ پر وہ ٹھنک کر رک گیا۔ گلی آگے سے بند تھی۔

اب پیچھے سے آنے والوں کے قدموں کی آوازیں نزدیک۔ سے نزدیک تر آتی چلی  
جا رہی تھیں۔ اور آگے بند گلی بلیک زیرو کا منہ چڑھا رہی تھی۔ اور بلیک زیرو سرچ رہا تھا  
بڑے پھنسے۔

آنے والے ہر لمحے قریب قریب رہتے جا رہے تھے۔ بلیک زیرو نے بیزار سی  
مواہرہ کی اور پھر اُسے سپاٹ دیواروں کے درمیان ایک چھوٹا سا دائرہ نظر آ گیا۔ وہ

بلیک زیرو ہوا میں تلابازیاں کھاتا ہوا نیچے جا رہا تھا۔ تیسری منزل سے  
نیچے گرنے کا نتیجہ بھی اس سامنے تھا۔ لیکن پھر جیسے ہی اس کی نظر نیچے پڑی  
اس کے منہ سے اس حالت میں بھی اطمینان کی ایک طویل سانس نکل گئی۔  
بچیے سڑک پر شاید کسی تقریب کے لئے شامیانہ لگایا گیا تھا۔ اس نازک موقع پر قدرت  
نے اس کی مدد کی تھی۔ ورنہ کرنل مسریدی نے اپنی طرف سے اس کو مارنے کی کوئی کسر نہ  
چھوڑی تھی۔

بلیک زیرو تلابازیاں کھاتا ہوا سیدھا شامیانے کے عین درمیان میں گرا۔ شامیانے  
کے ایک سائیڈ کے بالٹس اکھڑ گئے اور شامیانہ بلیک زیرو کو لیتا ہوا زمین پر آ رہا۔ اور  
بلیک زیرو کو ایک خراش تک نہ آئی۔

نیچے گرتے ہی بلیک زیرو تیزی سے اچھلا اور ایک طرف بھاگنے لگا۔ شامیانے کے  
نیچے شاید کوئی بھی نہیں تھا۔ تقریب کے لئے ابھی صرف شامیانہ ہی لگایا گیا تھا۔

بلیک زیرو تیسری سے بھاگتا ہوا کمپاؤنڈ وال کے قریب پہنچا اور پھر دوسرے  
لمحے وہ اچھل کر دیوار چاند چکا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ کرنل مسریدی ضرور اوپر سے  
اسے دیکھ رہا ہو گا یا وہ خود ہی نیچے پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ اس کے آنے سے  
پہلے ہی وہ ہوٹل سے نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن بلیک زیرو جیسے ہی کوہ دیوار کی دوسری

”تیزی سے اس دروازے کی طرف بڑھا۔

بیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچا۔ اچانک دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک عورت نے باہر جھانکا۔ اسی لمحے بلیک زیرو نے عورت کو زوردار دھکا دیا اور اندر گستا چلا گیا۔ اور پھر ایک جھگڑے سے اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی بند کر دی۔ عورت کی نظروں میں شدید حیرت تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کے منہ سے کوئی آواز نہ بنی رہی تھی۔ بس اس کی نظروں میں حیرت تھی۔

اسی لمحے قدموں کی آوازیں دروازے کے قریب آکر گئیں۔ عورت بھی التجسس بھری نظروں سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے وہ اس شخص کو سمجھ سکی ہو۔

یہ ایک قاسا بڑا مکان تھا اور شاید اس عورت کے علاوہ اور کوئی آدمی اس وقت موجود نہیں تھا۔ ورنہ وہ بھی اب تک ظاہر ہو جاتا۔

اس سے پہلے کہ بلیک زیرو عورت کو کوئی تنبیہ کرتا۔ یا۔۔۔ اسے سمجھاتا۔ پر زور شور سے دستک دی جانے لگی۔ عورت نے ایک لمحے کے لئے مسکراتے ہوئے بلیک کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اس نے ایک سائنڈ والی کو مٹرن کی طرف اشارہ کر دیا۔

بلیک زیرو بھی کی سی تیزی سے اس کو مٹرن کی طرف بڑھ گیا۔ اور پھر جیسے ہی اس نے اندر گھس کر دروازہ بند کیا۔ عورت نے ہاتھ بڑھا کر چٹخنی کھول دی۔ دروازہ ایک سے کھلا اور پھر چار آدمی اندر گھس آئے۔

”کیا بات ہے۔۔۔؟ آپ لوگ کیوں اندر گھس آئے ہیں؟“ عورت نے خوفزدگی کی اداسی کرتے ہوئے کہا۔

”یہاں کوئی آدمی تو نہیں آیا۔“ ان میں سے ایک نے متحسّس نگاہوں سے

دھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہ ہے تو۔۔۔ دروازہ بند نظر نہیں آ رہا۔ اور پھر یہاں کس نے آنا ہے؟“ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہوں۔ تم لوگ باہر نکلو ورنہ میں شور مچاتی ہوں۔“ نے ایک ہی سانس میں سب باتیں کہہ کر دھکی جی دیدی۔

فیروزہ!۔۔۔ تم اس عورت کو سنبھالو۔ میں مکان کی تلاشی لیتا ہوں۔ یہاں علاوہ وہ اور کہاں غائب ہو سکتا ہے؟۔۔۔ سوال کرنے والے نے اپنے ایک ساتھی کو کہا۔ اور اسی لمحے اس شخص نے جسے فیروزہ کے نام سے پکارا گیا تھا۔ جیب سے

ایک کمال کر اس کا رخ عورت کی طرف کر دیا۔ اگر آواز نکالی تو میں ڈھیر کر دوں گا۔“ فیروزہ نے عورت کو

دیتے ہوئے کہا اور عورت نے بے بسی سے دانت بھیخ لئے۔ تم جا کر تلاشی لو۔۔۔ اس شخص نے جس نے فیروزہ کو حکم دیا تھا، باقی دو کو کہا اور دونوں مکان کے اندر چلے گئے۔ وہ خود بھی تجسس بھری نگاہوں سے ادھر ادھر

کھڑے ہوئے۔ عورت خاموش کھڑی تھی۔ اس کو مٹرن میں کیا ہے۔؟ اس شخص نے جوشائے ان کا لیڈر تھا۔ بلیک زیرو

کو مٹرن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ تم خود جا کر دیکھ لو۔۔۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ عورت نے بڑے اطمینان

کی ترشش بیسے میں جواب دیا۔ اور لیڈر شانے جھکا کر خاموش ہو گیا۔ واقعی وہ عورت زبردست قوت ارادی کی

مالک تھی۔ ورنہ اگر کوئی اور عورت ہوتی تو وہ اس سوال سے لازمی گھبرا جاتی۔ تمہارا نام کیا ہے؟۔۔۔ لیڈر نے سوال کیا۔

" تمہیں اس سے کیا مطلب؟ — عورت کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

" شٹ آپ! — جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو — لیڈر کو تھما۔  
کے لہجہ پر غصہ آ گیا تھا۔

" روزی — عورت نے نام بتلایا۔

" تمہارا شو مہر کیا کم کرتا ہے؟ — لیڈر شانہ وقت گزار رہا تھا۔

" زخمی اور بیمار ہے — روزی نے جواب دیا۔

" ہونہبہ — لیڈر خاموش ہو گیا۔

اتنے میں تلاشی لینے والے دونوں آدمی واپس آ گئے۔

" وہاں ایک آدمی کمرے میں موجود ہے — اس کے جسم پر پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔

انہی میں سے ایک نے کہا۔

" کیا وہ ہمارا مطلوبہ آدمی ہے؟ — لیڈر نے سوال کیا۔

" نہیں — اور کوئی ہے؟ — آدمی نے جواب دیا۔

" اس کو کھڑکی میں دیکھو — لیڈر نے کوٹھڑی کی طرف اشارہ کیا اور پھر۔

دونوں آدمی اس کو کھڑکی کی طرف بڑھ گئے۔

" وہ کہیں اور نکل گیا ہو گا — فیروز نے بات کی۔

" اور کہاں جاسکتا ہے — پیچھے ہم تھے آگے نکل بندستی — اور چاروں طرف

صرف اس گھر کے دروازے کی سپاٹ دیواریں — لیڈر نے قدرے تعجب آمیز لہجے

میں کہا۔

" بائیں سائیڈ والی دیوار قدرے نیچی ہے — ہو سکتا ہے وہ وہاں سے کود گیا ہو۔

فیروز نے جواب دیا۔

" ہاں! — یہ بھی ہو سکتا ہے — لیڈر نے الجھن آمیز لہجے میں جواب دیا۔

اتنے میں وہ دونوں آدمی کو کھڑکی کا دروازہ کھول کر دیکھنے لگے ایک نظر ڈال کر

نے دروازہ بند کر دیا۔

یہ کوٹھڑی تو سب سے سے بھری ہوئی ہے — ایک آدمی نے کہا۔

ہونہبہ — لیڈر نے کہا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔

اچھا چلو — اس نے کہا اور پھر باری باری سب دروازے سے باہر نکلتے

گئے۔

عورت نے ان کے جانے کے بعد دروازے میں کندھی لگائی اور پھر وہ تیز قدم

لگاتی ہوئی اس کو کھڑکی کی طرف بڑھ گئی جس میں بلیک زیرو چھپا ہوا تھا۔

باہر نکل آؤ — وہ لوگ جا چکے ہیں — عورت نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول

دراوازہ لگائی۔

بلیک زیرو دھوڑے کے ڈھیر سے باہر نکل آیا۔ اس کے تمام جسم پر بھوسے کے تینکے

پڑے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں جھاڑ کر صاف کیا۔

تم نے آج میری مدد کر کے مجھ پر احسان کیا ہے؟ — بلیک زیرو کا لہجہ

نرمیت سے پڑھا۔

آؤ اندر چل کر بیٹھو — اور پھر مجھے اپنے متعلق تفصیل سے بتلاؤ — روزی

نے اسے اندر مکان کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

بلیک زیرو خاموشی سے اس کے پیچھے چل دیا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے مکان کے برآمدے میں پہنچ گئے اور پھر وہ

گھر کے رے میں داخل ہو گئے اور پھر دوسرے کمرے میں بلیک زیرو ٹھنک کر رک گیا۔ کیونکہ

اس نے ایک کرسی پر کیٹن شکیل بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے تمام جسم پر پٹیاں بندھی

گئی تھیں۔ اور سپرٹیشن ہی ایسی بہرگئی تھی۔ کیٹن شکیل اس طرح اچانک بلیک زیرو



کے سامنے آیا تھا کہ اس کے منہ سے نکلتے نکلتے رہ گیا کہ "کیپٹن تشکیل تم  
کیپٹن تشکیل کی نظروں سے ظاہر ہونے والی اجنبیت سے وہ سنبھل گیا۔  
آئیے آئیے! — آپ ٹھنک کیوں گئے — یہ میرے سر شہر میں  
روزی نے اسے یوں ٹھکاتے دیکھ کر کہا۔

"فیروز صاحب! — آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی — آپ کی پگ  
میری بے حد مدد کی ہے۔" بلیک زیرو نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا۔  
"شکریہ! — کیپٹن تشکیل نے مختصر سا جواب دیا۔

"ہاں! — اب آپ تفصیل بتلائیے تاکہ میرے ذہن میں پیدا ہونے والی  
دور ہو سکے۔" روزی نے بلیک زیرو کے بیٹھے ہی کہا۔

"بات یہ ہے کہ یہ لوگ میرے دشمن تھے اور مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔  
چاکل انہوں نے مجھے سڑک پر گھیر لیا تو میں اپنی جان بچانے کے لئے اس  
گھس آیا۔ گلی آگے بند دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ اس کے بعد  
ہوا وہ آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں۔" بلیک زیرو نے مختصر الفاظ میں ایک  
کہانی سنادی۔

"آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔" کیپٹن تشکیل نے کہا۔  
"مجھے جاوید کہتے ہیں۔" بلیک زیرو نے اپنا فرضی نام بتلایا۔

اب اس کے لئے انجمن یہ تھی کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنا تعلق ظاہر کرنا  
چاہتا تھا۔ روزی کیپٹن تشکیل ٹھنک ہاتا۔ اور وہ بھی چاہ رہا تھا کہ اس سے تفصیل  
بھی معلوم کرے لیکن کوئی صورت سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ ایک عجیب سی سچوئی  
پیدا ہو گئی تھی۔

"آپ زخمی کیسے ہوئے مسٹر فیروز؟ — بلیک زیرو نے سوال کیا۔

میرا ایک ہیڈنٹ ہو گیا تھا۔" کیپٹن تشکیل نے مختصر سا جواب دیا۔  
اورہ! — بلیک زیرو یہی کہہ کر رہ گیا۔

"آپ کے ہاں ٹیلی فون ہے؟ — بلیک زیرو نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔  
جی ہاں! — روزی نے جواب دیا۔

"کیا نمبر ہے؟ — بلیک زیرو نے پوچھا۔  
آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ — کیپٹن تشکیل نے چونک کر پوچھا۔  
اگر کوئی قابل اعتراض بات ہے تو مت بتلائیے۔" بلیک زیرو نے لاپرواہی  
سے جواب دیا۔

"دن، فورٹائن، سکس۔" روزی نے جھٹ سے بتلادیا اور کیپٹن تشکیل منہ  
بہرہ رہ گیا۔

"اچھا مسٹر روزی اور مسٹر فیروز! — آپ لوگوں کی ہمدردی کا بے حد شکریہ! —  
مجھے اجازت دیجئے۔" بلیک زیرو نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔  
کیپٹن تشکیل بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

بلیک زیرو نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اسی لمحے کیپٹن تشکیل نے جیب سے  
ایک ریولور نکال لیا۔

"ہیڈنٹز آپ! — اگر تم نے ذرا سی بھی حرکت کی تو گولی مار دوں گا۔" کیپٹن تشکیل  
نے لہجے میں چٹان کی سی سختی پیدا ہو گئی تھی۔  
"کیا کر رہے ہو فیروز؟ — روزی بوکھلا گئی۔

"تم خاموش رہو۔" کیپٹن تشکیل نے اسے بھی ڈانٹ دیا۔

بلیک زیرو نے خاموشی سے ہاتھ اوپر اٹھاتے۔ وہ دل ہی دل میں مکر رہا تھا۔  
راج کیپٹن تشکیل ایکسٹو کو ہیڈنٹز آپ کرائے کھڑا ہے۔ ایکسٹو — جس کی

آواز سُن کر ہی ان کے دم نکل جاتے ہیں۔ اگر اُسے پتہ چل جائے کہ میں کیوں ہوں تو پھر۔۔۔ بلیک زیرو دل ہی دل میں سچویشن سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ کیا میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں مٹرفیروز؟۔۔۔ بلیک زیرو نے بڑے تحمل سے پوچھا۔

”تم جو صحیح بات ہے وہ بتاؤ۔ تمہاری کہانی بالکل ہی طفلانہ ہے۔“ کیپٹن نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”میں نے جو بتلایا ہے وہ حقیقت ہے۔“ بلیک زیرو نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

”میں یقین نہیں کر سکتا۔ اور میں ایسی پوزیشن میں نہیں کر سکتا کہ اس لئے تمہاری موت ناگہیر ہے۔ تمہیں مزہ ہی پڑے گا۔“ کیپٹن نے موت کے سے سرو لہجے میں کہا اور اس کی انگلی ٹیگر پر مضبوط ہو گئی۔

بلیک زیرو نے محسوس کیا کہ کیپٹن شکیل جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر عمل بھی کر دے گا اور وہ کیپٹن شکیل سے لڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ زخمی تھا۔ اس لئے اب اسے اپنا آپ ظاہر کرنا ہی پڑے گا اور ویسے بھی وہ اس سے تمام حالات سننا ہی چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ ایکسٹو کے لہجے میں بول پڑا۔

”کیپٹن شکیل!۔۔۔ یہ تم کیا کر رہے ہو؟۔۔۔“

اور اس کا رد عمل انتہائی عجیب ہوا۔ کیپٹن شکیل آواز سنتے ہی اس بڑی طرح ہونکا۔ جیسے اس کے سر پر بم چھوٹ پڑا ہو۔ ریلو اور اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اور وہ جھٹی جھٹی نگاہوں سے بلیک زیرو کو دیکھ رہا تھا۔ بلیک زیرو نے مسکراتے ہوئے ہاتھ نیچے کر لئے۔

”کیپٹن شکیل!۔۔۔ اطمینان سے بیٹھو اور میری بات سنو۔“ بلیک زیرو نے

بے یں نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ اور کیپٹن شکیل چونک پڑا۔ اس کی آنکھوں میں ہمدردت جھلک رہی تھی۔ اسے احساس تھا کہ اس نے ایکسٹو پر ریلو اور اسٹایا

روزی کیپٹن شکیل کی اس تبدیلی پر حیرت زدہ رہ گئی تھی کہ نوادرو کی آواز بدلتے ہی اس کا رویہ بھی تبدیل ہو گیا تھا اور پھر وہ فیروز کا نام کیپٹن شکیل سن کر مزید حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

اب وہ دونوں دوبارہ کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

”آپ بھی تشریف رکھئے مسٹر فیروز۔“ بلیک زیرو نے مسکراتے ہوئے روزی سے کہا اور اس بار کیپٹن شکیل جھینپ گیا۔

”میں شرمندہ ہوں جناب!۔۔۔ سخت شرمندہ۔“ کیپٹن شکیل نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں شکیل!۔۔۔ پوزیشن ہی ایسی تھی۔“ بلیک زیرو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تمہارا نام شکیل ہے۔ اور تم کیپٹن ہو۔“ لیکن تم نے تو مجھے فیروز بتلایا تھا۔“ روزی نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ اسے شاید اس بات پر غصہ آ گیا تھا کہ کیپٹن شکیل نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔

”یہ ضروری تھا روزی!۔۔۔ میں مجبور تھا۔“ میں معذرت چاہتا ہوں۔“ کیپٹن شکیل نے اس کی طرف دیکھا۔ سنا نے کیپٹن شکیل کی آنکھوں میں کیا بات تھی کہ روزی پگھل گئی اور اس کا تمام غصہ صابن کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

”مس صاحبہ!۔۔۔ آپ ذرا دوسرے میں تشریف لے جائیں۔ ہم نے اپنی ضروری بات کر لی ہے۔“ بلیک زیرو نے روزی سے کہا اور روزی نے

ایک لمحے کے لئے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھا اور پھر اسٹڈ کر کرے سے باہر نکلا۔  
 "یہ عورت قابل اعتبار ہے" — بلیک زیرو نے پوچھا۔  
 "جی ہاں! — میسر خیال میں تو قابل اعتبار ہے" — کیپٹن شکیل نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مٹیک ہے۔ مجھے تمہارے اندازے پر اعتماد ہے۔ اب تم مجھے تمام تفصیل سے سبت لادو۔" بلیک زیرو نے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "آپ کو قطعی علم نہیں ہے؟" — کیپٹن شکیل نے حیرت سے پوچھا۔  
 "ہاں! — اس کیس کا انچارج میں نے عمران کو بنا کر بھیجا تھا۔" — کیپٹن شکیل نے عمران کی طرف سے کوئی اطلاع نہ آئی اور نہ ہی ٹرانسٹیپر بات ہو سکی تو میں یہاں آگیا۔ اس لئے مجھے حالات کا علم نہیں ہے۔" — بلیک زیرو نے پوزیشن کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

چنانچہ کیپٹن شکیل نے پچھلے تمام حالات جو اس کے علم میں تھے پوری تفصیل سے بتلا دیئے۔

بلیک زیرو خاموشی سے سننا رہا۔ جب کیپٹن شکیل اس جگہ پہنچا جہاں کرنل فریدی نے اسے بتلایا تھا کہ عمران مر چکا ہے۔ تو بلیک زیرو چونک پڑا۔  
 "کیا کہا۔" — عمران دلدل میں جھنس کر مر چکا ہے۔" — بلیک زیرو نے چونکے ہوئے پوچھا۔

"کرنل فریدی نے تو یہی بتلایا تھا۔" — لیکن مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا۔ کیپٹن شکیل نے کہا۔

بلیک زیرو خاموش رہا۔ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ کیپٹن شکیل نے اپنے نقاب اور اس سگنی میں دیوار سے ٹکرا کر گرنے کا بتلایا کہ دیوار سے ٹکرانے کے بعد

بہوش نہیں رہا۔ پھر جب بہوش آیا تو میں یہاں ایک کمرے میں تھا اور روزی کی نیا رواری کر رہی تھی۔ بہوش آنے پر اس نے مجھ سے تفصیل پوچھی تو میں نے یہی اسٹڈ سنٹ کہا کہ اس نے یقین کر لیا۔

مجھے یہاں آئے ہوئے دوسرا دن ہے۔ روزی نے مجھے بتلایا کہ دھماکے کی آواز سن کر وہ باہر نکلی تو اس نے مجھے یہ بہوش پایا۔ وہ مجھے گھسیٹ کر اور کچھ اسٹڈ کر لے آئی۔ پھر اس نے موٹر سائیکل بھی سیدھی کی اور اسے بھی گھسیٹ کر اندر لے کرے میں چھپا دیا۔" — روزی جاسوسی ناول پڑھنے کی بے حد شوقین ہے۔ یہاں تک میرا اندازہ ہے یہ بے حد ذہین لڑکی ہے۔ بہر حال میرا تعاقب کرنے والے شاید مجھے گلی میں مڑنا نہیں دیکھ سکے تھے اس لئے وہ ادھر نہیں آتے۔

اس میں آنے کے بعد آج میں جانے کی تیاری کر رہی رہا تھا کہ آپ آپہنچے اور روزی نے مجھے اپنا شوہر کہہ کر ان کا شک دور کر دیا۔

یہ روزی کیا کرتی ہے۔؟ اور یہاں اکیلی کیسے رہتی ہے۔؟ بلیک زیرو نے سوال کیا۔

"یہ معاشرے کے با مقبول لٹی ہوئی لڑکی ہے۔" — بچپن ہی میں ماں باپ مر گئے۔ انہوں نے ورپر لیتی رہی۔ لڑکی مضبوط کردار کی محسوس ہوتی ہے اس لئے روزانہ اسٹوں پر نہ بیٹھی اور اب کسی فرم میں ملازمت کرتی ہے۔ اور اس مکان میں اکیلی رہتی ہے۔" — کیپٹن شکیل نے بتلایا۔

"یہ کس نے تمہیں بتلایا ہے؟" — بلیک زیرو نے پوچھا۔  
 "جی ہاں! — کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

"ہو نہ ہو! — اب سب سے پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ عمران کی تلاش۔ تب ہی روزی کو کارروائی کی جا سکتی ہے۔" — بلیک زیرو بولا۔



جی ہاں۔ کیپٹن شکیل نے کہا۔

بلیک زیرو خاموش ہو گیا۔ چند لمحوں تک کمرے میں خاموشی طاری رہی۔

”اچھا میں چلتا ہوں۔ میں تم سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کروں گا۔“

نے ہا کر اپنا میک آپ بھی تبدیل کرنا ہے۔“ بلیک زیرو نے جان بوجھ کر ٹیک کی بات چھیڑ دی۔

”آپ میک آپ میں ہیں۔“ کیپٹن شکیل نے چونکتے ہوئے بے انتہا

پوچھا۔

”کیوں بچوں والی باتیں کر رہے ہو کیپٹن!۔“ بلیک آپ کے میں تمہارے

آسکتا تھا۔“ بلیک زیرو نے سخت لہجے میں کہا۔

”اوہ!۔ ساری سارا!۔“ کیپٹن شکیل نے سر جھکا لیا۔

پھر بلیک زیرو تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ صحن میں اس کی

روزی ملی جو کرسی پر بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔

”اچھا مس روزی!۔ میں چلتا ہوں۔“ آپ کا بے مد شکریہ!۔“ بلیک

نے رسماً اس سے کہا۔

”خدا حافظ۔“ روزی نے کھڑے ہو کر اخلاقی جواب دیا اور بلیک زیرو دھڑلے

ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

گلی سنسان پڑی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لئے اوہر ادھر دیکھا اور پھر باز

کی طرف چل پڑا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ لوگ نگرانی نہ کر رہے ہوں۔

کوئی آدمی اسے نہ ملا جس پر اسے شک ہوتا۔

بلیک زیرو بازار میں پہنچ گیا۔ اب اپنے ہوٹل تو نہیں جاسکتا تھا کیونکہ وہ

بل فریدی کے آدمی گھات لگاتے بیٹھے ہوں گے۔ چنانچہ اس نے ایک اور ہوٹل کا

ہوٹل کا نام لکے دیوہ تھا۔ وہ اس میں داخل ہو گیا۔ پھر پہلی نظر ڈالتے ہی اس

میں رہنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ یہاں زیادہ تعداد غنڈوں کی نظر آ رہی تھی اور ایسے

انہوں پر شک کم ہی کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

”ایک کمرہ چاہیے۔“ اس نے کاؤنٹر میں کوندوں جیسے لہجہ میں کہا کیونکہ

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ایسے آدمیوں کو کیسے ڈیل کیا جاتا ہے۔

”نہیں ہے۔“ کاؤنٹر پر کھڑے ہوتے بھاری بھر کم آدمی نے سخت لہجہ میں

کہا۔

”میں کمرہ رہا ہوں۔“ مجھے کمرہ چاہیے۔“ بلیک زیرو کاؤنٹر پر ہاتھ رکھ کر

مکانی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے سانپ کی طرح مچنکارا۔

”تم جات ہو یا نہیں۔“ ایک بار کہہ دیا ہے کہ ہمارے پاس کوئی کمرہ نہیں

ہے۔“ کاؤنٹر میں کوندہ آ گیا۔

لیکن دوسرے لمحے کاؤنٹر میں پلٹ کر کرسی پر جا کر۔ بلیک زیرو کے تھپڑ کی آواز

سے سارا بال گونج اٹھا تھا۔ کچھ اتنی قوت سے بلیک زیرو نے تھپڑ مارا تھا کہ پانچ انگلیوں

کے نشان کاؤنٹر میں کی گال پر ثبت ہو چکے تھے۔

بال میں بیٹھے ہوئے لوگ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی آنکھوں میں خوف نمایاں

تھا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے کاؤنٹر پر کھڑے ہوتے راجہ پر ہاتھ اٹھایا تھا۔

راجہ کی مقامی غنڈوں میں اتنی دہشت تھی کہ کوئی اس کے سامنے اونچی آواز

بہا لے کر جرات نہ کر سکتا تھا۔ کجا کہ کوئی اجنبی جو شکل و صورت سے انتہائی شریف

مرد ہوتا تھا۔ اسے یوں بھرتی محفل میں پھنسا رہا۔

راجہ بیک دفعہ گزر بکلی کی طرح تڑپا۔ اس بار وہ کاؤنٹر سے باہر کھڑا تھا۔  
ادھر بلیک زیرو بڑے اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے یہ مقہر اس نے  
یہ حرکت کسی اور نے کی ہو۔

دوسرے لمحے راجہ نے بلیک زیرو پر چھلانگ لگا دی۔ مگر بلیک زیرو تیزی سے  
ایک طرف ہٹ گیا اور راجہ اپنے ہی زور میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کا وار خالی کیا گیا  
اور پھر سونے پر سہاگ یہ کہ بلیک زیرو نے بڑی پھرتی سے اس کی پشت پر پوری قوت  
سے لات مار دی۔ وہ سانسے دالی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اگر وہ دیوار پر ہاتھ رکھ کر اپنے  
آپ کو روکتا تو یقیناً اس کا مغز دیوار کے ساتھ چھپی پڑے کی طرح ٹک رہا ہوتا۔  
تیزی سے لڑا اور ایک بار پھر مقابل تھا۔

راجہ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں ایک چاقو  
جس کا پھل چمک رہا تھا۔

بلیک زیرو بھی سنبھل گیا۔ پھر راجہ نے انتہائی پھرتی سے لیکن بڑی مہارت سے  
واریکا مگر بلیک زیرو نے اس سے بھی زیادہ پھرتی دکھائی اور راجہ کا چاقو والا ہاتھ اب  
بلیک زیرو کے ہاتھ میں تھا اور پھر راجہ ایک جھٹکے سے دوسری طرف جاگرا۔ چاقو اس کے  
ہاتھ سے گر چکا تھا۔

اب راجہ کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ مد مقابل کوئی شریف آدمی نہیں بلکہ لڑائی کے  
فن کا ماہر ہے۔ دیے بھی یہ لڑائی منہ کی منہ تھی۔ اس لڑائی کا کوئی مقصد وغیرہ  
نہ تھا۔

”کمرہ دے رہے ہو پھر؟“ جیسے ہی راجہ سیدھا ہوا، بلیک زیرو نے بڑے  
زور لہجے میں کہا۔

”میں تمہیں جان سے مار دوں گا“ — راجہ غصے سے پھٹکا۔

”سوچ لو! — بہر حال میں نے کمرہ لینا ہے — کراہ پٹنگ! — بلیک زیرو بالکل  
معتن ہی میں ہوا۔

راجہ ایک لمحے کے لئے ٹک گیا۔ سارا بال بڑی دلچسپی اور حیرت سے یہ مقابلہ دیکھ  
رہا تھا۔ بہت سے لوگ بلیک زیرو کی بہت اور فن کی دل ہی دل میں داد بھی دے  
رہے تھے جس نے راجہ جیسے غنڈے کو نیچا کر کے رکھ دیا تھا۔

بلیک زیرو سمجھا کہ اب راجہ کو عقل آچکی ہے لیکن ایسا سمجھنا اس کی غلطی تھی۔  
راجہ اب اندھا دھند حملے کی بجائے ٹھنڈے دماغ سے لڑنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے  
اس طرح ڈاچ دیا اور بلیک زیرو ڈاچ کھا گیا۔

ایک ناک راجہ برق کی طرح تڑپا اور دوسرے لمحے اس کی فلائنگ کلک بلیک زیرو  
کے سینے پر پڑی اور وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ لیکن اس نے اٹھنے میں جتنی پھرتی دکھائی  
تھی، سارا بال عیش عیش کر اٹھا اور دوسرے لمحے راجہ جو ابھی ابھی اٹھ کر کھڑا ہوا تھا  
سینے پر ایک زوردار فلائنگ کلک کھا کر دوبارہ الٹ گیا۔ بلیک زیرو نے دوسرے ہاتھ  
ی بدل لے لیا تھا۔ پھر جو بلیک زیرو نے بائیں ٹوٹ بٹ کی تھوکریں راجہ کے منہ پر مارنا  
شروع کیں تو راجہ چپیں بول گیا۔

اس لمحے بلیک زیرو کو اپنی پشت پر ایک ہلکی سی چمک کا احساس ہوا اور وہ  
لڑائی کی طرح اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ اور اگر اسے ایک لمحے کی بھی دیر بہرہ جاتی تو  
بائیں اس کی پشت میں تیر جاتا۔ پھر چاقو والا اپنا وار خالی جاتا دیکھ کر جھپٹ پڑا۔  
پھر وہاں ایک خوفناک لڑائی شروع ہو گئی۔

اب بلیک زیرو کے مقابلے میں چار آدمی تھے۔ چاروں کے ہاتھوں میں چاقو تھے  
اور بلیک زیرو ان کے سامنے کھڑا بغیر انہیں دیکھ رہا تھا۔ دلیسے اس کے خیال میں  
انہیں تنہا کھجڑا اتنا بڑھ جائے گا۔ اور شاید زندگی میں پہلی بار وہ بغیر مقصد کے

لڑ رہا تھا۔

چاروں آدمیوں کا گھیرا بلیک زیرو کے گرد تنگ ہونے لگا۔ اور تنگ۔ اور پھر اچانک بجلی سی کوند گئی اور بال میں موجود دیگر لوگوں نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔

انہیں بلیک زیرو کی مرث کا مکمل یقین ہو گیا۔ قطعی یقین۔



**اچانک** صفدر کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور ان لوگوں سے بچنے کی ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آگئی اور اس نے فوری طور پر اس پر عمل بھی کر دیا۔ کیونکہ وہ چاروں بے دخل تھا اور چوکنے تھے اس لئے ان کے اعصاب قدرتی طور پر تڑپتے ہوئے تھے اور اسی نفسیات سے صفدر نے فائدہ اٹھایا۔ اچانک اس نے زور سے چلا کر کہا۔  
”روکو۔ کار روکو۔“

اور ڈرائیور نے غی شعوری طور پر اس بُری طرح بریک لگائے کہ کار ایک زبردست جھٹکے کے بعد رُک گئی۔ اس جھٹکے نے سب کی پوزیشن کو گڑبڑ کر دیا۔ وہ دونوں آدمی جو صفدر کی دونوں سائیڈوں پر بیٹھے تھے اچھل کر درمیان میں آئے اور صفدر تیر کی طرح اچھل کر جاوید پر جا پڑا۔ ان دونوں کے جو صفدر کی جگہ پر آ پڑے تھے، اس بُری طرح سے سر ٹکرائے کہ دونوں کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

اور جاوید صفدر کے نیچے دب گیا۔ پھر گرتے ہوئے صفدر کا ہاتھ ڈرائیور کی گردن پر پڑا اور وہ جھٹکا کھا کر سٹیئرنگ پر ہی اوندھا ہو گیا۔

صفدر تو چونکہ پہلے سے ہی اس جھٹکے کے لئے ہوشیار تھا اس لئے اس کا دماغ اپنی جگہ حاضر رہا۔ دوسرے لمحے اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور پھر جاوید کو لیتا ہوا اس سے باہر آگرا۔

جاوید کا سر جھک گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ سب کچھ کیا ہوا ہے اور کیسے ہو گیا ہے؟ چنانچہ کار سے باہر گرتے ہی صفدر نے ایک ہی کھڑی ہتھیلی کا اشارہ اٹھتے ہوئے جاوید کی گردن پر اس زور سے کیا کہ ایک کھٹاک کی آواز آئی اور جاوید کی گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی اور وہ زمین پر لڑھک گیا۔

اسی لمحے جاوید کے باقی تینوں ساتھی غیر ارادی طور پر کار کے دروازے کھول دیے۔ ان دونوں کے جو صفدر کی سائیڈوں میں بیٹھے تھے، ریوالتور کار کے زور سے گر گئے تھے۔

صفدر نے اچانک چھلانگ لگائی اور اب وہ انجن کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ ڈرائیور کے ساتھ ہرنگل کر سر جھٹکا ہی تھا کہ صفدر کی زوردار فلائنگ کلک اس بُری طرح اس کے سر پر پڑی تھی اور وہ الٹ کر دوڑ جا رہا تھا۔ صفدر نے پھرتی سے دروازہ کھولا اور دوسرے کار کے ہاتھ میں جاوید کا ریوالتور تھا۔

وہ دونوں بھی اب سنبھل گئے تھے۔ انہوں نے بھی کار کے دروازے سے اندر گھسنے کی کوشش کی مگر صفدر فائر کر چکا تھا۔ اس کے ریوالتور سے دو شعلے نکلے اور وہ دونوں ہلکے چیخوں سے پشت کے بل سڑک پر جا گرے۔

صفدر نے کار اسٹارٹ کی۔ اسی لمحے ڈرائیور اٹھ کر اس کی طرف بھاگا کہ صفدر دوسری گولی اس پر چلا دی اور وہ بھی وہیں ڈھیر ہو گیا۔



صفر نے گیسر دلا اور پھر کلچ چھوڑ کر ایکسیڈ پوری قوت سے دبا دیا۔ ایک زوردار جھکے سے کارتیر کی طرح آگے بڑھ گئی۔

اب صفر آزاد تھا۔ اس کی ڈمانت اور بروقت ترکیب نے اسے کامیابی دی تھی۔ گو اس نے سو فیصد رسک اٹھایا تھا لیکن وہ کامیاب رہا تھا۔ اس کی یہ ترکیب انتہائی نفسیاتی اور سچویشن کے لحاظ سے صحیح تھی۔ وہ کار لینا ہوا سیدھا آگے بڑھتا چلا گیا۔

کالونی روڈ سے ہوتا ہوا صفر دوبارہ سرکلر روڈ پر آیا اور پھر وہاں سے اس نے سپر مارکیٹ کا رخ کیا۔ ابھی سپر مارکیٹ کافی دیر تھی کہ اچانک اس کی نظر پاس سے گزرنے والی ایک کار پڑی۔ اس نے نعمانی کو دیکھا کہ وہ کار کے اندر بیٹھا ہوا ہے اور اس کے ارد گرد دو آدمی بالکل اسی طرح بیٹھے تھے جیسے اس سے پہلے صفر کے گرد بیٹھے تھے۔

صفر سمجھ گیا کہ نعمانی کو زبردستی لے جایا جا رہا ہے۔ نعمانی کو میک آپ میں مقابلاً لیا گیا تھا۔ نعمانی ابھی تک اسی غنڈوں والے میک آپ میں تھا۔

صفر نے اس تیزی سے اپنی کار موڑی کہ ٹائروں کی چیخیں سنائی گئیں اور ادھر آنے والی کاروں کو زوردار بریکیں لگانی پڑیں درجنہا نے کتنے ایکسیڈنٹ ہو جاتے مگر صفر نے قطعی پرواہ نہ کی۔ وہ نعمانی کو ہاتھ سے گھونانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ریوالور گومیں رکھا اور پھر نعمانی والی کار کا تعاقب شروع کر دیا۔ مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی کار سرحد روڈ پر چڑھ گئی۔

اب صفر سمجھ گیا کہ نعمانی کو فریڈ کی کوشی میں لے جایا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے کار کی رفتار قد سے تیز کر دی اور پھر وہ دوسری کاروں کو کراس کرتا ہوا نعمانی

ہار کے بالکل پیچھے آ گیا۔

اسی لمحے اس نے ایک ہاتھ سے بیئرنگ ہتھام اور دوسرے ہاتھ سے ریوالور ہتھام روک کر سے باہر ہاتھ نکالا۔ پھر کچے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے۔ ایک دھماکہ تو ناز

ہوا اور دوسرا نعمانی والی کار کے ٹائر چھٹنے کا۔ نعمانی والی کار ایک لمحے کے لئے ڈانواں ڈول ہوئی لیکن ڈرائیور ہوشیار نہ ہونے کا ڈیسی نعمانی اور پھر ایک سائیڈ میں کار روک لی۔ اس سڑک پر ٹریفک تقریباً

بہتر کے برابر تھی۔ کبھی کبھی اکاؤ کا گاڑی گزرتی تھی۔ صفر نے غور کرنے کے بعد کار نہیں روکی بلکہ اسے آگے نکالتا چلا گیا۔ جب اس کار کے قریب سے گزرا تو اس وقت ڈرائیور دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا۔

دو ڈرائیور بسٹ ہونے کی وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ صفر نے اچانک کار کو زوردار بریک لگائی اور پھر اسے بیک کر کے کار کے

مقابلہ میں آیا۔ ڈرائیور اسے کار بیک کرتے دیکھ کر رک گیا۔ کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟ — صفر نے گردن کھڑکی سے باہر

لے ہوئے پوچھا۔ نعمانی صفر کو اس طرح اچانک اپنے سامنے دیکھ کر بُری طرح چڑکا۔ لیکن اب لوگ چونکہ صفر کی طرف متوجہ تھے اس لئے وہ نعمانی کو چوہنکتے ہوئے

نہ نہ کر سکے۔ شکر یہ جناب! — ہمارا ٹائر بسٹ ہو گیا ہے۔ ہم ابھی تبدیل کر لیں گے۔

انہوں نے بغور صفر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ صفر نے لاپرواہی سے کندھے جھکے لیکن دوسرے لمحے اس نے کار چلانے کی

دروازہ کھولا اور بائیں نکل آیا۔

"میرے خیال میں آپ کو مدد کی ضرورت ہے۔ آپ تکلف کر رہے ہیں۔" نے کار کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ مگر دوسرے لمحے وہ ٹھٹھک گیا کیونکہ ڈرائیور نے پھرتی سے ریو اور نکال لیا تھا۔  
آپ چلے جائیں۔ ہمارے معاملے میں دخل مت دیں۔ ڈرائیور نے سر ہلے میں کہا۔



"ادہ! تو کوئی خطر ناک معاملہ ہے۔ بہت بہتر میں چلا جاتا ہوں۔" تجھے بھلا کیا تکلیف ہوئی ہے۔" صفدر نے خوفزدہ آواز میں کہا اور پھر مڑ کر اپنی کار کا دروازہ کھولا اور سیٹ پر بیٹھ گیا۔  
صفدر نے کار سٹارٹ کی۔ اسی لمحے ڈرائیور نے مطمئن ہو کر ریو اور دوبارہ چابی میں رکھ لیا۔

کار صفدر کی سی بیک ہوئی مگر دوسرے ہی لمحے وہ الٹ کر نیچے اگرگا۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی۔ اور پھر اس سے پہلے کہ باقی دو سنبھلتے، دو اور گولیاں انہیں بھی چاٹ گئیں اور اسی لمحے نعمانی دبک گیا۔  
ڈرائیورنگ سیٹ کے قریب بیٹھے آدمی نے صفدر پر فائر کیا مگر صفدر تیزی سے کار آگے بڑھالے گیا۔ نعمانی چونکہ اب آزاد ہو گیا تھا اس لئے اس نے ایک ہاتھ سے فائر کرنے والے کی گردن پکڑ لی اور دوسرا ہاتھ ریو اور پر مارا۔ ریو اور اس کے ہاتھ سے صفدر کو درجہ جاکرگا۔

صفدر کار روک کر نیچے اترا اور پھر تیزی سے بھاگتا ہوا کار کے قریب آیا اور پھر ایک گولی اس آدمی کے سینے پر پڑی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔  
"جلدی آؤ نعمانی!" صفدر نے آواز لگائی۔ "کوئی کار وغیرہ نہ آجائے۔" نعمانی نے تیزی سے آگے کی سیٹ پر رکھا ہوا بیگ اٹھایا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

آں۔ کیا کہا؟" فریدی چونک پڑا۔  
"میں پوچھ رہا ہوں کہ کیا یہ خبر صحیح ہے کہ عمران زندہ بچ نکلا ہے؟" فریدی نے سوال و جواب دیا۔  
"ہاں!۔ مجھے کل اطلاع ملی ہے۔" فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔  
"لیکن کوئی ثبوت؟" فریدی نے پوچھا۔  
"ثبوت ایک تو مل چکا ہے۔ دوسرے کا انتظار کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔  
"تو نے مجھے میں جواب دیا۔"

”جو ثبوت آپ کو مل چکا ہے۔۔۔ کیا اس کی تفصیل سے یہ بندہ ناچیز ہوسکتا ہے۔۔۔؟ حمید نے قدرے جھک کر آداب بجالاتے ہوئے کہا۔  
”تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“ فریدی نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر فرمایا۔

”اس لئے کہ مجھے یہ شک انہوں ہوا تھا کہ عمران اپنی موت آپ مر گیا ہے۔ میں اس سے اپنا بدلہ نہیں لے سکا۔ لیکن اب مجھے خوشی ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہے۔ اب میں اس سے انتقام لے سکتا ہوں۔“ حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔  
”ثبوت یہ ہے کہ وہاں دلدل کے کنارے ایسے نشانات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شخص دلدل سے باہر نکل کر وہاں پڑا رہا ہے۔ اٹھ کر آگے بڑھ گیا ہے۔“ فریدی نے بتلایا۔

”لیکن وہ آپ کے نکلنے کے نشانات بھی تو ہو سکتے ہیں۔“ حمید نے جزئی شروء کر دی۔

”میرے نشانات کے علاوہ ایسے نشانات ملے ہیں۔“ فریدی نے منہ بنا کر جواب دیا۔ جیسے اسے حمید سے اس بودے سے سوال کی توقع نہیں تھی۔

حمید جھینپ گیا۔ اسے خود احساس ہو گیا تھا کہ اس نے سوال طفلانہ کیا تھا اور خاموش ہو گیا۔

چند ہی لمحے بعد ٹیلیفون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ کرنل فریدی نے کونکر سیور اٹھالیا۔

”بارڈ اسٹون۔“ کرنل فریدی نے گھبر لہجے میں کہا۔

”نمبر الیون سر۔“ دوسری طرف سے نمبر الیون کی مخصوص آواز سنائی دی۔

”کیا رپورٹ ہے؟“ کرنل فریدی نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

”سر۔ چوٹ ہو گئی ہے۔ نمبر سکس الیون۔ نمبر ٹونٹی فور۔ نمبر الیون تھرٹی۔ نمبر الیون زیرو ون۔ ان چاروں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ صفدر کو لے کر آپ کی کیمپنچیں۔ مگر ابھی ابھی مجھے رپورٹ ملی ہے کہ وہ ہلاک ہو گئے ہیں اور ان آٹھوں پر پوسیس تحقیقات کر رہی ہے۔ صفدر ان کو ہلاک کر کے فرار ہو

ہے اور ان کی کار بھی لے گیا ہے۔“ نمبر الیون نے مفصل رپورٹ دی۔  
”اور۔“ فریدی کے لہجے میں غراہٹ آگئی اور اس کی آنکھوں کی سُرخی بڑھ گئی تھی۔ حمید جو اسے بغور دیکھ رہا تھا جھرجھری لے کر رہ گیا۔

ایک اور اطلاع بھی ابھی ابھی موصول ہوئی ہے سر۔ نمبر الیون خاموش ہو گیا۔  
”بولتے جاؤ۔۔۔ رک کیوں گئے؟“ فریدی کے لہجے میں موت کی سی سنجیدگی

سر۔ نمبر سکسی ٹو الیون نے کیفے ٹار لاسٹ میں ایک آدمی کو فارمولے والا

پاکٹ اٹھاتے کرسی پر بیٹھا دیکھ لیا۔ وہ آدمی شاید عمران کا ساتھی تھا۔ وہ اکیلا

تھا اور اس کے ساتھ اور کوئی شخص نہیں تھا۔ لیکن وہ کیفے میں اس طرح بیٹھا

تھا جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ اس نے میرے کو بھی ٹال دیا تھا۔

جیسے ہی رپورٹ ملی۔ میں نے اسی کیفے میں موجود اپنے چار اور آدمیوں کو ٹرانسپیر

ہٹا دیا کہ اس آدمی کو بیگ سمیت اغوا کر کے آپ کی کیمپنچیں پر پہنچا دیا جائے۔

مجھے اطلاع ملی کہ اسے وہاں سے ریوالتورڈل کے زور پر اٹھا کر بذریعہ کار آپ

لے جایا جا رہا ہے۔ مگر ابھی چند لمحے پہلے نمبر سکسی ٹو الیون نے بذریعہ

ٹرانسپیر بتلایا ہے کہ کوئی نامعلوم شخص جو ایک کار میں تھا۔ اچانک اس نے ناز

کے کار کا ٹائر برسٹ کر دیا اور پھر ہم پر نارتنگ کی بوچھاڑ کر دی۔ تین ممبر ہلاک



ہرچکے ہیں۔ کال کرنے والا بھی سخت زخمی تھا۔ اسے بھی وہ مردہ سمجھ کر ڈال گئے تھے۔ بیک وہ اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ کال کرنے والا بھی بھی ختم ہو گیا ہے۔ اس نے کار کے نمبر جو بتلاتے ہیں وہ اسی کار کے نمبر ہیں جسے صفر لے بھاگتا تھا۔ چنانچہ صاف ظاہر ہے کہ صفر ہی اپنے ساتھی اور بیک کو لے کر فرار ہو گیا ہے۔ نمبر الیون نے تفصیل سے رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

”تو صفر اب تک آٹھ ممبروں کو ختم کر چکا ہے۔“ کرنل فریدی کا لہجہ ہنسنا۔

”جی ہاں۔“ نمبر الیون نے جواب دیا۔

”کار کے متعلق کوئی کارروائی کی؟“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں!۔ تمام ممبروں کو الٹ کر دیا تھا۔ پھر جلد ہی اس کار کا سراغ بھی مل گیا۔ نادر مارکیٹ کے قریب پارکنگ سٹیشن میں وہ کار کھڑی تھی اور صفر اور اس کے ساتھی غائب تھے۔“ نمبر الیون نے بتلایا۔

”ہونہر۔“ فریدی غائبش ہو گیا۔

چند لمحے تک خاموشی طاری رہی۔ فریدی کی فراخ پیشانی پر سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں جو خطرناک سوچ کی آئینہ دار تھیں۔

حمید بہت بنا صرف فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

”نمبر الیون۔“ فریدی اچانک مخاطب ہوا۔

”لیس سر۔“ نمبر الیون نے جواب دیا۔

”سنو!۔ اجبر اور اسی وقت سب ممبروں کو حکم دید کہ جہاں بھی کوئی عمران

کا ساتھی نظر آئے۔ یا کسی ایسے آدمی پر شک پڑے کہ وہ عمران کا ساتھی ہے

وہیں متوجہ رہی گولی مار دی جائے۔“ فریدی نے حکم دیا اور حمید سمجھ گیا کہ اب عمران کے ساتھیوں کی خیر نہیں ہے۔

”کیا عمران کے متعلق بھی یہی حکم ہے؟“ نمبر الیون نے پوچھا۔

”نہیں۔“ جب تک وہ بیک نہیں مل جاتا اسے گولی مت ماری جائے۔ فریدی نے جواب دیا اور حمید نے بڑا سامنے بنا لیا۔

فریدی نے رسیور رکھا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا واپس آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔

”حمید!۔ عمران کے ساتھیوں نے میری بلیک فورس کو مفلوج کر دیا ہے۔

بیک آٹھ سے زیادہ آدمی ختم ہو چکے ہیں۔ اب تک میں انہیں طرح دیتا آیا ہوں۔ اب بلیک فورس کی بجائے مجھے اور تمہیں خود میدان میں نکلنا پڑے گا۔

چنانچہ آج کے بعد تمہاری تمام تفہیمی سرگرمیاں بند۔ اور تم سنجیدگی سے اس کیس پر کام کرو گے۔ میں عمران کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اب تک وہ اور اس کے

آدمی صرف میری طرف سے طرح دینے کی وجہ سے زندہ بچے ہوئے ہیں۔“ فریدی

کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

”یہی بات میں نے پہاڑی پر آپ سے کہی تھی۔ وہاں سب اکٹھے تھے اور وہ

میں نے فیصلہ ہو جاتا۔“ حمید نے بڑا سامنے بنا کر کہا۔

”نہیں۔ وہاں حالات کچھ اور تھے۔ اس وقت تک میرا کوئی آدمی نہیں

رہتا۔ اب وہ پہل کر چکے ہیں۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ میں کام کے لئے تیار ہوں مگر۔“ حمید نے جان بوجھ کر

نعرہ ناکسل چھوڑ دیا۔

”میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ مگر فکر نہ کرو۔ میں جلد ہی ان کا پتہ چلا

دیکھا — ابھی ترپ کا پتہ میرے ہاتھ میں ہی ہے — فریدی نے ترپ کی طرف  
بستے ہوئے حمید سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ترپ کا پتہ —“ حمید نے حیرت سے پوچھا۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔  
”ہاں“ — فریدی نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا اور پھر اٹھ کر ڈرائنگ  
رُوم سے باہر نکل گیا۔



عمران کافی دیر تک لغمانی کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن لغمانی تو ایسے غائب ہو گیا  
تھا جیسے گدھے کے سر سے سینک — وہ کسی ویٹر سے اس بارے میں پوچھنا  
بہتیں چاہتا تھا کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ بلیک فورس کے عمر اکثر ویٹروں  
کے روپ میں ہوتے ہیں۔ کہیں فریدی کو اس کی موجودگی کا علم نہ ہو جائے۔  
آخر تنگ آ کر وہ اٹھا اور پھر آہستہ آہستہ ریسٹورنٹ سے باہر آ گیا۔ اس  
نے لغمانی والے اڈے پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ لغمانی جہاں کہیں بھی ہو گا، وہیں  
پہنچے گا۔ اس نے ٹیکسی نہ پڑی اور پھر اسے لکی ویلہ ہوٹل چلنے کے لئے کہا۔

مٹھوڑی دیر بعد ٹیکسی لکی ویلہ کے باہر رک گئی۔ عمران نے کرایہ ادا کیا اور پھر ہوٹل  
کے اندر جانے کے لئے قدم بڑھائے مگر دوسرے لمحے وہ چو کنا ہو گیا کیونکہ ہوٹل کے  
اندر کسی ہنگامے کی آوازیں آرہی تھیں۔ جیسے بہت سے آدمی آپس میں رڑ رہے ہوں

عمران تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مین گیٹ میں گھس گیا۔ دوسرے لمحے اس کی  
پس پشت پر حیرت سے پھٹ گئیں۔ چار چاقو بردار بلیک زیرو کو گھیرے ہوئے تھے۔  
بلیک زیرو کو یہاں اور اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

لیکن اسے احساس ہو گیا کہ یہ وقت زیادہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ بلیک زیرو  
خطرناک پوزیشن میں پھنسا ہوا تھا۔ چار چاقو بردار اسے چاروں طرف سے گھیرے  
رہے تھے اور ان کے ارادے خطرناک نظر آ رہے تھے۔

بلیک زیرو غیر مسلح تھا۔ چنانچہ عمران نے فوری عمل کا فیصلہ کر لیا۔ پھر وہ تیز تیز  
پہنچ گیا۔

اسی لمحے چاروں چاقو برداروں نے بیک وقت بلیک زیرو پر حملہ کر دیا۔ بلیک  
اس کے ساتھ ہی دو تیز منگھڑت ناک چینیخیں بلند ہوئیں۔ بلیک زیرو حملہ ہونے  
کی اپناک بلیٹھ گیا۔ چاروں آدمی آپس میں ٹکرائے گئے تھے۔

دو آدمیوں نے سینے میں چاقو گھس چکے تھے۔ یہ دونوں چینیخیں ابھی کی تھیں۔ وہ  
ب گڈ مڈ ہو گئے۔

ادھر بلیک زیرو ترپ کر اچھلا اور اب وہ ان کے حلقے سے باہر کھڑا تھا۔ دو  
نڈے فرش پر پڑے ترپ رہے تھے۔ باقی دو اچھل کر اس طرح سیدھے ہو گئے  
یہ ان کے جنموں میں پارہ مچر گیا ہو۔ اپنے ہی ساتھیوں کی موت سے ان کے سر  
برخون سوار ہو گیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ دونوں بلیک زیرو پر حملہ کرتے  
پانک عمران اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر ایک آدمی اچھل کر دوڑ جا کر اس کے سینے  
پر پوری قوت سے فلائنگ کک پڑی تھی۔

بلیک زیرو جو ابھی تک اپنی پوری توجہ غنڈوں کی طرف مبذول کئے ہوئے  
تھا، نے چونک کر عمران کی طرف دیکھا اور پھر اس کے لبوں پر اطمینان کی مسکراہٹ

پھلتی چلی گئی۔ دوسرے غنڈے نے بلیک زیر و پر حملہ کرنا چاہا مگر اچانک سے  
گر جدار آواز سے ہال گونج اٹھا۔

"خبردار۔ رک جاؤ۔"

سب نے چونک کر دیکھا تو ایک لحیم شحیم آدمی ہاتھ میں ریلواری لٹے ایک گیند  
کے سر سے پرکھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بے حد سرنج اور وحشت ناک تھیں۔ چہرے پر درندگی چھائی ہوئی تھی۔

"دروازے بند کر دو۔" اس نے گر جدار آواز میں حکم دیا اور ایک آدمی نے  
آگے بڑھ کر ہوٹل کے دروازے بند کر کے چٹھنیاں چڑھا دیں۔

اب وہ بڑی کینہ توڑ نظروں سے عمران اور بلیک زیر و پر کی طرف دیکھ رہا تھا۔  
بڑے اطمینان اور لاپرواہی سے کھڑے تھے۔ جیسے کہیں سرکس کا تماشہ دیکھ رہے  
ہوں۔

چاقوؤں سے زخمی ہونے والے غنڈے تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو چکے تھے۔  
جس کے سینے پر لائیں پڑی تھیں وہ بار بار اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن  
پھر گر جاتا۔ اور پھر اس نے دو تین بار سر جھٹکا اور پھر اس کے منہ اور ناک سے  
نخن بھنے لگا اور چند لمحے بعد وہ مٹھنڈا ہو چکا تھا۔ شاید اس کے سینے کی ہڈیاں  
ٹوٹ گئی تھیں۔

ایک عجیب وحشت ناک منظر تھا۔ ہال میں موجود در سے آدمیوں کے چہرے  
خوف اور ہشت سے زرد ہو چکے تھے۔ وہ یوں سہمے ہوئے کھڑے تھے جیسے  
سب کچھ ان ہی کا کیا دھرا ہو۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے والے بڑی لاپرواہی  
سے کھڑے تھے۔

"تم کون ہو۔" اور تمہیں یہاں ہنگامہ برپا کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟

اب وہ لحیم شحیم آدمی جو شاید اس ہوٹل کا مالک تھا۔ براہ راست عمران اور بلیک زیر و  
پر سے مخاطب ہوا۔

"ہم مسافر ہیں۔ اور تمہارے ہوٹل میں ایک کمرہ کرانے پر لینا چاہتے تھے لیکن  
تمہارے غنڈوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔" نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔" بلیک زیر و  
پر نے بڑے پروقار انداز میں کہا۔

"کمرہ لینے کا یہی طریقہ ہے۔" مالک کی آواز میں غراہٹ بڑھ گئی۔

"کمرہ تو بڑے اچھے طریقے سے مانگا گیا تھا۔ لیکن تمہارے آدمیوں کو پسند ہی  
نہیں آیا۔ اب اگر اس سے بھی اچھا طریقہ تم جانتے ہو تو بتا دو۔" عمران نے  
اب بلیک لگائی۔

"تم میرے ساتھ دفتر چلو۔" مالک نے تدرے نرم ہوتے ہوئے کہا۔  
"چلو جیسی۔" بلیک زیر و پر نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"یہ لاشیں فوراً غائب کرو۔" فرش صاف کرو اور دروازے کھول دو۔"

مالک نے باقی ماندہ ملازموں سے کہا اور پھر گیدری میں مڑ گیا۔  
عمران نے بلیک زیر و پر کو آنکھ ماری اور آگے چل دیا۔ بلیک زیر و پر کو سکرا دیا  
پھر دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے مختلف گیدریوں سے گزرنے کے بعد ایک کمرے  
میں داخل ہو گئے۔

مالک نے انہیں سامنے صوفوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر خود ایک بڑی  
یز کے پیچھے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مجھے فیروز کہتے ہیں۔ اور میں اس ہوٹل کا مالک ہوں۔" مالک نے اپنا  
تعارف کرتے ہوئے کہا۔ سنانے کیا سوچ کر اس کا غصہ یکدم مٹھنڈا پڑ گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔" عمران نے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا۔



”تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم مجھے نہیں جانتے۔ ورنہ اس ہٹل میں اونچی آواز نکالنے کی بھی جرأت نہ ہوتی“۔ فیروز کو غصہ آنے لگا۔

”لیکن تم جانتے ہو کہ ہم نے نہ صرف اونچی آواز میں بات ہی نہیں کی بلکہ اور بھی بہت کچھ کیا ہے“۔ عمران نے اسے مزید غصہ دلایا۔

”اسی لئے تو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ ورنہ تمہاری لاشیں بھی اس وقت تک اٹھائی جا چکی ہوتیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس شہر میں اپنی

ہو۔ تم قابل رحم اور قابل معافی ہو“۔ فیروز نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

”پھر تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے فیروز!۔ تم نے شاید اپنے آدمیوں کی تڑپتی ہوئی لاشیں نہیں دیکھیں“۔ عمران نے بھی اسی طرح لا پرواہی سے جواب دیا۔

اور پھر فیروز کو غصہ آہی گیا۔ وہ اب تک ضبط کر رہا تھا۔ لیکن اب اس کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے جھٹکے سے ریو اور نکالا اور پھر اس

سے پہلے کہ عمران سنبھلتا۔ وہ عمران پر ناز کر چکا تھا۔ لیکن بلیک زیرو بالکل ہوشیار تھا۔ اس نے اچانک عمران کو دھکا دے دیا۔ نافرمانی چلا گیا۔

پھر اس سے پہلے کہ فیروز دوسرا ناز کرتا، بلیک زیرو اپنی جگہ سے اچھلا اور فیروز کو لیتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ ریو اور فیروز کے ہاتھ سے گر گیا تھا اور

عمران نے جھپٹ کر ریو اور اٹھالیا۔

”جیوڈر دو اسے“۔ عمران نے ریو اور کا رخ ادھر کرتے ہوئے کہا۔

بلیک زیرو جو فیروز کے اوپر سوار اس پر سکتے برسا رہا تھا۔ عمران کی آواز سن کر ہاتھ جھٹکے اور ایک طرف ہو گیا۔ فیروز کا حلیہ چند ہی لمحوں میں بلیک زیرو نے بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

”سیدھے بیٹھ جاؤ فیروز“۔ عمران نے فراتے ہوئے کہا اور فیروز کینہ توڑ نظروں سے عمران کی طرف دیکھتا ہوا دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

”میں کب ایک سوال کا جواب دو“۔ عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ کتنا اچھا ہوتا۔ اگر میں تمہیں

وہیں گولی مار دیتا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے نرمی برتی اور اس کا نتیجہ مجھے غلط سمجھنا پڑا ہے“۔ فیروز نے غضبناک لہجے میں کہا۔

”تم ناگل دادا کو جانتے ہو“۔ عمران نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اور فیروز بڑی طرح چونکا۔ جیسے اس کا پیر بے خیالی میں کسی بچھو پر پڑ گیا ہو۔

”تم ناگل دادا کو کیسے جانتے ہو“۔ اس کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

اس سے پہلے کہ عمران کوئی جواب دیتا۔ دروازہ اچانک کھلا اور پھر دروازے میں نعمانی اور صفدر کھڑے نظر آئے۔

”آؤ ناگل دادا!۔ میں تمہیں ہی یاد کر رہا تھا“۔ عمران نے نعمانی کو دیکھتے ہی ہانک لگائی۔

اور نعمانی حیرت سے بلیک زیرو اور عمران کو دیکھ رہا تھا جس نے فیروز پر ریو اور تان رکھا تھا۔

”کیا بات ہے۔“۔ تم نے فیروز پر کیوں ریو اور تان رکھا ہے“۔ نعمانی لہ آواز میں غراہٹ تھی۔ شاید وہ اپنے ناگل دادا کے کردار کو مجھولا نہیں تھا۔

عمران نے ریو اور جیب میں رکھا اور آداب بجا لایا ہوا صدف پر ڈھیر ہو گیا۔

یہ کون ہیں ناگل دادا“۔ فیروز نے سوالیہ لہجے میں نعمانی سے پوچھا۔

”یہ میسگر ساتھی ہیں جن کی وجہ سے مجھے کرنل فریدی سے ٹھکانا پڑا ہے“۔

نعمانی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

صنوبر بھی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا لیکن وہ بڑے غمزدہ  
بلیک نیز کی شکل دیکھ رہا تھا۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

”اوہ! — پھر تو اپنے مہربان ہوئے — حضرات معاف کیجئے — ناگوار  
کے ساتھی میرے بھی ساتھی ہیں — اب تک جو کچھ بھی ہوا غلط فہمی کی وجہ سے  
ہوا ہے۔“ فیروز کی آواز میں معذرت کا تاثر نمایاں تھا۔

”کیا ہو گیا ہے؟“ — نعمانی نے سوال کیا۔

”کچھ نہیں۔ بس انہوں نے میرے چار بہترین ساتھی مار دیئے ہیں۔“  
فیروز نے بظاہر لاپرواہی ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھوں میں  
لہرانے والے کرب کے سائے کسی سے نہ چھپ سکے۔

”ایک اور افسوس ناک خبر تو تمہیں مل چکی ہوگی کہ تمہارے ساتھی کاماٹی کی  
پڑاؤ پر ہونے والی جنگ میں ختم ہو گئے ہیں۔“ نعمانی نے قدرے نرم لہجے میں  
کہا۔

”ہاں! — میں نے اخبارین ان کے فوٹو دیکھے تھے۔“ فیروز نے جواب دیتے  
ہوئے کہا۔

”مجھے وہ فوٹوؤں والی اخبار دکھاؤ۔“ مس چیپن چھری کلکتے والی — خونیڈ بالی  
پونڈوں والی — فیروز دین تصائی ابلے والی — اور — اور فیروزہ بائی ٹیلی  
والی کے فوٹو ہوں گے اس اخبار میں۔“ عمران نے خوشی سے تالی بجاتے ہوئے کہا۔  
”فیروز! — یہ سب لوگ فی الحال یہیں رہیں گے — کیا تم ان کے لئے کمرے  
مہیا کر سکتے ہو؟“ — نعمانی نے پوچھا۔

”کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔“ اور پھر وہ اٹھا اور انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ

راتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ سب بھی اس کے پیچھے کمرے سے باہر گئے۔ فیروز سیدھا چلتا ہوا ایک اور  
کمرے میں گھس گیا جو کو وام بنا ہوا تھا۔ اس میں شراب کی پیٹیاں اور دیگر کاٹھ کباڑ  
بھرا ہوا تھا۔

فیروز نے ایک کونے میں جا کر ایک بڑی پیٹی بٹائی اور پھر اس کی جگہ پر ایک چھوٹی  
پیٹی رکھ کر وہ خود اس پیٹی کے اوپر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ اوپنے کئے اور  
پھر وہاں اس کا ہاتھ دلاؤ کر لگا۔ وہاں اس نے انگڑھٹے سے دیوار کو دیا اور  
پھر اس نے یہی حرکت دوسرے کونے میں جا کر کی۔ دوسرے کونے میں ایسا کرتے  
ہی اچانک سامنے والی دیوار کھسک گئی۔ اب وہاں ایک چھوٹا سا راستہ تھا اور نیچے  
ٹرےھیاں جا رہی تھیں۔

وہ سب فیروز کی رہنمائی میں ٹرےھیاں اترتے چلے گئے۔ نیچے ایک طویل گیدری  
تھی جس میں آمنے سامنے کافی مقدار میں کمرے بنے ہوئے تھے اور ہر کمرہ اچھی طرح  
سے سجا ہوا تھا۔

”یہ سب کمرے خالی ہیں۔ انہیں اپنی رہائش کے لئے منتخب کر لیں۔“  
یہ جگہ بے حد مفید ہے۔ آپ جتنا عرصہ چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں۔ اور اس  
کے علاوہ اور کوئی خدمت ہو تو وہ بھی میں پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔“ فیروز  
نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بہت بہت شکریہ فیروز! — تم نے دوستی کا حق ادا کر دیا ہے۔“ نعمانی  
نے احسان مندانہ لہجے میں کہا اور فیروز مسکرا کر رہ گیا۔

”اچھا میں چلتا ہوں۔ کسی قسم کی ضرورت ہو تو کمرے میں دنگا ہوا سرخ بٹن  
دبا دیجئے۔ میرا ایک خاص آدمی اس کمرے میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر آپ

کسی وقت باہر جانا چاہیں تو اس کے لئے بڑا آسان طریقہ ہے — ریٹھیاں پڑھنے کے بعد دیوار کے قریب ہی ایک سرخ بٹن موجود ہے۔ اسے دبائے سے دیوار اپنی جگہ سے کھسک جاتی ہے — اور اندر آنے کے لئے جو طریقہ کار ہے وہ تو آپ پر ظاہر ہو ہی گیا ہے — فیروز نے تمام تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

”کیا یہاں میک آپ کا سامان مل جائے گا؟ —؟ عمران نے پوچھا۔

”ہاں! — میکس ہاں جدید ترین قسم کا میک آپ کا سامان ہے — میں ابھی پوری کٹ آپ کو مجھواتا ہوں“ — فیروز نے کہا اور پھر وہ سلام کر کے واپس چلا گیا۔

فیروز کے جانے کے بعد صفدر اور نعمانی دونوں بلیک زیرو کی طرف متوجہ ہو گئے ان کے ذہن میں الجھن تھی کہ یہ صاحب کون ہیں —؟ اس سے پہلے انہیں کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

”عمران صاحب! — آپ نے ان صاحب کا تعارف نہیں کر لیا“ — آخر نعمانی نہ رہ سکا اور بول ہی پڑا۔

”تعارف! — ارے بھئی اگر میں نے ان کا تعارف کر دیا تو تمہیں ہارٹ اٹیک ہو جائے گا“ — عمران نے چپکتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب“ —؟ نعمانی اور صفدر چونک پڑے۔ ان کے ذہنوں میں ایک شک نے سر اٹھایا لیکن وہ کوئی واضح فیصلہ نہ کر سکے۔

”آپ سے ملے — آپ ہیں جناب ایکسٹو“ — عمران نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

اور صفدر اور نعمانی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ دیکھ رہے ہوں۔ کتنی مدت سے ان کے ذہن میں ایک خواہش تھی — غلش تھی — حسرت

تھی — ارمان تھا — کہ وہ ایکسٹو کی شکل دیکھ سکیں۔ لیکن اس سے پہلے ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ کبھی ان کی یہ خواہش بھی پوری ہو سکتی ہے — آج جب اچانک ہی ان کی یہ خواہش پوری ہو گئی تو انہیں سکتہ سا ہو گیا اور انہیں پٹی کی پٹی رہ گئیں۔

”کیدل گھور گھور کر دیکھ رہے ہو —؟ یہ میک آپ میں ہیں“ — عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور صفدر اور نعمانی کی پھیلی ہوئی آنکھیں ایک جھٹکے سے واپس اپنی جگہ پر آ گئیں ان کے تصورات کے سارے محل ریت کی دیوار کی طرح بیٹھ گئے۔ ساری امیدوں پر اوس پر لگتی — ان کے دل بھجے گئے — اور پھر انہوں نے یاد سی سے اپنے سر جھکا لیے۔

”عمران! — تم ان تمیروں پر ٹیلیفون کر کے کیپٹن شکیل کو بھی یہیں بلواؤ۔“ — بلیک زیرو نے ایکسٹو کی آواز میں عمران کو حکم دیا۔

اور عمران چونک پڑا اور حیرت سے بلیک زیرو کو دیکھنے لگا کہ اسے کیپٹن شکیل کا پتہ کیسے چل گیا کہ وہ کہاں ہے۔

”میں کیا کہہ رہا ہوں — سنا نہیں تم نے“ — بلیک زیرو نے قدرے غصے سے کہا۔

اور عمران نے اثبات میں سر جھکا لیا۔

”تم لوگ اپنے اپنے کمروں میں جاؤ“ — بلیک زیرو نے صفدر اور نعمانی کو حکم دیا اور صفدر اور نعمانی خاموشی سے اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

”میں اوپر جا کر فون کرتا ہوں“ — عمران نے کہا اور پھر وہ بلیک زیرو کی جانب سے حکم میں چلے گئے۔



کہے ہوئے کہا۔

بلیک زیرو نے اسے دروازے کی چٹخنی لگا دی۔

عمران نے تار بلیک کے تالے کے سوراخ میں گھائی اور پھر مختلف انداز میں اسے کھانے  
جند لمحوں بعد ایک کھٹک کی آواز آئی اور تالا کھل گیا۔ یہی عمل اس نے دوسری سائیڈ  
تالے کے ساتھ دہرایا اور وہ بھی کھل گیا۔

عمران نے تالوں کے سائیڈ میں لگے ہوئے ٹینوں کو دبا یا تو بلیک کھل گیا۔ اس  
ٹپے ہوئے کاغذات صاف دکھائی دینے لگے۔ عمران اور بلیک زیرو لاشعوری طور  
ان کاغذات پر چبک گئے۔

اسی لمحے ان دونوں کو محسوس ہوا جیسے کاغذات دھوئیں میں تبدیل ہونے لگے  
انہوں نے آنکھیں میچا دیں۔ مگر اب کاغذات آہستہ آہستہ مدھم ہونے لگ گئے  
عمران نے اچانک نظریں اٹھائیں اور پھر ادھر ادھر دیکھا اور پھر کمرہ لے گھومتا  
نظر آیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے تیزی سے اندھیرا چھیتا چلا گیا۔ یہی حشر بلیک زیرو  
ساتھ ہوا۔

گیس — اس تالے کے سوراخوں سے شاید کوئی بے رنگ گیس نکال رہی ہے۔  
ان کے ڈوبتے ہوئے ذہن میں خیال آیا۔ لیکن اس نے کچھ کہنے کی بھی مہبت نہ ملی  
دوسرے ہی لمحے وہ کرسی سے لڑھک کر فرش پر جا گرا۔

بلیک زیرو دکا بھی یہی حشر ہوا۔ کھلا ہوا بلیک میز پر پڑا تھا۔ مگر وہ دونوں  
بہر پر ہوش پڑے تھے۔

”ہاں! — میرے خیال میں یہ ٹھیک رہے گا کہ وہ بھی یہاں آجائے۔ پھر  
سے بھاگنے کا کوئی منصوبہ بنائیں گے۔“ بلیک زیرو نے کرسی پر بیٹھتے  
کہا۔ عمران پہلے ہی ایک صفحے پر بیٹھ چکا تھا۔

”لیکن تمہیں کیوں شک میں کا کیسے پتہ چلا؟“ عمران نے بلیک زیرو سے  
اور پھر بلیک زیرو نے اپنے ساتھ گزرنے والے تمام حالات تفصیل سے عمران  
سنا دیئے۔

”ہوں! — تو اس کا مطلب ہے کہ فریدی سے تمہاری جھڑپ ہو چکی  
عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں! — ویسے تو اس نے مجھے ختم ہی کر دیا تھا لیکن خوش قسمتی سے نیچے  
ہوئے ٹامپلے نے مجھے بچا لیا۔“ بلیک زیرو نے کہا۔

”اچھا اب تم دوسرے کمرے میں چلے جاؤ۔ میں ذرا صفر اور نعمانی سے  
پوچھ لوں۔“ بلیک زیرو نے عمران سے کہا۔ لیکن پھر بولا۔

”لیکن میرا خیال ہے کہ پہلے اس بیگ کو کھول کر نامولے کے کاغذات محفوظ  
لئے جائیں۔“ بلیک زیرو نے رائے پیش کی۔

”ہاں! — اس بیگ کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ یہی تو سارے فساد کی  
ہے۔“ عمران نے اپنے پاس پڑے ہوئے بیگ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ بیگ  
تہہ خانے میں آتے ہی نعمانی کے ہاتھ سے لے چکا تھا۔

عمران نے بیگ اٹھا کر اس کے تالے کو بغور دیکھا اور پھر ادھر ادھر نظر  
دوڑانے لگا۔ بلیک زیرو خاموش بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ عمران نے ایک کونے  
بیٹس ہوئی تار اٹھائی۔

”بلیک زیرو! — تم دروازہ اندر سے بند کر لو۔“ عمران نے دروازے کی

کہے ہوئے کہا۔

بلیک زیرو نے اسے دروازے کی چٹخنی لگا دی۔

عمران نے تار بلیک کے تالے کے سوراخ میں گھائی اور پھر مختلف انداز میں اسے کھانے  
جند لمحوں بعد ایک کھٹک کی آواز آئی اور تالا کھل گیا۔ یہی عمل اس نے دوسری سائیڈ  
تالے کے ساتھ دہرایا اور وہ بھی کھل گیا۔

عمران نے تالوں کے سائیڈ میں لگے ہوئے ٹینوں کو دبا یا تو بلیک کھل گیا۔ اس  
ٹپے ہوئے کاغذات صاف دکھائی دینے لگے۔ عمران اور بلیک زیرو لاشعوری طور  
ان کاغذات پر چبک گئے۔

اسی لمحے ان دونوں کو محسوس ہوا جیسے کاغذات دھوئیں میں تبدیل ہونے لگے  
انہوں نے آنکھیں میچا دیں۔ مگر اب کاغذات آہستہ آہستہ مدھم ہونے لگ گئے  
عمران نے اچانک نظریں اٹھائیں اور پھر ادھر ادھر دیکھا اور پھر کمرہ لے گھومتا  
نظر آیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے تیزی سے اندھیرا چھیتا چلا گیا۔ یہی حشر بلیک زیرو  
ساتھ ہوا۔

گیس — اس تالے کے سوراخوں سے شاید کوئی بے رنگ گیس نکال رہی ہے۔  
ان کے ڈوبتے ہوئے ذہن میں خیال آیا۔ لیکن اس نے کچھ کہنے کی بھی مہبت نہ ملی  
دوسرے ہی لمحے وہ کرسی سے لڑھک کر فرش پر جا گرا۔

بلیک زیرو دکا بھی یہی حشر ہوا۔ کھلا ہوا بلیک میز پر پڑا تھا۔ مگر وہ دونوں  
بہر پر ہوش پڑے تھے۔

نہیں چل رہا تھا۔

ویسے فریدی مٹھا کا ایک پوائنٹ اس کے پاس ایسا ہے کہ عمران کو ہرگز نہ ہی پڑے گا لیکن وہ حیران تھا کہ اس پوائنٹ کی رو سے تو یہ کام فوری چاہا جاسکتا تھا اور اس دوران وہ زیادہ تو اسی کال کا منتظر تھا۔ جمید کو اس آج صبح سے روک رکھا تھا۔

چند لمحے بعد ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسور اٹھا لیا۔

”بارڈ اسٹون“ — فریدی نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”نمبر الیون سر“ — دوسری طرف سے نمبر الیون کی آواز سنائی دی۔

”ریپورٹ“ — فریدی نے کہا۔

”سرا۔ ٹی۔ اے۔ میگا مٹھین کاشن دے رہی ہے“ — نمبر الیون کے

ہاتھ میں بے پناہ خوشیاں تھیں۔

”کیا کہا“ — کاشن دے رہی ہے۔ — دیری گڈ! — تم نے چیک اپ کیا کہ وہ

نئی جگہ ظاہر کر رہی ہے؟“ — فریدی کی آواز میں بھی خوشی تھی۔

”جی ہاں جناب! — جس جگہ کا پتہ وہ بتلا رہی ہے وہاں نقشے میں ہوٹل لگی دیا

“ — نمبر الیون نے جواب دیا۔

”لکھی دیو“ — کیا سر مارکیٹ کے بائیں کونے پر جو گندہ سا ہوٹل ہے — وہی

“ — فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں سرا! — وہ فیروز نامی مشہور غنڈے کا ہوٹل ہے — وہ اپنے ہاتھ پیر

اگر رکھتا ہے اس لئے وہ ابھی تک ہماری لسٹ میں نہیں آیا“ — نمبر الیون

جواب دیا۔

”تو پھر اس دفعہ اس کی شامت نے آواز دے ہی لی ہے“ — فریدی غرایا۔

کرنل فریدی بیدار ہوئے تھا۔ وہ ٹیلیفون کے پاس بیٹھا تھا اور ہرنٹ کے وقفے کے بعد کالیں آرہی تھیں اور وہ مزید احکام دیتے جا رہا تھا۔ اس کی پوری بلیک فورس جو نہ جانے کتنی وسیع اور با اثر تھی اس وقت حرکت میں آ رہی تھی۔

ریلوے اسٹیشن — ایرپورٹ — بندرگاہ — اور شہر سے باہر جانے والی ہر

سڑک پر اس کی بلیک فورس الرٹ تھی۔ شہر میں ایسی کوئی سڑک — کوئی مارکیٹ اور

کوئی کالونی نہیں بچی تھی جہاں اس کے آدمی نہ منڈلا رہے ہوں۔ شہر کے تمام ہوٹلوں

میں تحفیہ طور پر چھان بین کی جا رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس پراسرار اور خفیہ طریقے

سے ہو رہا تھا کہ شہر میں موجود ہر جگہ کی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ کسی کو یہ شک بھی

نہ پڑ سکا کہ اس وقت نہ جانے کتنی آنکھیں ان کی نگاہ کی گزر رہی ہیں۔

یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ عمران سمیت اس کے تمام ساتھی یکدم غائب ہو گئے تھے

اور اس کے ساتھ ہی بیگ بھی غائب تھا اور یہی چیز فریدی کے لئے سوت کشی کا

تھی۔ جب تک بیگ عمران کے ہاتھ میں ہے فریدی بے دست و پا تھا۔ وہ ہر صورت

میں عمران وغیرہ کو اپنی گرفت میں لے آنا چاہتا تھا لیکن عمران اور اس کے ساتھی

کچھ اس طرح غائب ہوئے تھے کہ اتنے زبردست انتظامات کے باوجود ان کا کچھ

نمبر الیون خاموش رہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

”نمبر الیون! — اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ وہ لکھی ویو کو گھیر لیں۔ اگر عمران کوئی سامتی وہاں سے فرار ہونے لگے تو بے شک اسے گولی مار دیں۔ میں اور بھی بھی وہاں پہنچتے ہیں۔“ فریدی نے نمبر الیون کو حکم دیا۔

”او۔ کے سر“ — نمبر الیون نے جواب دیا۔ اور فریدی نے رسیور رکھ دیا۔

”حمید! — فوراً کچڑے بدل کر میسرے ساتھ چلو۔“ آج عمران اور اس کے ساتھیوں سے دو دو ہاتھ ہو ہی جاتیں۔“ کرنل فریدی نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مگر عمران اور اس کے ساتھی ہیں کہاں؟“ — حمید نے بیزار سی اس کے ساتھ اس کیس سے تنگ آچکا تھا۔

”تم چلو تو سہی۔“ عمران اور اس کے ساتھیوں کا پتہ چل گیا ہے۔ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ ابھی تریپ کا پتہ میرے ہاتھ میں ہے۔“ فریدی نے کہا۔ پھر وہ بھی لبکس تبدیل کرنے کے لئے ڈرائیونگ روم سے باہر نکل آیا۔

مقور ٹی وی ریکارڈنگ ٹیسٹ سے سڑک پر پھسلتی جا رہی تھی۔ فریدی کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ جلد ہی گاڑی سپر مارکیٹ میں موجود لکھی ویو ہوٹل کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ ہوٹل کی ظاہری حالت ہی بتلا رہی تھی کہ وہ کس طبقے کی آماجگاہ ہو گا۔

فریدی نے گاڑی سے اتر کر ایک لمحہ کے لئے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں اور پھر وہ ہوٹل کے اندر داخل ہو گیا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ فریدی سیدھا کاؤنٹر پر گیا۔

ہوٹل میں فریدی کے داخل ہوتے ہی ایک نامعلوم سی بے چینی اور اضطراب

لکھی ویو ہل پر بیٹھے ہوئے غنڈوں کے چہرے فق ہو گئے۔ کیونکہ فریدی ان لئے ملک الموت سے کم درجہ نہیں رکھتا تھا۔

ہاؤنڈز پر کھڑے ہوتے آدمی نے جیسے ہی فریدی کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

فریدی پہلی بار اس ہوٹل میں داخل ہوا تھا اور کاؤنٹر میں اچھی طرح جانتا تھا فریدی کی آمد کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہو گا۔

فریدی کاؤنٹر کے قریب آ کر رک گیا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بغور کاؤنٹر میں کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ کاؤنٹر میں نے آنکھیں پڑالیں۔ فریدی کی آنکھوں میں آنکھوں کی آواز گونجنے لگی۔

فریدی کہاں ہے؟ — فریدی سانپ کی طرح چپکنا۔

جی۔ جی۔ جی اپنے کمرے میں۔“ کاؤنٹر میں نے بکلاتے ہوئے جواب دیا۔ ”کہہ کہاں ہے؟“ — فریدی نے کاٹ کھانے والے لہجے میں پوچھا اور کاؤنٹر میں تیزی سے باہر نکلا اور پھر کہنے لگا۔

”میسرے ساتھ چلیے۔“ میں آپ کو اس کمرے تک لے چلتا ہوں۔“

”چلو۔“ فریدی نے کہا اور پھر وہ کاؤنٹر میں کی رہنمائی میں ایک گیسٹری کی طرف چلتے گئے۔

جلد ہی وہ ایک کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ کاؤنٹر میں نے دروازے پر دستک دی۔

”آ جاؤ۔“ اندر سے فریدی کی مچھاری جھرم آواز سنائی دی اور کاؤنٹر میں نے اپنے سے دروازہ کھلتا چلا گیا۔ سامنے ایک میز کے پیچھے فریدی بیٹھا ہوا تھا اور میز پر شراب کی بوتل کھلی پڑی تھی۔



"کیا بات ہے راجو" — فیروز کی نظریں دروازہ کھولنے والے پر پڑیں جس کے چہرے پر بارہ بج رہے تھے۔

"کک — کرنل مندریدی" — راجو بھلاتے ہوئے ایک طرف ہٹ گیا اور دوسرے لمحے فریدی اور حمید اندر داخل ہو گئے۔

فریدی پر نظر پڑتے ہی فیروز چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک لمحے کے لئے اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ مگر دوسرے لمحے اس نے اپنے آپ پر قابو پالیا۔

"آئیے آئیے — تشریف لائیے کرنل صاحب" — اس نے مسکراتے ہوئے بااخلاق لہجے میں کہا۔

فریدی اس کی میز کے قریب جا کر رک گیا۔ ایک لمحہ تک وہ بغیر فیروز کو دیکھتے رہا پھر اچانک وہ ہلٹا۔ اس نے دروازے میں کھڑے ہوئے راجو کو سخت لہجے میں کہا۔

"تم جاؤ — حمید دروازہ بند کر دو۔"

"کیا مطلب؟" — فیروز کرنل مندریدی کے لہجے سے بوکھلا گیا۔

راجو تیزی سے واپس چلا گیا۔

حمید نے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔

"تشریف رکھیے" — فیروز سے اور تو کچھ نہ بن سکا صرف یہی فقرہ کہہ کر رہ گیا۔

فیروز! — تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو — اس لئے تمہاری جھلٹائی اسی میں ہے کہ تم سیدھی طرح بتا دو کہ عمران اور اس کے ساتھیوں کو تم نے کہاں چھپا رکھا ہے۔" —

فیروز حیران رہ گیا۔ اور وہ سچا بھی تھا اس نے کبھی عمران کا نام بھی نہیں سنا تھا۔

"ہاں" — فریدی نے جواب دیا۔

"مگر میں تو عمران اور اس کے ساتھیوں کو نہیں جانتا" — فیروز نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

مگر دوسرے لمحے وہ الٹ کر دوسری طرف جا کر ا۔ کرنل مندریدی کا زبردست پتھر اس کے گال پر پڑا تھا۔

فیروز گرتے ہی ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ فریدی کے ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے نشان اس کے گال پر ثبت ہو چکے تھے۔

"کرنل صاحب! — آپ خواجواہ ناراض ہو رہے ہیں — میں واقعی انہیں نہیں جانتا" — فیروز نے بھی قدرے سخت لہجے میں جواب دیا۔

دوسرے لمحے فریدی نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور پھر ایک زوردار جھٹکے سے اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ تقریباً اڑتا ہوا سامنے والے دروازے کے سامنے جا ٹکرایا۔

"بتاؤ وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں — درنہ میں تمہاری بوٹیاں اڑاؤں گا۔"

فریدی غرایا۔

فیروز اٹھنے لگا۔ مگر دوسرے لمحے کرنل مندریدی پر بھاری پڑا۔ کیونکہ فیروز اٹھتے ہی اچھلا اور پھر اس سے پہلے کہ فریدی سنبھلتا، وہ ایک بم کی طرح اس کے سینے سے آٹکرایا اور فریدی منیر الٹ گیا۔

اب حمید کے صبر کا پیمانہ بے پناہ ہو چکا تھا۔ اس نے پیچھے سے فیروز کی گردن پکڑ لی اور پھر ایک زوردار گھٹن اس کی پسلیوں میں جھکا دیا۔

"تم ایک طرف ہٹ جاؤ حمید! — اس نے مجھ پر حملہ کیا ہے۔" — میں خود ہی اس سے پنٹ لوں گا۔" — فریدی نے غراتے ہوئے کہا۔ اور حمید ایک طرف ہٹ گیا۔ اب کرنل مندریدی اور فیروز ایک دوسرے کے مقابل میں تھے۔

" میں نہیں جانتا کرنل صاحب! — کہ عمران کون ہے — " فیروز نے کہا  
فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور فیروز کو گھورتا رہا۔  
فیروز بے حد چوکنا تھا۔

اچانک فریدی نے بجلی کی سی تیزی سے فیروز پر چھلانگ لگا دی۔ فیروز اس  
طور پر ایک طرف ہٹا مگر بے سود۔ فریدی اسے رگیدتا ہوا دوسری طرف جا کر  
پھر دونوں نے ہی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی اور دوسرے لمحے وہ دونوں پھر ایک  
دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔

مگر پھر فریدی نے ایک فلائنگ کلک لگائی اور فیروز دوبارہ فرش پر  
جا گرا۔ اور پھر اسے فریدی نے اپنی بوٹ کی چھڑکوں پر رکھ لیا۔ اور بجلی کی تیزی  
سے فیروز پر چھڑکوں کی بارش شروع کر دی۔ فیروز کا چہرہ لہو لہان ہو گیا تھا۔  
چہرے کی جلد کئی جگہ سے پھٹ گئی تھی۔

" بتاؤ عمران اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟ — " کرنل فریدی نے فریاد  
لیکن فیروز نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ میہوش ہو چکا تھا۔ کنڈی پر پڑنے والی چھڑکوں  
نے اسے ہوش و حواس سے ہٹکا نہ کر دیا تھا۔

فریدی کو جیسے ہی احساس ہوا کہ فیروز میہوش ہو چکا ہے۔ اس نے پیردک  
لئے۔ فیروز بے سدھ پڑا تھا۔

" حمید! — اسے ہوش میں لے آؤ — " فریدی حمید سے مخاطب ہوا۔ جو  
ایک طرف کھڑا بڑی دلچسپی سے یہ مقابلہ دیکھ رہا تھا۔

حمید نے میہوش فیروز کو کھینچ کر ایک کرسی پر ڈالا اور پھر ادھر ادھر دیکھنے  
لگا۔ میز پر پڑی ہوئی شراب کی بوتل اٹھائی اور پھر اسی کے چھینٹے فیروز کے منہ  
پر مارنے شروع کر دیئے۔ چند لمحے بعد فیروز نے آنکھیں کھول دیں۔

" اگر زندگی چاہتے ہو تو سچ سچ بتا دو کہ عمران وغیرہ کہاں — " فریدی  
نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

" یقین کیجئے کرنل صاحب! — میں کسی عمران وغیرہ نہیں جانتا — " فیروز  
نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

فریدی نے محسوس کیا اور فیروز کی آنکھیں بتلا رہی تھیں کہ وہ جھوٹ نہیں  
بول رہا ہے۔ مگر ٹی۔ اے میگنا مشین کا کاشن بھی درست تھا۔ پھر یہ چکر  
کیا ہے — ؟

اسی لمحے فریدی کے ذہن میں ایک گونا گونا سالیکا اور پھر اسے اپنے آپ پر غصہ  
آگیا۔ گھامڑپن تو اسی سے سرزد ہوا تھا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ عمران نے فیروز کو  
اپنا اصلی نام ہی بتلایا ہو۔ وہ خواجہ عمران کے نام پر زور دیتا رہا۔

" اچھا سنو! — پچھلے ایک ہفتہ کے دوران کوئی باہر کا آدمی تم سے ملے؟  
فریدی نے کسی خیال سے پوچھا۔

" فیروز سمجھتا تو تھا کہ یہ سارا چکر ناگل دادا کا ہے — ہو سکتا ہے کہ اس  
کے کسی ساتھی کا نام عمران ہو — لیکن وہ بتلانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے وہ  
ناوش رہا۔

فریدی نے جیب سے ریوالت نکال لیا۔ ریوالت پر پراسٹنسر لگا ہوا تھا۔  
" سنو فیروز! — میں صرف تین تک گنوں گا — پھر تمہاری لاش یہاں تڑپ  
رہی ہوگی — جو کچھ تم جانتے ہو وہ سچ بتا دو — " فریدی نے ریوالت کا  
رنج فیروز کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

ادھر فیروز کے ذہن میں زبردست کش مکش جاری تھی کہ آیا وہ ناگل دادا کے  
متعلق بتا دے یا نہیں — یہ غدار ہی ہوگی — اور ادھر اسے اچھی طرح علم تھا کہ

فریدی جو کچھ کہہ رہا ہے وہ یقیناً اسے کہہ بھی گزرے گا۔ ایک عجیب سی کیفیت میں وہ مبتلا تھا۔

اودھر فریدی دو تک پہنچ چکا تھا۔ اس کی انگلی ٹریگر پر جم چکی تھی۔ آخر فیروز نے سب کچھ بتلانے کا فیصلہ کر لیا۔

”ناگل دادا۔ کک۔ کک۔ اوہ“ — اور فیروز کے سینے سے نگوں اُبلنے لگا۔ وہ کرسی سے الٹ کر دوسری طرف جاگرا۔

گوئی شاید فریدی پر چلائی گئی مٹی لیکن سجانے کیوں فریدی ذرا سا بائیں طرف جھکا تھا کہ گوئی اس کے پہلو سے نکلتی ہوئی سامنے بیٹھنے ہوئے فیروز کے سینے میں پیوست ہو گئی۔

فریدی بجلی کی طرح پلٹا اور پھر پشت پر موجود روشندان میں اسے ایک سایہ سا لہراتا نظر آیا۔ فریدی اڑتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے چٹخنی کھولی اور پھر بائیں نکل آیا۔ لیکن آس پاس کوئی آدمی بھی نہیں تھا۔ وہ واپس کمرے میں آیا تو فیروز جھنڈا ہوا چکا تھا۔

فریدی سوچ میں پڑ گیا کہ ناگل دادا کا کیا مطلب ہوا۔ بہر حال اتنا تو وہ سمجھ گیا تھا کہ ناگل دادا کسی غنڈے کا نام ہے — مگر یہ غنڈہ کون ہے — ؟ اور اس کا عمران سے کیا تعلق ہے — ؟

”حمید! — تم کاؤنٹر میں کو بلا لاؤ“ — فریدی نے کہا اور حمید خاموشی سے بائیں نکل گیا۔

چند لمحے بعد راجو فریدی کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے جب فیروز کو مرے ہوئے دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔

”کک۔ کک۔ کیا آپ نے“ — اس نے ہکلاتے ہوئے فیروز کی لاش

کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”نہیں — ایسے کسی نے روشن دان سے گولی مار دی ہے“ — فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اور راجو خشک ہنٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

”یہ بتاؤ کہ ناگل دادا کون ہے“ — ؟ فریدی نے اچانک سوال کیا اور راجو بوکھلا گیا۔

”ناگل۔ ناگل دادا“ — خوف سے راجو کی زبان لڑکھڑا گئی۔

”تم کرنل فریدی کے سامنے کھڑے ہو۔ ڈرو مت — تمہارا کوئی بال بھی میکا نہیں کر سکتا“ — فریدی نے اسے دلاسا دیا۔

اور پھر راجو نے سب کچھ انکل دیا کہ کس طرح ناگل دادا یہاں آیا تھا اور کس طرح وہ یہاں رہے۔ پھر پانچ ساتھی لے کر وہ کامائی ٹکی پہاڑی پر لڑنے گئے تھے اور پانچوں وہیں مر گئے — پھر دو آدمی یہاں آئے۔ یہاں زبردست ہنگامہ ہوا۔ فیروز انہیں اپنے کمرے میں لے گیا — پھر ناگل دادا آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔ ناگل دادا نے ہاتھ میں ایک بیگ اٹھایا ہوا تھا۔ پھر فیروز نے انہیں نیچے تہ خانوں میں رہنے کی بجگہ دے دی — پھر صفوری دیر بعد آپ آ گئے — راجو نے تفصیل سے بتلایا۔

”تو اب سب لوگ نیچے تہ خانوں میں موجود ہیں“ — ؟ کرنل فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں“ — راجو نے جواب دیا۔

”وہ کل کتنی تعداد میں ہیں“ — ؟ فریدی نے کسی خیال سے پوچھا۔

”چار ہیں“ — راجو نے جواب دیا۔



”تہہ خانوں کا راستہ کدھر ہے“ — فریدی نے پوچھا۔

”سٹوروم میں ہے“ — راجو نے جواب دیا۔

”چلو میرے ساتھ“ — فریدی نے جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا، اور پھر راجو، فریدی اور حمید تیز تر قدم اٹھاتے ہوئے سٹور کی طرف بڑھ گئے۔ سٹوروم میں پہنچ کر فریدی نے پوچھا۔

”کہاں ہے وہ راستہ“ — ؟

پھر راجو نے فیروز والے طریقے سے دونوں کونوں میں دیوار کو دبایا تو دیوار اپنی جگہ سے کھسک گئی اور راستہ نکل آیا۔

فریدی سب سے آگے ریوالور لے کر سیڑھیاں اترنے لگا، اس کے پیچھے حمید ہاتھ میں ریوالور لئے ہوئے تھے اور سب سے پیچھے راجو جو جانے کے لئے مجبور تھا اور خوفزدہ بھی۔



”کیا واقعی ایکسٹرمیک آپ میں ہے“ — ؟ کرے میں پہنچتے ہی صفدر نے نعمانی سے کہا۔

”معلوم تو نہیں دیتا — لیکن میرے خیال میں یقیناً وہ میک آپ میں ہوگا کیونکہ وہ اتنا بیوقوف تو نہیں ہے کہ بغیر میک آپ کتے عمروں کے سامنے آجائے“ — نعمانی

نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

”ہاں! — یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ کہہ دے کہ میں میک آپ میں ہوں اور حقیقتاً وہ میک آپ میں نہ ہو“ — صفدر نے جرح کرتے ہوئے کہا۔

”کوئی ثبوت نہیں — ویسے ہمیں جو کچھ بھی وہ کہے، یقین کرنا ہی پڑے گا“ — نعمانی نے کندھے جھپکتے ہوئے کہا۔

”مگر ایکسٹرمیک یہاں پہنچ کیسے گیا“ — ؟ وہ ہم سے پہلے یہاں نہ تھا۔ جبکہ ہم سب عمران کے پیچھے بوکھلائے پھرتے تھے — اچانک ہی میری نظر تم پر پڑی اور پھر تم مجھے یہاں لے آئے۔ وہ ضرور وہاں گیا ہوگا اور پھر یہاں ایکسٹرمیک سے پہنچ گیا اور اسے کیپٹن شکیل کا بھی پتہ ہے“ — صفدر نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

”اس کے ہاتھ پیر بہت لمبے ہیں مہائی! — جس چیز کیلئے ہم سر پکڑتے رہ جاتے ہیں اسے اس کا پہلے سے ہی پتہ چل جاتا ہے“ — نعمانی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”یار! — ایکسٹرمیک نے عمران صاحب سے کہا تھا کیپٹن شکیل کو ٹیلیفون کرنے کا۔ یا نہیں“ — ؟ اچانک ایک خیال آتے ہی صفدر بولا۔

”میرے خیال میں تو عمران صاحب کو ہی کہا تھا“ — نعمانی نے جواب دیا۔

”مگر اب عمران اور ایکسٹرمیک تو دونوں کمرے میں چلے گئے ہیں — میرا خیال ہے کہ اس نے ہمیں ہی کہا ہوگا“ — صفدر نے یقین سے کہا۔

”تو ٹھیک ہے — میں اسے ٹیلیفون کرتا ہوں“ — نعمانی نے کہا۔

”ٹھیک ہے — تم جا کر اسے ٹیلیفون کرو اور اسے یہیں بلاؤ — فیروز سے کہنا کہ

و تشکیل کو یہاں پہنچا دے۔“ صفر نے کہا اور نعمانی نے اثبات میں سر ہلادیا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

نعمانی بیئر حبشوں سے ہوتا ہوا سٹور روم میں پہنچا۔ پھر وہاں سے فیروز کے کمرے کی طرف بڑھا۔ کمرے کے قریب پہنچتے ہی وہ اچانک ٹھٹک گیا۔ اندر سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے دوا آدمی لڑ رہے ہوں۔

نعمانی کو یکدم اس روشندان کا خیال آ گیا۔ وہ تیزی سے فیروز کے سامنے والے کمرے میں گھسا اور پھر ایک میز پر اس نے ایک کرسی رکھی اور کرسی پر چڑھ گیا اب روشندان سے آنکھیں لگاتے ہی اس پر حیرت کا شدید دورہ پڑا۔ کمرے میں فیروز اور فریدی کی لڑائی ہو رہی تھی۔

فریدی، فیروز کے چہرے پر لگا تا مٹھکریں لگا رہا تھا اور فیروز بیہوش ہو چکا تھا۔ پھر اسے اٹھا کر ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ حمید نے شراب کے چھینٹے اس کے منہ پر مارے اور وہ بیہوش میں آ گیا۔

فریدی اس سے عمران اور اس کے ساتھیوں کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ پھر نعمانی نے محسوس کیا کہ فیروز اب شکست تسلیم کر چکا ہے اس لئے وہ ہمارے متعلق ضرور بتا دے گا۔ چنانچہ نعمانی نے حفظ ماتقدم کے طور پر ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے سوچا کہ اگر فیروز نے کچھ بتلانا چاہا تو وہ فیروز کو ہی ختم کر دے گا لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اس وقت سبھی موقع ہے کرنل فریدی کی پشت اس کی طرف ہے اور نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں نہ کرنل فریدی کا چراغ گل کر دیا جائے تاکہ نہ رہے بانس نہ نیچے بانسری۔ چنانچہ اس نے ریوالور کی نال کو دھت ندان کے قریب رکھا اور پھر اس کے کان میں ایک آواز پڑی۔

”ناگل دادا! — میڈیوز کی آواز تھی۔ اسی لمحے نعمانی نے ٹریجر دبا دیا۔ ریوالور

بائیں سرنگا ہوا تھا۔ اس لئے ایک شعلہ سا مٹکا پھر نعمانی نے یہ دیکھنے کی تکلیف ادا نہیں کی کہ اس گولی کا کیا حشر ہوا۔ وہ بھاگتا ہوا سٹور میں داخل ہو گیا۔ ویسے ایک چیخ اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اس لئے اسے اتنا تو یقین تھا کہ گولی کی زد میں کوئی نہ کوئی آ گیا ہے۔ نشانہ تو اس نے کرنل فریدی کا لیا تھا اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ کرنل فریدی بچ گیا ہو۔

سٹور روم میں آتے ہی اس نے تیزی سے خفیہ دروازے کو کھولا اور پھر وہ تقریباً بھاگتا ہوا بیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ پھر کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے ایک لمحے سے دروازہ کھولا تو صفر جو پلٹا پلٹا پر لیٹا ہوا تھا، اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”صفر! — میں نے کرنل فریدی کو گولی مار دی ہے“ — نعمانی نے کہا اور صفر کو محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر بم پھٹ پڑا ہو۔

کیا کہا — فریدی کو گولی مار دی ہے؟ — صفر نے اس سے پوچھا۔

”ہاں“ — نعمانی نے جواب دیا اور پھر مختصر لفظوں میں اس نے تمام تفصیل برادری۔

میرے خیال میں فوراً اکیسٹو کو اس کی رپورٹ دینی چاہیے“ — صفر نے کہا نعمانی نے اثبات میں سر ہلادیا۔

یہ فیصلہ کرتے ہی وہ دونوں تیزی سے کمرے سے باہر نکلے اور پھر دوسرے لمحے اکیسٹرو والے کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے۔ صفر نے آہستہ سے دروازہ دستک دی۔ لیکن جواب نہ دار۔

صفر نے حیرت سے نعمانی کی طرف دیکھا۔ نعمانی خود حیرت زدہ تھا کہ اکیسٹرو

عمران جواب کیوں نہیں دے رہے جبکہ دروازہ اندر سے بند تھا تو اس سے

صاف ظاہر تھا کہ دونوں اندر ہی ہیں۔

صفدر نے جھنجھلا کر دروازے کو پیٹ ڈالا۔ بسیکن پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ دونوں سخت حیران تھے۔

”ضرور کوئی خاص بات ہو گئی ہے“ — لغمانی نے پریشان لہجہ میں کہا۔  
”میکے خیال میں دروازہ توڑ دیا جائے“ — صفدر نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن اگر اکیٹو ناراض ہو گئے تو“ — لغمانی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

”تو پھر کیا کیا جائے“ — صفدر بھی اب کشمکش میں پڑ گیا۔

”دیکھا جائے گا جو ہوگا۔ تم دروازہ توڑ دو“ — لغمانی نے کشمکش سے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

اور پھر صفدر نے پیچھے ہٹ کر شانے کی ایک زوردار جھک دروازے پر ماری اور دروازہ پہلے ہی دھکے سے چڑھ چلا کر ٹوٹ گیا۔ صفدر اور لغمانی دونوں تیزی سے اندر داخل ہو گئے اور پھر حیرت سے ان کی آنکھیں مچھٹی کی مچھٹی رہ گئیں۔ یہ بات تو ان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ عمران اور اکیٹو بھی بیہوش ہو سکتے ہیں۔ سامنے میٹر پر بیگ کھلا پڑا تھا اور عمران اور اکیٹو دونوں فرش پر پڑے ہوئے تھے۔

ایک ایک انہیں احساس ہوا کہ ان کے سر بھی پکڑنے لگے ہیں۔  
”گیس۔ بیہوش کر دینے والی گیس“ — صفدر چونک اٹھا۔  
لیکن گیس کا اثر نہایت خفیف تھا کیونکہ دروازہ کھلنے کی وجہ سے گیس باہر نکل گئی تھی۔

اسی لمحے انہیں دُور سے کسی کے پیڑھیاں اترنے کی آواز سنائی دی۔  
”لغمانی! — دیکھو کون آ رہا ہے — فیروز آ رہا ہے تو اسے کہو کہ فوراً کسی ڈاکٹر

کو بلاوے“ — صفدر نے لغمانی سے کہا اور لغمانی ہوا کی طرح کمرے سے باہر نکل گیا۔ بسیکن چند لمحے بعد وہ گولی کی طرح واپس آیا۔

”غضب ہو گیا صفدر! — کرنل فیریڈی مرا نہیں — وہ اور حمید یہاں آ رہے ہیں“ — لغمانی نے سخت پریشانی کے عالم میں کہا۔

صفدر نے یہ سنتے ہی تیزی سے آگے بڑھ کر بیگ بند کیا۔  
”تم عمران کو اٹھاؤ — اور میں اکیٹو کو — ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا چاہیے“ — صفدر نے تیزی سے کہا۔

لغمانی نے لپک کر عمران کو کا ندھے پر اٹھایا اور پھر جھپٹ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ پھر صفدر اپنے پراسرار لباس کو کا ندھے پر اٹھاتے کمرے سے باہر آ گیا لیکن وہ بیگ اٹھانا نہیں سمجھتا تھا۔

وہ دونوں تیزی سے دوڑتے ہوئے آخری کمرے کی طرف چلے گئے۔ اس سے آگے راستہ بند تھا۔ دروازہ کھول کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئے، اسی لمحے گیسری میں کرنل فیریڈی، حمید اور راجو داخل ہوئے۔

اب لغمانی اور صفدر مچھنس چکے تھے۔ صفدر نے تیزی سے عمران کو ہوش میں لانا چاہا مگر عمران ہوش میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ ان دونوں کی کوشش عمران کو ہی ہوش میں لانے کی تھی۔ اکیٹو کو وہ ہاتھ لگاتے ہوئے بھی ڈر رہے تھے۔

بُری طرح پھنسنے میں صفدر! — اب نکلنے کا کوئی راستہ نہیں“ — لغمانی نے بے بس ہو کر کہا۔

”تم ایسا کر دکھو تم بھی بیہوش ہو کر ان کے ساتھ ہی لیٹ جاؤ — میں بیگ لے کر دروازے کے پیچھے چھپ جاتا ہوں — بغیر لڑے ہم جی ان کے ہاتھ نہیں





راہوشانہ واپس چلا گیا تھا۔

حمید تجسّس نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر اسے کونے میں رکھا ہوا بیگ نظر آگیا۔ اس نے پھرتی سے آگے بڑھ کر وہ بیگ اٹھالیا۔ کرنل فریدی کی ساری توجہ صفدر کی طرف تھی جو ہاتھ اٹھائے خاموشی سے کھڑا تھا۔

نعمانی بالکل دروازے کے سامنے اور حمید کے قریب پڑا تھا۔

دوسرے لمحے اچانک بجلی سی کوندی — یہ نعمانی تھا جو اچانک اچھلا اور حمید کے ہاتھ سے بیگ لیتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ ایسا محسوس ہوا تھا کہ جیسے یہ نعمانی نہیں بلکہ کوئی چھلاوہ ہو۔

کرنل فریدی غیر شعوری طور پر مڑا اور غارتہ کر دیا۔ مگر دوسرے لمحے صفدر نے ایک زوردار مکہ فریدی کی گردن پر مار دیا۔

حمید تیزی سے مڑا اور باہر نکلا — مگر نعمانی اس وقت تک گیلی پائر کر چکا تھا۔

فریدی ایک مکہ تو سہہا، مگر دوسرے ہی لمحے تڑپ کر صفدر کی گردن پر بوڑو کا بھرپور وار کیا۔ اور صفدر کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر لڑھک گیا اس کے لئے ایک ہی ہاتھ کافی تھا۔ وار اتنا بھرپور پڑا تھا کہ صفدر سنبھل ہی نہ سکا۔ صفدر کے لڑھکتے ہی فریدی تیزی سے باہر نکلا۔ اور پھر وہ گیلی پائر میں بھاگتا چلا گیا۔

جلد ہی کرنل فریدی سیڑھیوں پر چلتا ہوا سٹور روم سے ہوتا ہوا باہر نکل آیا۔ لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔

اسی لمحے اسے باہر گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں اور پھر جب وہ ہڈل

کے بال میں پہنچا تو اس نے ہڈل کے مین گیٹ سے تھوڑی دور نعمانی کو رٹک پر خون میں لت پت پڑے دیکھا۔

بیگ حمید نے اٹھا رکھا تھا۔



کیپٹن شکیل اس وقت سے اکیسٹو کی کال کا انتظار کر رہا تھا جب سے اکیسٹو وہاں سے گیا تھا۔ لیکن ابھی تک اسے کال نہیں کیا گیا تھا۔ اب وہ مزید اس مکان میں رکتا نہیں چاہتا تھا۔ اکیسٹو کو وہ تمام تفصیل بتلا چکا تھا۔ کیونکہ اسے روزی کے متعلق اچھی طرح علم ہو چکا تھا۔

روزی اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ لیکن کیپٹن شکیل پتھرول واقع ہوا تھا۔ اسے نہ کبھی عزتوں سے کوئی غرض رہی تھی اور نہ ہی وہ محبت وغیرہ کا قائل تھا۔ مگر یہاں سچویشن ہی دوسری تھی۔ وہ بر ملا روزی کے سامنے اس کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ روزی کا مکان اسے ایک محفوظ اڈہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے روزی کو اسی غلط فہمی میں رکھا کہ وہ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔

روزی نے اسے میک اپ کا سامان بازار سے لایا تھا۔ کیپٹن شکیل نے میک اپ کیا اور پھر وہ باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا تاکہ عمران وغیرہ کا پتہ چلا سکے

روزی نے کیپٹن شکیل سے جلد واپس آنے کے لئے کہا۔ اور وہ روزی سے جلد لوٹ آنے کا وعدہ کر کے مکان سے باہر نکل آیا۔

سڑک پر پہنچ کر کیپٹن شکیل سوچ رہا تھا کہ اب کہاں جائے۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور وہ اپنی یادداشت کا ماتم کرنے لگا۔ عمران کے ساتھ رہتے ہوئے اسے معلوم تھا کہ نعمانی ہوٹل لکی ویو میں ناگل دادا کے روپ میں رہ رہا ہے۔ اور وہاں ہوٹل کا مالک فیروز اسے ناگل دادا سمجھ کر اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ پہاڑی کے واقعہ کے بعد اسے یہ بات یاد ہی نہیں رہی تھی لیکن یہ کوئی ضروری بھی نہیں تھا کہ اب بھی نعمانی یا عمران وغیرہ وہاں مل جائیں لیکن وہاں سے معلوم تو کیا جاسکتا تھا۔

چنانچہ اس نے ایک خالی ٹیکسی روکی اور پھر ڈرائیور کو لکی ویو ہوٹل کا کہہ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

جلد ہی ٹیکسی لکی ویو ہوٹل کے قریب پارکنگ ٹیڈ پر جا کر رک گئی۔ ڈرائیور نے اشارے سے اسے ہوٹل کے متعلق بتلایا۔ اس نے کرایہ ادا کیا اور پھر وہ لکی ویو کی طرف چل پڑا۔

ابھی وہ لکی ویو ہوٹل کے دروازے سے تھوڑی ہی دُور تھا کہ مٹھک کر رہ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ہوٹل کے دروازے سے نعمانی بے تماشہ بھاگتا ہوا باہر نکل رہا تھا۔ نعمانی ابھی تک ناگل دادا کے روپ میں تھا اور اس کے ایک ہاتھ میں بیگ پکڑا ہوا تھا۔

اور پھر دوسرے لمحے ہوٹل کے قریب کھڑے ہوئے ایک شخص نے جو ایک چھوٹا سا خوجہ لگائے کھڑا تھا۔ اچانک عجیب سے ریلووز نکال کر نعمانی پر فائر کر دیا اور نعمانی ایک چرخ مارتا ہوا وہیں سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دُور

جاگرا۔

دوسرے ہی لمحے ہوٹل کے دروازے سے کیپٹن حمید بھاگتا ہوا باہر نکلنا اور پھر اس نے جھپٹ کر بیگ اٹھالیا اور وہ دوبارہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس ہوٹل کے مین گیٹ کی طرف چل دیا۔ دوسرے لمحے اُسے کرنل مندریدی بھی وہاں نظر آیا۔

لوگ بوق در بوق وہاں ہوٹل کے سامنے جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اور کرنل مندریدی اور کیپٹن حمید دونوں بیگ لئے تیز تیز قدموں سے ہوٹل سے باہر نکلے اور گیٹ کے قریب کھڑی لنکن میں بیٹھے اور پھر لنکن تیز رفتاری سے سیدھی نکلتی چلی گئی۔

نعمانی ابھی تک سڑک پر پڑا تھا۔ اس کے جسم سے خون نکل کر سڑک پر پھیل رہا تھا۔

کرنل مندریدی اور کیپٹن حمید کے جلتے ہی کیپٹن شکیل تیزی سے آگے بڑھا اور پھر وہ جلد ہی نعمانی کے قریب پہنچ گیا۔ گولی نعمانی کے پہلو میں لگی ہوئی تھی۔ خون کافی مقدار میں نکل چکا تھا۔

کیپٹن شکیل نے جھک کر نعمانی کی نبض دیکھی۔ نبض حرکت کر رہی تھی۔ مارکیٹ قریب ہونے کے باوجود ابھی تک پولیس کا کوئی آدمی وہاں نہیں پہنچا تھا۔ نعمانی کے گرد اکٹھے ہوئے افراد عجیب و غریب رویا کرکس پاس کر رہے تھے کوئی کچھ کہہ رہا تھا کوئی کچھ۔

"جلدی کرو۔ ٹیکسی لاؤ۔ اسے ہسپتال لے جائیں۔" کیپٹن شکیل نے نبض دیکھنے کے بعد بڑے سچکناہے لہجے میں لوگوں سے کہا۔ اور لوگ ٹیکسی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔



جلدی کرو۔ ٹیکسی لاؤ۔ ایک آدمی کی جان جا رہی ہے۔ جلدی ٹیکسی لاؤ۔ کیپٹن شکیل نے جھنجھلا کر کہا۔

اور پھر دوسرے ہی لمحے ایک خالی ٹیکسی وہاں لائی گئی۔ لوگوں کی مدد سے کیپٹن شکیل نے نعمانی کو اٹھا کر ٹیکسی میں ڈالا اور پھر خود بھی ڈرائیور کے قریب بیٹھ گیا۔ "سنٹرل ہسپتال" کیپٹن شکیل نے ڈرائیور سے کہا اور ڈرائیور نے گھڑی اگے بڑھا دی۔

کیپٹن شکیل نے بیک مرمر میں تعاقب کا اندازہ لگایا اور پھر جلد ہی اسے یقین ہو گیا کہ ایک کار ان کی ٹیکسی کا تعاقب کر رہی ہے۔

پہلے تو کیپٹن شکیل کا خیال تھا کہ وہ تعاقب کرنے والوں کو ڈاج دے کر نعمانی کو روزی کے گھر لے جائے لیکن پھر اس نے سوچا کہ نعمانی کو گولی بڑی نازک جگہ پر لگی ہے اور کافی سے زیادہ خون بہہ گیا ہے۔ اگر فوری طور پر اس کے جسم سے گولی نہ نکالی گئی اور خون نہ دیا گیا تو نعمانی کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے اور یہ کام ہسپتال میں زیادہ جلدی اور زیادہ ماہرانہ طور پر ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔

جلدی ٹیکسی سنٹرل ہسپتال کی عظیم الشان عمارت میں پہنچ گئی۔ شعبہ حادثات کے ڈاکٹروں نے نعمانی کی حالت دیکھتے ہی اسے فوراً آپریشن روم میں بھیجنے کا آرڈر دے دیا۔ اور نعمانی کو سٹریچر پر ڈال کر آپریشن روم پہنچا دیا گیا۔

کیپٹن شکیل کو پولیس کو بیان دینے کے لئے روک لیا گیا لیکن کیپٹن شکیل ان کی آنکھ بچا کر ہسپتال سے باہر آنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ پولیس کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا چنانچہ ہسپتال سے وہ سیدھا روزی کے مکان پر گیا تاکہ وہاں سے میک اپ تبدیل کر کے وہ دوبارہ لکی ویلو پہنچے۔

آپ نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ میرے خیال میں تو موقع تھا کہ ان کو گولی مار دی جاتی۔ کیپٹن حمید نے کار چلاتے ہوئے کرنل فریدی سے کہا۔

گاڑی تیز چلاؤ۔ ہمیں جس چیز کی ضرورت تھی وہ ہمیں مل گئی ہے۔ اب سب جایش جہنم میں۔ اور پھر بیہوش آدمیوں کو گولی مارتے ہوئے تمہیں ظم نہیں آئے گی۔ فریدی نے کہا۔

آئے گی۔ ضرور آئے گی۔ کیوں نہیں آئے گی۔ بالکل آئے گی۔ نطقی آئے گی۔ حمید نے آئے گی کی گردان شروع کر دی۔

کون آئے گی۔؟ فریدی نے اس کی گردان پر حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

آنے والی آئے گی۔ حمید نے لہک کر کاتے ہوئے کہا۔ آئے گی تو ضرور۔ مگر بچوں سمیت آئے گی۔ فریدی بھی اس کی آئے گی کی گردان کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

بہت تیرے کی۔ سارا تصور برباد کر دیا۔ حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

اور فریدی نے بیاختہ ایک تہقہ لگا دیا۔  
اور پھر گاڑی کو مٹی کے پھاٹک میں سرگئی۔

میسری گاڑی کا انجن بند نہ کرنا بلکہ تیار رہو۔ میں ابھی آتا ہوں۔  
کرنل فریدی گاڑی سے اترا اور پھر تقریباً بھاگتا ہوا کو مٹی کے اندر چلا گیا۔  
اس کے حکم کی وجہ نہیں سمجھ سکا تھا۔

کرنل فریدی سیدھا اپنی لیبارٹری میں پہنچا۔ اس نے تیزی سے ایک  
خفیہ الماری کھولی۔ اس کے ایک خانے میں بالکل ایسا ہی ایک بیگ پڑا تھا جیسا  
وہ عمران وغیرہ سے چھین کر لایا تھا۔ اس نے بیگ میں لگی ہوئی چابی سے  
وہ بیگ کھولا۔ اور پھر عمران والا بیگ کھول کر اس میں سے کاغذات  
نکالے اور اپنے بیگ میں رکھ کر بیگ دوبارہ الماری میں رکھا اور الماری بند کر  
دی۔ پھر اس نے میز کی دراز سے چند دیگر کاغذات نکالے اور پھر انہیں عمران کے  
والے بیگ میں رکھ کر بیگ بند کر دیا۔ اور اسے لے کر وہ تقریباً بھاگتا ہوا دوبارہ

کار کی طرف آیا۔ اس نے جھپٹ کر کار کا دروازہ کھولا اور پھر کار کے اندر بیٹھے  
ہوئے کہا۔

حمید! جتنی تیز گاڑی چلا سکتے ہو چلا تے ہوئے واپس لکی ویلہ ہوٹل چلو۔  
فریدی نے حمید سے کہا۔

اور حمید نے بغیر کوئی سوال کئے گتیر بدل کر ایکسیلیٹ دیا دیا۔ لیکن کمان سے  
نکلے ہوئے تیر کی طرح کو مٹی سے باہر نکلی اور پھر سڑک اس کے ٹائرنوں کے  
نیچے تیزی سے سمٹنے لگی۔

جلدی وہ دوبارہ لکی ویلہ پہنچ گئے۔ حمید نے ایک سائیڈ میں کار روکی  
فریدی بیگ ہاتھ میں لئے نیچے اتر آیا۔ اسی وقت سامنے سے ایکسپریٹ جلدیش

اسے آتا نظر آیا۔ وہ ہوٹل سے باہر آ رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی کرنل فریدی کو  
دیکھا اس کی طرف مڑ گیا۔

”ہیلو جگدیش! کیا کر رہے ہو؟“ — کرنل فریدی نے مڑتے  
ہوئے پوچھا۔

”سرا! وہ آدمی جسے گولی لگی تھی۔“ — جگدیش نے کچھ کہنا چاہا۔  
”اوہ ہاں! — وہ کہاں ہے؟“ — فریدی نے ادھر ادھر نظریں  
ڈالتے ہوئے کہا۔

”اسے لوگ اٹھا کر ہسپتال لے گئے ہیں۔ میں جب پہنچا ہوں تو اسے  
لے جایا جا چکا تھا۔“ — اندر بھی تہہ خانوں میں تین آدمی بے ہوش پڑے  
ہوئے ہیں۔ اور اوپر ہوٹل کے مالک فیروز کی لاش پڑی ہے۔“ جگدیش

”ہاں! — میں جانتا ہوں۔ تم ایسا کرو۔ یہ بیگ لو اور اسے اپنی  
ان بیہوش افراد کو ہوش میں لے آؤ۔ اس وقت بھی

یہ بیگ تمہارے پاس ہو۔ ویسے خاص رکھنا۔ وہ لوگ یہ بیگ تم سے  
تم انہیں باتوں باتوں میں مبتلا دینا

کرنل فریدی اور حمید کو بھی ہوٹل کے باہر کسی نامعلوم آدمی نے فائرنگ  
کے زخمی کر دیا ہے اور وہ دونوں اس وقت ہسپتال میں ہیں۔ اور ہاں!  
میں تم کو دیکھو کہ اس بیگ کے لئے تمہاری جان خطرے میں ہے تو

بیگ کے لئے اپنی جان مت گنونا۔ بیگ ان کے پاس جانے دینا۔  
فریدی نے اسے تفصیلی حکم دیتے ہوئے کہا۔  
”میں سمجھا نہیں کہ یہ کیا چکر ہے۔“ — جگدیش نے الجھن آمیز لہجے

میں جواب دیا۔

”تم نہ سمجھو تو زیادہ بہتر ہے“ — فریدی نے مکر لے ہوئے کہا اور پھر رطکہ والپس کار کی طرف چل دیا۔  
انسپیٹر ملکیش بیگ ہاتھ میں لے خاموشی سے والپس ہوٹل کے مین گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔



”بلیک زیرو دہوش میں آؤ — تمہاری پوزیشن اس وقت سب سے زیادہ خطرناک ہے — وہی ایٹھ جسے نمبر ناقابل تسخیر سمجھتے تھے اس وقت بے ہوش رہا تھا — اور پھر نہ جانے ہماری بیہوشی کے دوران کیا کیا واقعات پیش آئے ہیں —؟ دروازہ کھلا ہوا ہے — بیگ غائب ہے — ہم جس رے میں بیہوش ہوئے تھے یہ وہ کمرہ بھی نہیں ہے — اور پھر صفدر بھی ہال بیہوش پڑا ہوا ہے — کوئی چکر چل چکا ہے“ — عمران نے بیکنے پڑے سمجھوتے ہوئے کہا۔

اب میں کیا کروں؟ — بلیک زیرو نے پریشان سے لہجے میں کہا۔  
”تم کسی طرح یہاں سے نکل جاؤ — میرے ساتھ بعد میں رابطہ قائم کرنا۔“  
الحال ہمارے پاس ٹرانسمیٹر نہیں ہیں اس لئے نولے ملت“ میں اطلاع کے دوران نے کوڈ اشتہار دے دینا — میں تمہارے پاس پہنچ جاؤنگا۔ عمران نے کہا۔

ہاں! — یہ ٹھیک ہے“ — بلیک زیرو نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔  
”اچھا — اب میں صفدر کو ہوش میں لاتا ہوں — تم اس ہوٹل سے بھاگنے کی کوشش کرو“ — عمران نے بلیک زیرو سے کہا۔ اور بلیک زیرو اٹھ کر رے سے باہر نکل گیا۔

بلیک زیرو کے باہر نکلنے ہی عمران نے صفدر کو ہوش میں لانے کی کوششیں شروع کر دیں کیونکہ اس سے وہ گزرے ہوئے حالات کا پتہ چلا سکتا تھا۔ جلد ہی اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا۔ صفدر نے آنکھیں کھولیں۔ ایک لمحے تک غالی غالی نظروں سے عمران کو دیکھتا رہا۔ پھر یکدم ہٹ پڑا کہ اٹھ بیٹھا۔  
”عمران صاحب کیا ہوا؟“ — اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

عمران نے کسماکس آنکھیں کھولیں اور پھر ایک جھٹکے سے وہ اٹھ بیٹھا۔  
پھر اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی کی وجہ سے پھیل گئیں۔ اس کے قریب ہی صفدر اور بلیک زیرو بھی بیہوش پڑے تھے۔ اور دروازہ کھلا ہوا تھا۔  
عمران کو سب کچھ یاد آگیا۔ اس نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔ یہ تو وہ کمرہ نہیں تھا جہاں وہ اور بلیک زیرو بیہوش ہوئے تھے۔ پھر دروازہ تو اندر سے بند تھا اور اب دروازہ کھلا ہوا ہے — بیگ بھی غائب تھا اور صفدر بھی ان کے ساتھ ہی بیہوش پڑا تھا۔

عمران نے تیزی سے بلیک زیرو کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ گیس کا اثر کافی حد تک ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے بلیک زیرو بھی جلد ہی ہوش میں آگیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔



”کچھ بھی نہیں ہوا۔ ٹائیں ٹائیں فش“ — عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور عمران کی بے موقع مسکراہٹ صفر کو پوری طرح ہوش میں لے آئی۔ اور وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”عمران صاحب! — ایکٹو صاحب کہاں ہیں؟“ — صفر نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”چلے گئے“ — عمران نے مختصر سا جواب دیا۔

”چلے گئے۔ کہاں چلے گئے؟“ — صفر حیران رہ گیا۔

”جہاں سے آیا تھا وہیں چلا گیا۔ تم اس بات کو چھوڑو اور تم مجھے مختصر طور پر تمام حالات بتلاؤ۔“ — عمران نے کہا۔

اور پھر صفر نے تمام حالات مختصر طور پر بتلا دیئے۔

”اوہ! — تو اس کا مطلب ہے کہ نعمانی بیگ لے کر نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔“ — عمران نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اس کے بعد کے حالات سے میں قطعی لاعلم ہوں۔“ — صفر نے جواب دیا۔

”صفر ایک بات پوچھوں! — ہم بیہوش تو کسی اور کمرے میں ہوئے تھے لیکن ہوش اس کمرے میں آیا ہے۔ میں اس کی وجہ نہیں سمجھ سکتا۔“ — عمران نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”نعمانی اور میں آپ کو اور ایکٹو صاحب کو اٹھا کر یہاں لے آئے تھے۔“

صفر نے جواب دیا۔

”مگر کس خوشی میں؟“ — عمران نے پوچھا۔

”در اصل بات یہ تھی کہ جب ہم دروازہ توڑ کر آپ کے کمرے میں داخل ہوئے یس کا اثر ہم پر بھی ہونے لگا۔ اسی لمحے کرنل مندریدی ریڑھیاں اٹھا کر باہر نکلے۔ میں نے سوچا کہ اگر ہم یہیں رہے تو ان کے یہاں پہنچنے پر ہم دونوں بھی بیہوش ہو جائیں گے۔ اور پھر کمرہ تھا بھی نزدیک لائے میں اور نعمانی آپ دونوں اور بیگ کو اٹھا کر اس آخری کونے والے کمرے میں لے آئے۔“ — صفر نے وجوہات بتلائی۔

”ہونہہ“ — عمران نے سر ہلایا۔

”اچھا چلو اب باہر نکلیں۔“ — اور دیکھیں کہ حالات کیا ہوتے ہیں؟ — مندریدی یوں ہمیں چھوڑ کر تو نہیں جاسکتا۔ ضرور باہر کوئی خاص پیش آیا ہوگا۔“ — عمران نے کہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

صفر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے سے باہر نکلے۔

گروڈو کے لمحے دونوں ہی ٹھٹھک کر رہ گئے۔ کیونکہ سامنے ایک پولیس تین سپاہیوں سمیت کھڑا تھا اور انسپکٹر کے ہاتھ میں وہی بیگ تھا۔ لے لے یہ تمام پکڑ چل رہا ہے۔

”دونوں ہوش میں آگئے۔“ — پولیس انسپکٹر نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

”نعمانی ہو گئی ہے جناب! — معاف کر دو۔ ہم ابھی دوبارہ بیہوش ہو چکے۔“ — عمران نے گنگھاتے ہوئے کہا اور صفر مسکرا دیا۔

”آپ — تم اپنے آپ کو حراست میں سمجھو۔“ — انسپکٹر چڑ گیا۔

”مگر کیا بندہ پرورد! — اور حکم فرمائیے۔“ — عمران نے باقاعدہ آداب

انپکٹر صاحب! — ہم جب ہوش میں آئے ہیں تو ہمارا تیسرا ساتھی غائب  
 ہوتا۔ ہم تو خود آپ سے پوچھنے والے تھے کہ آپ نے اس کے ساتھ کیا سلوک  
 کیا ہے؟ — عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔  
 انپکٹر ایک لمحے کے لئے خاموش رہا۔ پھر وہ سپاہیوں سے مخاطب ہو کر  
 چونک پڑا۔

”تیسرا ساتھی! — صاحب کچھ تو رحم کریں — ہم دو تو مل کر چڑیا کا مارا ہوا۔  
 بچہ بھی پیدا نہیں کر سکتے — ساتھی کہاں سے لے آئیں؟ — عمران نے جواب دیا۔  
 ”تم باہر چلو۔ — کانٹیل اگر یہ کوئی حرکت کریں تو بے شک انہیں گولی  
 مار دینا۔ — میں ابھی آ رہا ہوں۔“ انپکٹر نے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے فرار کر کے لے آؤ۔  
 انپکٹر غصے سے دھاڑا۔ اور سپاہی کان دہلے  
 کہا اور سپاہیوں نے رائفلیں تان لیں۔  
 سپاہی عمران اور صفدر کو لئے اوپر پہنچے اور پھر ان دونوں کو ہٹل کے  
 بال میں بٹھا دیا گیا۔

عمران اور صفدر سوچ رہے تھے کہ بیگ تو انپکٹر کے پاس ہے۔ لے بیچھے کھڑے تھے۔  
 پھر لغمانی — کرنل فریدی — اور کیپٹن حمید کا کیا بنا — کچھ معاملہ سمجھ  
 نہیں آ رہا تھا۔  
 ”صفدر! — یہ بیگ ہر صورت میں انپکٹر سے حاصل کرنا ہے۔“ عمران نے فریدی اور کیپٹن  
 نے صفدر کے کان میں کہا۔

اور صفدر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔  
 پھر انپکٹر بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ بیگ  
 تک اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔  
 ”تمہارا تیسرا ساتھی غائب ہے — سچ بتلاؤ وہ کہاں گیا ہے؟ —  
 انپکٹر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

ہے اور پھر میں اندر آیا تو پتہ چلا کہ ہوٹل کا مالک فیروزہ اوپر اپنے کمرے میں  
مردہ پڑا ہے اور تم تینوں آدمی نیچے تہہ خانوں میں بے ہوش پڑے ہو۔ اب  
تم میں سے بھی تیسرا آدمی غائب ہے۔“ انسپکٹر نے مختصر طور پر تمام  
حالات بتلا دیئے۔

”شکریہ انسپکٹر“ — عمران نے مودبانہ لہجے میں انسپکٹر کا شکریہ ادا  
کیا کہ اس نے تمام حالات سے آگاہ کر دیا تھا۔

”دراصل بات یہ تھی انسپکٹر کہ ہم یہ بیگ کرنل فریدی کے حوالے کرنا  
چاہتے تھے لیکن کرنل فریدی کے ہمارے پاس پہنچنے سے پہلے کسی نے پراسرار  
گیس کمرے میں داخل کر کے ہمیں بیہوش کر دیا۔ اب ہمیں ہوش آیا  
ہے تو تم نے یہ حالات بتائے ہیں“ — عمران نے انسپکٹر کو ایک اور  
کہانی سنائی۔

”ٹھیک ہے۔ آپ سچ کہہ رہے ہوں گے۔ لیکن حالات بڑے  
پراسرار ہیں۔ کرنل فریدی جب تک ہوش میں آکر کوئی بیان نہیں دیتے  
تم دونوں کو حوالات میں رہنا پڑے گا“ — انسپکٹر نے فیصلہ کن لہجے میں  
جواب دیا۔

دونوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دونوں سوچ رہے تھے کہ کرنل فریدی  
اور لغمانی پرفارمنگ کرنے والا کون ہو سکتا ہے جب کہ فائرنگ کرنے والا  
بیگ بھی نہیں لے گیا تو اس نے کس بنا پر ان لوگوں پر فائرنگ کی۔  
”میںیں ملا جناب! پورا ہوٹل چھان مارا ہے“ — ایسکو کو تلاش  
کرنے والے سپاہی واپس آ گئے۔

عمران نے اطمینان کا ایک طویل سانس لیا کہ بلیک زیرو ہوٹل سے باہر

نکل جانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔  
”اچھا۔“ — ان دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو اور انہیں لے جا کر  
وین میں بٹھا دو“ — انسپکٹر نے عمران اور صفدر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے  
سپاہیوں کو حکم دیا۔

”م۔ م۔ م۔“ — مگر انسپکٹر صاحب! — ہم تو شریف آدمی ہیں۔ میرا  
مطلب ہے ہتھکڑیاں۔“ — عمران نے خوفزدہ ہونے کی بہترین ایکننگ  
کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا“ — انسپکٹر نے درشت  
لہجے میں کہا۔ اور پھر دو سپاہی ہتھکڑیاں لے کر عمران اور صفدر کی طرف  
بڑھ آئے۔

عمران نے صفدر کی طرف دیکھا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔  
صفدر بھی تیار ہو گیا تھا۔ وہ عمران کا اشارہ سمجھ گیا تھا کہ اب انہیں بیگ  
لے کر یہاں سے فرار ہونا ہے۔

سپاہیوں کے قریب آتے ہی عمران نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے تاکہ اس  
کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالی جاسکے۔ سامنے انسپکٹر ہاتھ میں بیگ پکڑے  
خاشی سے کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔

جیسے ہی سپاہی عمران کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالنے لگا، عمران اچانک اپنی  
جگہ سے بجلی کی طرح اچھلا اور پھر دو کمرے انسپکٹر کو پکڑ کر اپنے ساتھ گھماتا  
ہوا اس کی پشت پر آ گیا۔ عمران کا ایک ہاتھ اس کی گردن کے گرد حائل ہو گیا اور  
انسپکٹر کو اس نے بری طرح جکڑ لیا تھا۔ ان کے پیچھے کھڑے سپاہیوں کو رافضی  
چلانے کی مہلت بھی نہیں ملی۔ اور یہ سب کچھ ہو گیا۔ اور اب وہ ایسا کر بھی نہیں



سکتے تھے کیونکہ ان کے سامنے انپکٹر تھا۔

ادھر صفدر بھی خاموش نہیں کھڑا رہا۔ اس نے انتہائی تیزی سے انپکٹر کے ہاتھ سے بیگ جھپٹ لیا اور خود عمران کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اب عمران اور صفدر دونوں انپکٹر کی آڑ میں تھے۔

انپکٹر! — اپنے سپاہیوں سے کہو کہ رائفلیں پھینک دیں — ورنہ میں تمہاری گردن توڑ دوں گا — عمران نے غرات سے ہوتے کہا۔ اس نے ساتھ ہی بازو کو ایک زوردار جھٹکا دیا۔

”رائفلیں پھینک دو“ — انپکٹر نے گھٹے گھٹے لہجے میں سپاہیوں کو حکم دیا اور سپاہیوں نے اور کوئی چارہ کار نہ دیکھتے ہوئے رائفلیں پھینک دیں۔

”صفدر! — تم انپکٹر کے ہولسٹر سے ریولور نکال لو — اور بیگ لے کر جاؤ“ — عمران نے صفدر سے کہا۔

صفدر نے آگے بڑھ کر انپکٹر کی جیب سے ریولور نکال لیا اور پھر بیگ لے کر وہ تقریباً بھاگتا ہوا ہوٹل سے باہر آ گیا۔

عمران بھی انپکٹر کی اسی طرح ساتھ لے ہوٹل کے مین گیٹ کی طرف بڑھا اور دوسرے لمحے اس نے انپکٹر کو زوردار دھکا دیا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ انپکٹر اور سپاہی سنبھلتے، عمران گولی کی طرح بھاگتے ہوئے ہوٹل کے ساتھ والی ایک گلی میں غائب ہو گیا۔ سپاہی اس کے پیچھے پکھنے لگے لیکن انپکٹر نے انہیں روک دیا۔

”جانے دو انہی، — ہمارا مقصد پورا ہو گیا ہے — اب تم سب واپسی چلو“ — انپکٹر نے سپاہیوں سے کہا اور سپاہی حیرت سے منہ پھاڑے

انپکٹر کو دیکھتے گئے کہ وہ چوروں کو گرفتار کرنے کی بجائے انہیں بھاگنے کا

موقع مہیا کر رہا ہے۔ لیکن وہ ان گہری چالوں کو کیا سمجھتے۔ انپکٹر غریب کو تو خود بھی پتہ نہیں تھا کہ اصل پکڑ کیا ہے۔ وہ کرنل فریدی کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔



”یہاں آپ نے کیا چکر چلا دیا ہے —؟ اپنی سمجھ سے تو باہر ہے۔“  
حمید نے کھوٹی واپس پھینچتے ہی پہلا سوال داغ دیا۔

”تم دیکھتے جاؤ حمید! — میں نے عمران کو ایسا پکڑ دیا ہے کہ وہ تمام عمر یاد رکھے گا۔“ فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا یہ غریب بھی عمران کی طرح پکڑ میں رہے گا — یا اسے بھی کچھ پتہ چلے گا۔“  
حمید نے بڑے ہی عاجزانہ لہجے میں کہا۔

”تم باز نہیں آؤ گے حمید! — تمہیں ہزار بار کہا ہے کہ حالات کو خود سمجھنے کی کوشش کیا کرو — اب میں تمہیں بیٹھا ریولور دیتا رہوں کہ اب یہ ہوا ہے۔“

اب وہ ہوا ہے — کرنل فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

حمید خاموش ہو گیا۔ ڈانٹ سن کر وہ اور کہتا جی کیا —؟ جی جلائے سے

کیا ناندہ؟  
”ناراض ہو گئے — اچھا سنو! دراصل پکڑ یہ ہے کہ میں نے بہت پہلے

دو قسم کے بیگ تیار کرواتے تھے — مجھے علم تھا کہ عمران اور اس کے ساتھی فارمولا اڑانے کی کوشش کریں گے۔ حفظ ماقدم کے طور پر میں نے یہ بیگ ایک ہی جیسے تیار کروائے۔ ان میں سے ایک بیگ میں میں نے ایک خاص قسم کی زود اثر اور بے رنگ گیس تالوں کے اندر بھر دیا تاکہ جب بھی کوئی انہیں غلط طریقے سے کھولنے کی کوشش کرے۔ یہ گیس انہیں بے ہوش کر دے — اس کے ساتھ ہی بیگ کے اندر ٹیڑھے میگناٹر انسیمیٹر بھی فٹ تھا جس کا سہ ٹم بھی بیگ کھولنے کے عمل سے متعلق تھا۔ جب بھی کوئی شخص بیگ کھولتا۔ یہ ٹرانسمیٹر اشارے دینا شروع کر دیتا تھا۔ اور میری بلیک فورس کے ہیڈ کوارٹر میں ان اشاروں کو رسیو کرنے والی مشین موجود ہے۔ متہیں یاد ہے میں نے کہا تھا کہ تپ کا پتہ ابھی میں سے رابطہ میں ہے۔ وہ یہی تھا۔ یہ بیگ میں نے خفیہ طور پر پروفیسر ڈاک رینالڈ کو پہنچا دیا۔ اور اسے ہدایت کی کہ وہ فارمولا مکمل کرنے کے بعد کاغذات اس بیگ میں رکھے۔ اور یہ بیگ مجھے پہنچا دے۔ عمران اور اس کے ساتھی یہ بیگ اڑا لینے میں کامیاب ہو گئے پھر جیسے ہی انہوں نے یہ بیگ کھولا — وہ بہوش ہو گئے — اور ادرہ مشین کے ذریعے مجھے پتہ چل گیا کہ بیگ کہاں ہے۔ کیونکہ مشین کے اشاروں سے سمت اور محل وقوع کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ چنانچہ مشین کی نشاندہی پر میں ہوٹل لکی ویلو پہنچا اور وہاں سے بیگ حاصل کر لیا — لیکن اب تم جانتے ہو کہ اگر میں بیگ لے کر آجاتا تو یقیناً عمران اور اس کے ساتھی اس بیگ کو حاصل کرنے کے لئے سرورھ کی بازی لگا دیتے — چنانچہ میں نے پیش بینی کے لئے خود ہی جعلی قسم کے کاغذات تیار کر کے رکھ لئے۔ بیگ لے کر میں اور تم کوٹھی پہنچے — میں نے یہاں آکر اصلی کاغذات نکال کر دوسرے بیگ میں

رکھے اور جعلی کاغذات اس بیگ میں رکھ کر واپس بیگ ہوٹل لکی ویلو پہنچا دیا۔ اب عمران وغیرہ کے ہوش میں آنے کے بعد انسپیٹر جگدیش انہیں بتلا دے گا کہ کرنل فریدی اور حمید کو کسی نے زخمی کر دیا ہے — اب عمران انسپیٹر کے ہاتھ سے بیگ اڑانے کی کوشش کرے گا اور انسپیٹر زیادہ رکاوٹ نہیں ڈالے گا اور انہیں بیگ لے جانے دیگا — عمران اور اس کے ساتھی سمجھیں گے کہ وہ اصل بیگ لے گئے ہیں اور پھر جب انہیں پتہ چلے گا کہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید زخمی ہیں تو وہ اس دوران بیگ لے کر ملک سے نکل جانے کی کوشش کریں گے اور پھر میسر آدمی اس سلسلے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں پیدا کریں گے۔ نتیجتاً عمران اور اس کے ساتھی جعلی کاغذات لیکر اپنے ملک چلے جائیں گے۔ اور پھر جب وہاں پہنچ کر انہیں پتہ چلے گا کہ کاغذات جعلی ہیں تو پھر عمران کی حالت قابل رحم ہوگی — کرنل فریدی نے تفصیل سے حمید کو بتلایا۔

پلان تو بڑا اچھا ہے — مگر اس میں چند باتیں قابل وضاحت ہیں۔ حمید نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ویسے وہ کرنل فریدی کے اس پلان سے بہت متاثر ہوا تھا۔  
"وہ کیا؟" فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے وہی بیگ انہیں کیوں واپس کیا؟ دوسرا بیگ جو آپ کے پاس پڑا تھا وہی واپس کر دیتے" حمید نے کہا۔  
"یہ کوئی بات نہیں — میں نہیں چاہتا تھا کہ عمران کو کسی قسم کا شک پڑے — وہ بیگ پہاڑی وغیرہ سے گر کر ان کے ہاتھوں میں رہ کر خاصا میلا ہو چکا تھا — دوسرا بیگ بالکل نیا ہے۔ بیگ تبدیل ہوتے ہی عمران

کو احساس ہو جاتا کہ یہ بیک دوسرا ہے — چنانچہ سارا پلان ہی ختم ہو جاتا۔  
فریدی نے وضاحت کی۔

"چلو یہ تو ٹھیک ہے — دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے وہ کاغذات  
اپنے پاس کیوں رکھے ہوئے ہیں —؟ انہیں حکومت کے حوالے کر دیں۔"  
حمید نے کہا۔

"اب بچوں والے سوالات مرت کرو — کاغذات اگر میں حکومت کے حوالے  
کر دوں۔ ہو سکتا ہے کہ عمران کو احساس ہو جائے کہ اس سے دھوکہ ہوا ہے  
تو وہ وہاں سے کاغذات لے اڑے گا — کاغذات میرے پاس ہوں  
گے تو وہ مجھ سے ہی حاصل کرے گا اور یہ ناممکن ہے — جب وہ اپنے  
ملک واپس پہنچ جائے گا تو میں یہ کاغذات گورنمنٹ کے حوالے کر دوں گا۔"  
کرنل فریدی نے جواب دیا۔

حمید خاموش ہو گیا۔  
اسی لمحے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ کرنل فریدی نے رسیور اٹھا لیا۔  
"ہارڈ اسٹون" — فریدی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"نمبر لیون سر" — دوسری طرف سے نمبر لیون کی آواز سنائی دی۔  
"رپورٹ" — فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"سر! — عمران اور اس کا ساتھی انسپکٹر کے ہاتھ سے بیک چھین کر  
فرار ہو چکے ہیں" — نمبر لیون نے رپورٹ دی۔

"گڈ! — ویسے تم نے ان کو نظروں میں رکھا ہے" — کرنل فریدی  
نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

"میرے آدمی ان کا تعاقب کر رہے ہیں" — نمبر لیون نے جواب دیا۔

"گڈ! — ایسا کرو کہ صبح کی اخبار میں یہ خبر شائع کرادو کہ کرنل فریدی  
اور کپٹن حمید کو کسی نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے شدید زخمی کر دیا ہے۔"  
فریدی نے کہا۔

"اوہ کے سر — میں ابھی اس کا انتظام کرائے دیتا ہوں" — نمبر لیون  
نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے — عمران اور اس کے ساتھیوں کو نظر میں رکھو — مگر اس  
کے کسی کام میں رکاوٹ مٹ ڈالو — اور مجھے وقتاً فوقتاً ان کی رپورٹ  
دیتے رہو — مگر اب تمہیں رپورٹ صرف ٹرانسٹریپر ہی دینی ہو گی۔ آج سے  
میں کوٹھی چھوڑ کر نمبر اسٹاڈے پر رہائش پذیر ہوں گا" — فریدی نے تفصیلی  
احکام دیتے ہوئے کہا۔

"اوہ کے سر!" — نمبر لیون نے جواب دیا۔

اور فریدی نے رسیور کر ٹیل پر رکھ دیا۔

"چلو حمید! — تمہارا میک آپ کر دوں" — فریدی نے کہا اور  
نمبر خاموشی سے اٹھ کر فریدی کے پیچھے اندر چل دیا۔



صفدو دور گلی کے ایک کونے میں چھپا ہوا عمران کا انتظار کر رہا تھا۔



عمران تیزی سے بھاگتا ہوا اس گلی میں داخل ہوا۔ پھر وہ جیسے ہی  
صفدر کے قریب پہنچا۔ صفدر آڑ میں سے باہر نکل آیا۔  
"عمران صاحب" — صفدر نے عمران کو آواز دی۔ اور عمران جو کچھ آگے  
بڑھ گیا تھا۔ رک گیا۔

"ہم اکٹھے چلیں۔ یا — علیحدہ علیحدہ" — صفدر نے پوچھا۔  
"یہ بیگ مجھے دو اور تم یہیں چھپ جاؤ" — میں بڑی سڑک پر بٹہ ہارا  
انتظار کروں گا — تم یہاں رک کر تائب کرنے والوں کا خیال رکھو — اور  
اگر ہو سکے تو ان کو ڈاج دے کہ مجھ تک پہنچو" — عمران نے صفدر کو کھینچ  
ہوئے کہا۔

وہ دونوں گلی کے ایک موڑ پر کھڑے یہ باتیں کر رہے تھے۔ پھر تیز تیز  
قدموں کی آوازیں ان کے کانوں میں پڑنے لگیں۔  
"اچھا میں چلتا ہوں" — عمران نے کہا اور پھر وہ تقریباً بھاگتا ہوا

گلی کے دوسرے موڑ پر غائب ہو گیا۔  
صفدر چھراڑ میں چھپ گیا۔ یہ ایک کڑی کا برآمدہ تھا۔ یہاں موڑ کی وجہ  
سے کافی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

چند لمحوں بعد دو آدمی تقریباً بھاگتے ہوئے اس موڑ تک آئے۔ ان کی  
تیز نظریں اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔

"ایک منٹ جناب بات سنیں" — صفدر اچانک آڑ میں سے باہر نکلا۔  
اور وہ دونوں آدمی جن کی نظریں آگے لگی ہوئی تھیں۔ اچانک رک گئے۔ اور  
صفدر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کے قریب آیا۔ ان دونوں کے ہاتھ جیبوں  
میں پڑے ہوئے تھے اور خاصے چوکنے تھے۔

"کیا بات ہے" — ان میں سے ایک نے ک سخت آواز میں کہا۔  
"ماچیس ہے آپ کے پاس" — صفدر نے بڑی نرمی سے پوچھا۔  
اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے۔ صفدر جو ان کے قریب پہنچ چکا  
تھا۔ اچانک اچھل کر ان دونوں پر جاگرا۔ وہ دونوں اس سے ٹکرا کر نیچے آگرے  
پھر وہاں اندھیرے میں اچھی خاصی جنگ شروع ہو گئی۔

صفدر نے انہیں ریوالتور نکالنے کی مہلت ہی نہ دی اور اس تیزی اور پھرتی  
سے ان پر وار کرتا چلا گیا کہ وہ اس کے مقابلے میں تقریباً بے دست و پا ہو کر  
رہ گئے اور پھر چند ہی منٹ بعد وہ دونوں بے ہوش پڑے تھے۔

صفدر نے تیزی سے ان دونوں کی جیبوں کی تلاشی لی اور پھر جو کچھ ان  
کی جیبوں سے ملا وہ اپنی جیبوں میں منتقل کر لیا۔ دونوں کے ریوالتور نکال کر  
اپنی جیبوں میں ڈالے اور پھر تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے چل دیا۔ جلد ہی صفدر  
میں روڈ پر پہنچ گیا۔

میں روڈ پر آتے ہی اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اسے دور ایک بس  
ٹاپ پر عمران نظر آگیا۔ جو مسافروں کی بھیڑ میں کھڑا تھا۔ صفدر تیزی سے ادھر  
لے لگا۔

صفدر نے تیزی سے سڑک کراس کی اور پھر جیسے ہی وہ فٹ پاتھ پر چڑھا  
ہانک ایک آدمی زور سے اس کے ساتھ ٹکرایا اور صفدر گرتے گرتے بچا۔ اور  
راجی وہ اس کے حق میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہ آدمی فوراً بول پڑا۔

"صفدر تم" —  
اور صفدر ٹھٹھک گیا۔  
یہ کیپٹن شکیل تھا جو میک اپ میں تھا۔

"شکیل — تم کہاں؟" — صفدر کو کیپٹن شکیل کے اس طرح ملنے سے بے حد خوشی ہوئی۔

میں تمہیں دیکھنے کے لئے ہوٹل لکی ویو جا رہا تھا۔" — کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

"چلو ہم یہاں سے چلیں۔" — ورنہ ہم نظروں میں آجائیں گے۔ سامنے بس سٹاپ پر عمران صاحب بھی موجود ہیں۔" — صفدر نے کیپٹن شکیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اوہ! — چلو" — کیپٹن شکیل نے چونک کر کہا۔ اور پھر وہ دونوں بس سٹاپ کی طرف چل دیئے۔

وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے بس سٹاپ کے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔ عمران بھی بیٹھ میں سے نکلا، کران کے پیچھے چل دیا۔

پھر کیپٹن شکیل نے ایک ٹیکسی روکی اور صفدر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اتنے میں عمران بھی پہنچ چکا تھا۔

"کیپٹن شکیل! — تم یہاں کیسے ٹپک پڑے؟" — عمران نے قریب پہنچتے ہی کہا۔

"آپ ٹیکسی میں بیٹھے عمران صاحب! — اطمینان سے بتلاؤں گا۔" — کیپٹن شکیل نے کہا۔ اور پھر عمران کو ٹیکسی میں بٹھا کر وہ خود بھی ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو پتہ بتلایا اور ٹیکسی تیزی سے آگے چل پڑی۔

عمران کی آنکھیں بیک ممر پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ تعاقب کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ کرنل سریدی کے آدمی اس آسانی سے تو پیچھا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ لیکن اسے اندازہ نہ ہوسکا۔

یا تو سرے سے تعاقب ہی نہیں

ہو رہا تھا۔ یا پھر تعاقب اس ہوشیاری اور احتیاط سے کیا جا رہا تھا کہ ذراں جیسا گناہ آدمی بھی اس کا پتہ نہ چلا سکے۔

جلد ہی ٹیکسی ایک موڑ پر جا کر رک گئی۔ کیپٹن شکیل کی رہنمائی میں وہ دونوں بھی نیچے اتر آئے۔

کیپٹن شکیل نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور پھر عمران اور صفدر کو اپنے پیچھے چلنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"یار! — یہ شکیل تو پڑا پُر اسرار آدمی بنا جا رہا ہے۔" — عمران نے صفدر سے بڑے پُر اسرار لہجے میں سرگوشی کی۔

"کیا مطلب؟" — صفدر چونک پڑا۔

"کس سپیشل کا مطلب بتاؤں؟" — پُر اسرار کا۔ یا — آدمی کا؟ — عمران کی زبان چل پڑی تھی۔

"آپ ٹیکسی میں تو بڑی شرافت سے بیٹھے تھے۔ اب آپ کو کیا ہو گیا ہے؟" — صفدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ دراصل ٹیکسی میں مجھے اس لئے منہ پر علیگڑھ کا تالا لگانا پڑا کہ کہیں ٹیکسی ڈرائیور ہی بلیک فورس کا آدمی نہ ہو؟" — عمران نے وضاحت کر دی۔

اب وہ ایک گلی میں داخل ہو چکے تھے۔

"یہ کیپٹن شکیل ہمیں کہاں لئے جا رہا ہے؟" — صفدر نے عمران سے پوچھا۔

"اپنے سسرال۔" — عمران نے جواب دیا۔ اور صفدر منہ بنا کر رہ گیا۔

"اجی کیپٹن صاحب! — اگر آپ حکم دیں تو ہم نعرے لگانا شروع کر دیں۔" — کیپٹن شکیل زندہ باد — رہنمائے قوم زندہ باد — کیپٹن شکیل

کو دوٹ دو۔ بڑے بڑے نوٹ لو۔۔۔۔۔ عمران نے باقاعدہ نعرے لگانا شروع کر دیئے۔  
 "ارے ارے ارے۔۔۔۔۔ یہ کیا کرنے لگے۔۔۔ کیا چوری کرنے کا ارادہ ہے؟  
 ان نے کیپٹن شکیل کو تالا کھولنے دیکھ کر گھبر جانے کی اداکاری کی۔ صفر

"ارے ارے عمران صاحب!۔۔۔ یہ کیا غضب کر رہے ہیں۔۔۔ ابھی کیپٹن شکیل نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ دروازہ کھول کر اندر  
 لوگ گھروں سے باہر نکل آئیں گے۔" کیپٹن شکیل بوکھلا گیا۔  
 "تو پھر کیا ہوا۔۔۔ میں اور زور سے نعرے لگانا شروع کر دوں گا۔۔۔ عمار مل ہو گیا۔

صفر اور عمران بھی کیپٹن شکیل کے پیچھے چل دیتے۔  
 "آخر ان نعروں کی کوئی وجہ تسمیہ بھی ہو۔۔۔ کیپٹن شکیل نے پوچھا۔  
 "بھئی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تم اب جب سے ملے ہو۔۔۔ رہنمائی کا فرض لا پہنچ گئے۔

اداکر رہے ہو۔۔۔ نہ کچھ بتلاتے ہو۔۔۔ نہ بات کرتے ہو۔۔۔ بس آگے تشریف رکھیے!۔۔۔ اور اب آپ بے فکر ہو کر بات کیجیے۔ اب ہم  
 آگے بھاگے چلے جا رہے ہو۔" عمران نے اصل وجہ سے پردہ اٹھاتے نوظہیں۔ کیپٹن شکیل نے مکرراتے ہوئے کہا۔  
 "یاد!۔۔۔ چاتے مل جائے گی۔" صفر نے پوچھا۔

"بس اتنی سی بات پر آپ مجھے اتنی بڑی سزا دینے لگے تھے۔" کیپٹن  
 شکیل نے سنتے ہوئے کہا۔

"یعنی لیڈر بننا سزا ہے۔" عمران نے آنکھیں نکالیں۔  
 "آپ جیسی قوم کا لیڈر بننا تو واقعی سزا ہے۔" صفر نے کہا۔  
 وہ دونوں ہنس پڑے۔

اور پھر ایک موٹم پڑے ہی سامنے گلی بند ہو گئی۔  
 "ارے بے گلی تو بند ہو گئی۔ اب کیا دیوار چھاند کر چلنا پڑیگا۔" عمران  
 ٹھٹھک کر رک گیا۔

کیپٹن شکیل نے آگے بڑھ کر حیب سے چابی نکالی اور پھر وہ بائیں طرف  
 ایک دروازے پر لگا ہوا تالا کھولنے لگا۔



کافذات دوبارہ بیگ میں رکھ دیئے اور بیگ بند کر دیا۔

اب کیا پروگرام ہے عمران صاحب؟ — صفدر نے پوچھا۔

”سب سے پہلے تو نعمانی کا پتہ کرنا ہے کہ اس کی کیا پوزیشن ہے؟“

دوسرا یہاں سے نکلنے کا یہ بڑا نادر موقع ہے۔ کرنل مندریدی اور کیپٹن حمید

دونوں زخمی ہیں اس لئے بلیک فورس تقریباً مضبوط ہو چکی ہے۔ کافذات

ہمارے پاس ہیں۔ ہم آسانی سے نکل سکتے ہیں۔ عمران نے کہا۔

”یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ کرنل مندریدی

اور کیپٹن حمید واقعی زخمی ہو گئے ہیں؟“ صفدر نے ایک اعتراض کرتے

ہوئے کہا۔

”بات تو تمہاری کافی معقول ہے۔ لیکن اس بات کو اس لئے تسلیم

کرنے پر میں مجبور ہو گیا ہوں کہ اگر وہ دونوں زخمی نہ ہوتے تو پھر وہ یہ بیگ

کیوں چھوڑ دیتے۔ جبکہ میں تسلی کر چکا ہوں کہ بیگ بھی وہی ہے۔ اس

پر لگی ہوئی خراشیں بتا رہی ہیں کہ یہ وہی بیگ ہے۔ اور دوسرا اس

میں نارموالاے کافذات بھی موجود ہیں۔ لیکن ایک الجھن ہے کہ آخر

نعمانی۔ مندریدی۔ اور کیپٹن حمید پر گولیاں چلانے والا کون تھا؟ اور

اس کا مقصد کیا تھا؟“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

”ہاں!۔ یہ بات تو قابل غور ہے۔“ صفدر نے بھی سر ہلا دیا۔

اتنے میں کیپٹن شکیل چائے کی ٹرے ہاتھ میں لئے کمرے میں داخل ہوا۔

”کیپٹن!۔ بتلاؤ تو سہی یہ تم نے کس کے مکان پر قبضہ کر رکھا ہے؟“

صفدر سے رہا نہ گیا۔ وہ بول پڑا۔

”کیپٹن شکیل نے شادی کر لی ہے۔ یہ مکان اس کی بیوی کو جہیز میں

ہے۔“ عمران نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

”ہائیں۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں؟“ صفدر کے ہاتھ سے پیالی

بڑھتے چھوڑتے بچی۔

عمران صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میسرری بیوی ابھی دفتر سے

نے والی ہے۔“ کیپٹن شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور صفدر جو ابھی تک اسے مذاق ہی سمجھ رہا تھا۔ جیت سے آنکھیں پھاڑ

رہ گیا۔

کیپٹن شکیل نے صفدر کو جو اس بری طرح حیران دیکھا تو اس نے مختصر طور

حالات بتلا دیئے۔ یہ حالات عمران پہلے ہی بلیک زبرد کی زبانی سن چکا تھا۔

لئے وہ خاموشی سے بیٹھا چائے پیتا رہا۔

حالات سب کے صفدر نے سکون کی سانس لی۔

عمران صاحب!۔ یہ بیگ آپ کو کہاں سے ملا؟“ کیپٹن شکیل

مزید پر رکھے ہوئے بیگ کو دیکھ کر عمران سے سوال کیا۔ اور عمران

بے پڑا۔

”کیا مطلب؟“ عمران نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اس بیگ کی وجہ سے تو نعمانی زخمی ہوا تھا۔ یہ وہی بیگ ہے یا

اور ہے؟“ کیپٹن شکیل نے پوچھا۔ اور عمران سن بھل کر بیٹھ گیا۔

اس کا مطلب ہے کہ تم کچھ نہ کچھ مزید حالات جانتے ہو؟“ عمران

سوال کیا۔

”ہاں!۔ کچھ نہ کچھ تو جانتا ہی ہوں۔ اور پھر اس نے گزرے

سے تمام حالات سنا دیئے۔



اصل کاغذات اڑانے کی فکر میں ہوں۔۔۔ وہ فوٹر کھینچنے کا سوچے کا بھی نہیں۔  
عمران نے کہا۔

صفدر خاموش ہو گیا۔

"ایک بات اور ہے۔۔۔ اور وہ یہ کہ اب کاغذات کہاں ہوں گے۔۔۔ اور انہیں کس طرح اڑایا جائے۔۔۔؟ کیپٹن شکیل نے کہا۔

"ہاں!۔۔۔ یہ بات قابل غور ہے۔۔۔ ویسے پہلے کرنل فریدی کی کوٹھی چیک کرنی پڑے گی۔۔۔ مجھے امید تو نہیں کہ کرنل فریدی کاغذات کو کھٹی ہی میں رہنے دے۔ مگر پھر بھی کوئی امکان خالی از بحث نہیں ہے۔"۔۔۔ عمران نے جواب دیا۔

اسی لمحے دوسرے کمرے میں پڑے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ کیپٹن شکیل فوراً اٹھ گیا۔ صفدر اور عمران دونوں خاموش بیٹھے کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔

تھوڑی دیر بعد کیپٹن شکیل واپس آیا۔  
"ہمارے مکان کی نگرانی کی جا رہی ہے۔"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے آتے ہی بچپن چھوڑا۔

"کیسے پتہ چلا۔۔۔؟ صفدر نے پوچھا۔  
"روزی کا ٹیلیفون آیا تھا کہ وہ جب دفتر سے گھر آنے لگی تو اسے گلی میں اور ارد گرد وچند مشکوک آدمی ٹہلتے ہوئے ملے۔ اس نے گھر آنے کی بجائے مجھے ٹیلیفون کرنا ہی زیادہ مناسب سمجھا۔"۔۔۔ کیپٹن شکیل نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔

"تو تمہاری نام نہاد بیوی اب جاسوسہ بھی بن گئی ہے۔"۔۔۔ عمران نے

مسکراتے ہوئے کہا اور کیپٹن شکیل اور صفدر مسکرا پڑے۔

عمران نے آگے بڑھ کر بیگ اٹھایا اور پھر اسے بغور دیکھنے لگا۔ اس بیگ کا ایک کا نامہ تو وہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے تالوں میں بیہوش کر دینے والی گیس

کا ذخیرہ موجود ہے۔۔۔ عمران نے کاغذات نکال کر باہر رکھے اور پھر اس کا اچھی طرح پوسٹ مارٹم کرنا شروع کر دیا۔۔۔ اوپر گئے ہوئے کپڑے کو جیسے ہی اس نے چھاٹا اس کے ماتھے کو ایک زور وار جھٹکا لگا اور بیگ اس کے ماتھے سے چھوٹ کر دور جاگرا۔ اور وہ خود بھی کرسی سے گرنا گرتا بچا۔

"کیا ہو گیا۔۔۔؟"۔۔۔ کیپٹن شکیل اور صفدر بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔  
"کچھ نہیں۔"۔۔۔ عمران نے دوبارہ بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔ اور پھر اس

نے ایک دفعہ پھر بیگ کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔  
"ہوں!۔۔۔ اب پتہ چلا کہ کرنل فریدی کو فیروز والے اڈے کا کیسے پتہ ملا تھا۔"۔۔۔ عمران نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"۔۔۔ صفدر اور کیپٹن شکیل دونوں ہولت سے بنے عمران کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"میں اب تک اسی الجھن میں مبتلا تھا کہ کرنل فریدی کو فیروز والے اڈے کا کیسے پتہ چلا۔۔۔؟ لیکن یہ الجھن دُور نہ ہو سکی۔ اب جب شکیل نے یہ اطلاع دی کہ بلیک فورس کے آدمی اس مکان کی نگرانی کر رہے ہیں تو ایک بار پھر سنجیدگی سے سوچنا پڑا کہ انہیں اس مکان کے بارے میں کیسے علم ہوا جبکہ ہمارا اتفاق بھی نہیں ہوا۔"۔۔۔ عمران نے بتایا۔

"ہاں!۔۔۔ یہ بات تو قابل غور ہے۔"۔۔۔ صفدر نے بھی کہا۔  
"لیکن اب میں پتہ چلا چکا ہوں کہ یہ سب کچھ کیا دھڑا اس بیگ کا ہے۔"



عمران نے کہا اور پھر اس نے بیگ اٹھا کر انہیں دکھایا۔

بیگ کے پچھلے قبضوں میں ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر تھا۔ جب بھی یہ بیگ کھلتا ہے یہ ٹرانسمیٹر اشارے نشر کر دیتا ہے اور کرنل فریدی کی ریسیونگ مشین اسے قبول کر لیتی ہوگی اور اس کے ساتھ ہی وہ مشین اس جگہ کی نشاندہی بھی کر دیتی ہوگی۔ اسی لئے جب تک ہم نے یہ بیگ نہیں کھولا تھا کرنل فریدی ہمارا پتہ نہ چلا سکتا۔ مگر جیسے ہی فیروز کے اڈے میں ہم نے بیگ کو کھولا فریدی کو پتہ چل گیا اور وہ اڈے پر پہنچ کر بیگ لے جانے میں کامیاب ہو گیا اب یہاں آکر ہم نے بیگ کھولا تو کرنل فریدی کو اس مکان کا بھی پتہ چل گیا ہے۔ لیکن اب اس کے آدمی صرف نگرانی کر رہے ہیں۔" — عمران نے تفصیل بتائی۔

### الحوالہ

صفدر اور کیپٹن شکیل یہ سب کچھ سن کر دم بخور رہ گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کرنل فریدی کتنا ذہین اور پیش بین ہے۔ اس نے پہلے ہی تمام آنے والے واقعات کا سدباب کر لیا تھا۔ لیکن اس بار چونکہ اس کا مقابلہ عمران جیسے شخص سے تھا اس لئے اس کی ہر خیال بے نقاب ہو جاتی تھی۔

"پھر اب کیا کیا جائے؟" — کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

"کرنا کیا ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں اس بیگ سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ اس کے بعد یہاں سے نکل چلیں گے۔" — عمران نے جواب دیا جب اب اس نے بیگ سے وہ کاغذات نکال کر اپنی جیبوں میں چھٹ لئے اور کیپٹن شکیل سے کہا۔

"کیپٹن شکیل! — یہاں مٹی کا تیل مل جائے گا؟

"مل تو جلتے گا۔ مگر —" کیپٹن شکیل شاید مٹی کے تیل کا

صرف نہیں سمجھ سکا تھا۔

"تم لے آؤ۔ اگر مگر مت کرو۔" — عمران نے سنجیدگی سے کہا اور کیپٹن شکیل اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

چند لمحوں بعد کیپٹن شکیل مٹی کے تیل کی بوتل لے کر اندر داخل ہوا۔

"اس بیگ پر مٹی کا تیل ڈال کر اس کو آگ لگا دو۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" — عمران نے کہا۔

اور دو کمرے کیپٹن شکیل نے بیگ پر پوری بوتل ڈال دی۔ صفدر نے مایوس دکھائی اور بیگ دھڑا دھڑ بھٹکے لگا۔ اور وہ تینوں جلتے ہوئے بیگ کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

جب بیگ جل کر راکھ ہو گیا تو عمران نے بوٹ سے راکھ کریدی تو راکھ میں سے ایک چھوٹی سی مشین کی جلی ہوئی مشین نکلی۔

"یہ دیکھو! — یہ وہ ٹرانسمیٹر ہے" — عمران نے صفدر اور کیپٹن شکیل کو وہ مشین دکھاتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ اب بھی کام کرے گا؟" — صفدر نے پوچھا۔

"نہیں! — اب اس کی دائرہ کار ختم ہو چکی ہے۔ اب یہ بالکل ناکارہ

ہو گیا ہے۔" — عمران نے جواب دیا۔ اور پھر اس نے وہ ٹرانسمیٹر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"اچھا! — اب ہمیں اپنا پروگرام بنالینا چاہیے۔" — میں جلد از جلد وہ

کاغذات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ہم یہاں سے باری باری نکلیں گے۔ پھر

کوشش کریں گے کہ اپنے لغات کرنے والوں کو جھٹک دیں۔ پھر کرنل فریدی کی کوٹھی کی نگرانی کرنی ہے۔ آج رات ہی میں اس کو مٹی کی تلاشی لینا

چاہتا ہوں۔ — عمران نے کہا۔

"ٹھیک ہے — پہلے آپ چلیں" — صفدر نے کہا اور پھر عمران اٹھ کر باہر نکل گیا۔ صفدر نے اسے ان آدمیوں سے حاصل کردہ ریلو اور دے دیا تھا۔

عمران کے جانے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد صفدر بھی مکان سے باہر نکل گیا پھر کب پٹن شیکل نے رزنی کو ٹیلیفون کیا اور پھر وہ بھی مکان کو تالا لگا کر باہر نکل گیا۔



بلیک زیرو گیلری سے باہر نکلا تو گیلری سنسان پڑی تھی۔ وہ تیزی سے گیلری طے کرتا ہوا سیڑھیوں پر آیا اور پھر درے کے لمبے وہ اسٹور روم میں تھا اسٹور روم کے دروازے سے اس نے جھانک کر دیکھا۔ باہر چھوٹے سے مال میں پولیس کے سپاہی ڈیوٹی دے رہے تھے۔

بلیک زیرو چاہتا تھا کہ ان سب کی نظروں میں آئے بغیر نکل جائے۔ لیکن فی الحال اسے یہ بات ناممکن نظر آرہی تھی۔ وہ زیادہ دیر اسٹور روم میں بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا کیونکہ کسی بھی لمبے کوئی آدمی اسٹور روم کی طرف آ سکتا تھا۔ مال میں ڈیوٹی دینے والے دو سپاہی تھے۔ ایک تو دروازے پر کھڑا تھا اور

دوسرا وہیں گھوم رہا تھا۔

اپنا تک بلیک زیرو کو ایک ترکیب سوچی۔ اس نے اسٹور روم میں اندھیرے میں فرش پر ہاتھ مارا تو اسے ایک چھوٹا سا پتھر ہاتھ لگ گیا۔ اس نے پتھر ہاتھ میں لیکر اسٹور روم کا دروازہ تھوڑا سا کھولا۔ پھر لوری قوت سے اوپر روشن دان کی طرف اچھال دیا۔

پتھر ٹھیک نشانے پر لگا اور روشن دان میں لگا ہوا شیشہ ایک زوردار چھنکے سے ٹوٹ گیا۔

دونوں سپاہی اضطرابی طور پر باہر گیلری کی طرف بھاگے۔ انہوں نے لاشعوری طور پر یہی سمجھا کہ کسی نے فائر کر کے شیشہ توڑ دیا ہے۔ روشن دان کے باہر چونکہ گیلری تھی۔ اس لئے وہ فائرنگ کرنے والے کو گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ اور اسی نفسیاتی نکتے سے بلیک زیرو نے پتھر مارا تھا۔

سپاہیوں کے باہر نکلتے ہی بلیک زیرو بجلی کی سی تیزی سے اسٹور روم سے باہر نکلا اور پھر اوپری منزل کی طرف جانے والی سیڑھیوں پر وہ چڑھتا چلا گیا۔ اوپر کی منزل میں کوئی سپاہی نہیں تھا۔ شاید پولیس نے اوپر کی نگرانی کو بے مقصد سمجھا ہو گا۔

بلیک زیرو ایک کمرے کے دروازے پر رک گیا۔ دروازہ کھٹا ہوا تھا اور کمرہ بالکل خالی صاف نظر آرہا تھا۔ بلیک زیرو نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر وہ کمرے میں گھس گیا۔ اس نے اندر سے دروازہ بند کیا۔ اور پھر اس کی کھڑکی کھول کر دیکھنے لگا۔

یہ ہوٹل کی سائیکل دیوار تھی۔ اس سائیکل پر ایک تنگ مگر چھوٹی سی گلی تھی۔ گلی میں اسے کوئی آمد و رفت نظر نہیں آرہی تھی اور گلی کے سرے پر مین روڈ پر

اسے ٹریفک چلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے تیزی سے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ پھر اسے کھڑکی سے قریباً چار فٹ کی دوری پر فلش پائپ نیچے جاتا ہوا نظر آیا۔ لیکن کھڑکی سے فلش پائپ تک پہنچنے کے لئے کوئی سہارا ایسا نہیں تھا جس کے ذریعے وہ فلش پائپ تک پہنچ سکتا۔

ایک عجیب مسئلہ آن پڑا تھا۔ اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اس نے سر کھڑکی سے باہر نکالا اور پھر کھڑکی کے اوپر کے حصے کو کپٹ کر اس نے اپنا پورا جسم باہر نکال لیا۔ اب وہ دونوں ہاتھوں کے سہارے کھڑکی کے باہر لٹکا ہوا تھا۔ فلش پائپ کھڑکی سے تقریباً چار فٹ دور تھا۔ سوائے خطرہ مول لینے کے اس کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ وہ زیادہ دیر تک کھڑکی سے باہر بھی نہیں لٹک سکتا تھا کیونکہ کسی بھی لمحے کوئی شخص گلی میں داخل ہو سکتا تھا۔ اور پھر اس کا کپٹ جانا یقینی بات ہو جاتی۔

پہنچنے پر اس نے خطرہ مول لیتے ہوئے ایک ہاتھ سے اس کھڑکی کا انتہائی بائیں کونا کپٹا اور پھر دوسرا ہاتھ اس نے فلش پائپ کی طرف بڑھا دیا۔ دوسرا ہاتھ بڑھتا ہوا فلش پائپ سے تقریباً پانچ انچ پہلے رک گیا۔

اب بلیک زیرو کا جسم فلش پائپ اور کھڑکی کے درمیان تھا اور اس کا تمام وزن اسی ہاتھ پر تھا جس سے اس نے کھڑکی کو کپٹا ہوا تھا۔ اس نے اپنا دوسرا ہاتھ بڑی مضبوطی سے دیوار کے ساتھ چپٹا لیا تھا۔ لیکن توازن غلط ہو جانے کی وجہ سے وہ برابر کھڑکی کی طرف کھسک رہا تھا۔ اس نے توازن سنبھالنے کی بے حد کوشش کی لیکن بے سود۔ وہ ایک ہاتھ کے بل پر نیچے لٹکتا چلا گیا۔

اب اس کی پوزیشن عجیب و غریب ہو گئی تھی۔ وہ چمکا ڈر کی طرح ایک ہاتھ

کے بل پر کھڑکی کے باہر لٹکا ہوا تھا۔ اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ جسم کا سارا خون چہرہ پر سمٹ آیا تھا۔ پھر وہ بڑی مشکل سے ہاتھ کے بل پر اوپر ہوتا چلا گیا۔ پھر بڑی مشکل سے اس نے اپنے جسم کا زاویہ درست کیا اور دوسرے لمحے اس کی ٹانگیں کھڑکی کے اندر داخل ہو گئیں۔ اور پھر جلد ہی وہ کھڑکی کے اندر داخل ہو چکا تھا۔

اب بلیک زیرو دھیر کرے میں کھڑا تھا۔ اس کی پہلی ترکیب بڑی طرح ناکام رہی تھی اور وہ نیچے گرنے سے بال بال بچا تھا۔

بلیک زیرو نے ایک دفعہ پھر کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ اس راستے کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دوسری دفعہ اس نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر اندازہ کیا اور اسی لمحے اسے اچھی عقل کا ماتم کرنا پڑا۔ کتنی بڑی بیوقوفی اس سے سرزد ہو رہی تھی۔

فلش پائپ سے اس کھڑکی کا فاصلہ چار فٹ تھا مگر دوسرے کمرے کی کھڑکی سے اس پائپ کا فاصلہ صرف دو فٹ تھا۔ وہ خواہ مخواہ اس کھڑکی سے کوشش کر کے اپنی جان خطرے میں ڈال رہا تھا۔ وہ تیزی سے مڑا اور پھر اس نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ گیلری خلاف توقع سنسان پڑی تھی۔ ابھی تک کوئی بھی شخص اوپر نہیں آیا تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا ساتھ والے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

دروازہ بند تھا۔ اس نے ہاتھ سے دھکا دے کر دروازہ کھولنا چاہا۔ مگر دروازہ اندر سے بند تھا۔ یکدم اسے خیال آیا کہ اندر کوئی آدمی نہ ہو۔ اب اگر وہ اگلے کمرے میں جاتا تو فاصلہ مزید بڑھ جاتا۔ اس نے جھک کر کی بول سے آنکھ لگا کر اندر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ اس نے ایک زوردار دھکا لگایا تو دروازہ



ایک بلی سی چرچاٹ سے کھٹا چلا گیا۔ دراصل دروازے کو تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ اور نہ ہی اندر کوئی آدمی تھا۔ بلکہ دروازہ سختی سے بند تھا۔ دروازہ کھٹے ہی بلیک زیرو بجلی کی سی تیزی سے اندر گھسا اور پھر اس نے پلٹ کر دروازہ بند کیا اور پچھلی چپ ٹرہادی تاکہ اچانک کوئی شخص اندر نہ آ سکے پھر وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا۔ گلی میں سے ایک شخص گزر رہا تھا۔ اس نے فوراً سر اندر کر لیا۔

چند لمے اندر رہنے کے بعد اس نے پھر کھڑکی سے سر باہر نکال کر جھانکا وہ آدمی گزرتا تھا اور گلی خالی تھی۔ اس نے ایک لمحہ تک ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیا اور پھر وہ ایک ہاتھ سے کھڑکی کی چوکھٹ پکڑ کر کھڑکی سے باہر آ گیا۔ فلیش پائپ بالکل قریب تھا۔ اس نے دوسرا ہاتھ اور ایک ٹانگ فلیش پائپ کے گروپیڈی اور پھر ایک دم دوسرا ہاتھ بھی چھوڑ کر فلیش پائپ کو پکڑ لیا۔ اسے ایک زوردار جھٹکا لگا اور وہ الٹ کر گرتے گرتے پجا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اور پھر وہ برقی جیسی تیز رفتاری سے نیچے کھسکتا چلا گیا اور پھر چند لمحوں بعد وہ گلی میں کھڑا تھا۔ اس نے ایک دفعہ اپنے ہاتھوں کو سہلایا جو متواتر رگڑ کی وجہ سے سرخ ہو گئے تھے اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سڑک کی طرف بڑھا۔

اس لمحے اسے کرنل فریدی کی لٹکن سڑک سے گزرتی نظر آئی۔ وہ پھرتی سے دیوار کے ساتھ چپٹ گیا۔ کہیں فریدی کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔ لیکن لٹکن تیزی سے آگے نکل گئی تھی۔ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا وہ گلی کے منکڑ پر پہنچ گیا جہاں پر مین روڈ گزر رہی تھی۔ اس نے دیوار کے ساتھ لگ کر سڑک کے ارد گرد دیکھا اور پھر اسے گلی سے

چند فٹ دور لٹکن نظر آگئی۔

کرنل فریدی ہٹل کے مین گیٹ پر کھڑا ایک پولیس انسپکٹر کو وہ تیزی رہا تھا۔ اس کی طرف فریدی کی سائیڈ تھی۔ حمید اسے لٹکن کے اندر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ بلیک والپس دیتا دیکھ کر بلیک زیرو کے دل میں ایک شک نے سراٹھایا اور پھر اس نے فوری طور پر ایک فیصلہ کر لیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ تیزی سے چلتا ہوا لٹکن کے پاس پہنچ گیا۔

اسے خدشہ اس بات کا تھا کہ کار میں بیٹھا ہوا حمید بیک مر میں اسے دیکھ نہ رہا ہو۔ لیکن شائد حمید کرنل فریدی کی طرف متوجہ تھا۔ اس لئے وہ بلیک نہ کرنے دیکھ سکا۔

بلیک زیرو لٹکن کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا گاڑیاں تو آج رہی تھیں لیکن پیدل آدمی کوئی نہ تھا۔ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک پیلا سا تار نکالا اور پھر جھک کر اس نے لٹکن کی ڈگی کے تالے میں وہ تار ڈال دیا۔ اور پھر ایک ہی یار تار گھمانے سے تالے میں بلی سی کھٹک کی آواز آئی۔ تالا کھل چکا تھا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

بلیک زیرو نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بہت دور ایک رکشہ آ رہا تھا۔ سڑک اتفاقاً صاف تھی۔ اس نے برقی جیسی پھرتی سے ڈگی کا ڈھکنا اٹھایا اور پھر سانپ کی طرح ڈگی کے اندر رینگ گیا اور دوسرے لمحے ڈگی دوبارہ برابر ہو چکی تھی۔ بس ایک معمولی سی درز اس نے جان بوجھ کر رکھی تھی کہ کہیں آٹو میٹک تالا بند نہ ہو جائے اور وہ ڈگی کے اندر ہی قید ہو کر نہ رہ جائے۔ دوسرے ڈگی مکمل طور پر بند ہو جانے سے ہوا اندر آنے کا راستہ بھی بند ہو جاتا اور ہو سکتا تھا کہ تازہ ہوا اندر نہ آنے سے دم گھٹ کر مر جاتا۔ ویسے اس نے یہ سب کچھ اس قدر تیزی

ایک ہلکی سی شور پر کیا تھا کہ کار میں بیٹھے ہوئے حمید کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ ڈنگی اور نہ کوئی آدمی اندر داخل ہو چکا ہے۔

بلیک زیرو کو زیادہ غصہ اس رکشے والے کا تھا کہ کہیں اس کی نظر اس پر نہ پڑ گئی ہو۔ لیکن جب رکشہ اسی طرح تیز رفتاری سے قریب سے گزرتا چلا گیا تو اس نے اطمینان کی ایک طویل سانس لی۔

اسی لمحے اسے کار کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ سمجھ گیا کہ فریدی کار میں آ بیٹھا ہے اور پھر اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ جب کار ایک ہلکا سا جھٹکا کھاکر تیزی سے سڑک پر پھسلنے لگی۔

کار چلتی رہی۔ اور بلیک زیرو دم سادھے ڈنگی کے بھاری ڈھکنے کو اپنے ہاتھوں پر سنبھالے خاموش بیٹھا رہا۔

جلدی ہی کار ایک کوچھے کے کپاؤنڈ میں مڑ گئی۔ کار پورچ میں جا کر رک گئی اور پھر دروازہ کھلنے کی آوازیں سن کر وہ سمجھ گیا کہ کرنل مندریدی اور کیپٹن حمید دونوں بار سے نیچے اتر گئے ہیں۔ پھر قدموں کی آوازیں اسے اندر جاتے ہوئے محسوس ہوئیں اور پھر ایک گھمبیر سی خاموشی چھا گئی۔

بلیک زیرو نے ہلکے سے ڈنگی کے ڈھکنے کو اوجھلایا۔ ایک لمحے تک وہ آہٹ لیتا رہا اور پھر ڈھکنے پوری طرح اٹھا کر وہ باہر نکل آیا۔ اور پھر بڑی آہستگی سے اس نے ڈھکنے دوبارہ بند کر دیا۔ اس نے عقاب جیسی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر جھپٹ کر ایک ستون کی آڑ میں ہر گیا۔ سامنے ایک چھوٹی سی گیلری نظر آ رہی تھی۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں تک تو وہ آ گیا ہے۔ اب کہاں جاتے؟ اور کیا کرے۔؟ وہ ایک اضطرابی بلکہ غیر شعوری فعل کے تحت ڈنگی

ہیں چھپ کر یہاں آ گیا تھا۔

اس نے چھپ کر کرنل مندریدی کی گفتگو سننے کا فیصلہ کیا اور وہ تیزی سے اندر گیلری میں جانے لگا۔ اس کے پاس ریوالور بھی نہیں تھا۔ اس لئے اسے غصہ تھا کہ اگر کرنل مندریدی کی نظروں میں آ گیا تو جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔ جلد ہی وہ گیلری کے آخری کونے تک پہنچ گیا۔

گیلری کے آخری کونے پر ایک کمرے کا دروازہ تھا۔ اس نے دروازے کے پٹ سے کان لگائے اور پھر وہ مندریدی کی گفتگو سن کر چونک پڑا۔ فریدی کسی سے باتیں کر رہا تھا کہ وہ اب اڈہ نمبر ۲ میں منتقل ہو رہا ہے اس نے اتنا شکر فری طور پر فیصلہ کیا کہ اسے دوبارہ ڈنگی میں چھپ جانا چاہیے کیونکہ کرنل مندریدی کا یوں ردپوش ہو جانا ان کے لئے خطرناک تھا کیونکہ مندریدی کو یوں بیگ واپس کرتے دیکھ کر ہی وہ سمجھ گیا تھا کہ فریدی نے ضرور کوئی چکر چلایا ہے۔

وہ تیزی سے واپس مڑا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ برآمدے میں تھا۔ ابھی وہ کار کی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ اس کے کانوں میں کسی کے چلنے کی آواز آئی۔ اور وہ ایک ستون سے چھٹ گیا۔ اگر اسے ایک لمحے کی بھی دیر ہو جاتی تو یقیناً وہ ملازم جو چائے کی ٹرے لے کر دوسری طرف سے آ رہا تھا اسے دیکھ لیتا۔ ملازم اپنی ہی دھن میں آگے بڑھتا ہوا گیلری میں چلا گیا۔

ملازم کے کمرے میں داخل ہوتے ہی بلیک زیرو بجلی کی طرح لپکا اور دوسرے ہی لمحے وہ کار کی ڈنگی دوبارہ کھول کر اندر گھس چکا تھا۔ وہ جھڑپ سے آنکھ لگائے گیلری کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کافی دیر بعد کرنل مندریدی اور حمید اسے واپس آتے دکھائی دیے۔ دونوں

میک آپ میں تھے۔ لیکن بلیک زیرو انہیں پہچان چکا تھا۔

کرنل مندریدی نے ماتھے میں ایک بیگ اٹھایا ہوا تھا۔ بالکل ویسا ہی بیگ جیسا کہ اس نے فریدی کو واپس کرتے دیکھا تھا۔ اور جس بیگ میں فارمولے کے کاغذات تھے۔

اب بلیک زیرو کو پختہ یقین ہو گیا تھا کہ کرنل مندریدی نے گہری چال چلی ہے۔ فارمولے کے اصل کاغذات ضرور اس بیگ میں ہیں۔ جنہیں لے کر فریدی روپوش ہو رہا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکریہ ادا کیا کہ ایک اضطراری عمل کے تحت وہ یہاں تک آگیا اور اسے اب جلدی مندریدی کے سنے اڑے کا پتہ چل جئے گا۔

کرنل مندریدی اور کیپٹن حمید کار کے قریب آ کر رک گئے۔

"اچھا جستجو بابا!۔ ہم چلتے ہیں۔ کوئی ہمارے متعلق پوچھے تو کہہ دینا کہ ہم ادھر کو مٹی میں نہیں آتے۔ کسی ہسپتال میں ہیں۔" فریدی نے ملازم کو ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

"خدا نہ کرے سرکار!۔ آپ کہہ لیں ہسپتال جائیں۔" ملازم نے اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

کار کے دروازے کھلے۔ بند ہوئے۔ اور پھر گاہ آہستہ آہستہ ریٹکنے لگی۔

بلیک زیرو نے دل ہی دل میں خدا کا شکریہ ادا کیا کہ کرنل مندریدی ڈوگی کی طرف نہیں آیا۔

کار جلد ہی کو مٹی سے نکل کر سڑک پر بھاگ رہی تھی۔ اور بلیک زیرو دھجری سے آنکھ لگاتے سڑک اور راستے کا اندازہ لگا رہا تھا۔ تاکہ اگر وہ دوبارہ آنا

ہے تو آسانی سے آ سکے۔

پھر اچانک کار کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔ شاید سڑک میں کوئی گڑھا آگیا تھا۔ جھٹکا اتنا اچانک اور زوردار تھا کہ بلیک زیرو سنبھل نہ سکا۔ اس نے زوں ہاتھوں سے ڈوگی کے ڈھکن کو سنبھال رکھا تھا کہ زوردار جھٹکے سے اس ہاتھ پھسل گئے اور ڈھکن مل گیا۔ ایک ہلکی سی کھٹک کی آواز آئی اور ڈوگی کا ڈھکن تالا باہر سے بند ہو گیا۔

اب بلیک زیرو بری طرح پھنس چکا تھا۔ تالا اندر سے کھولنے کا کوئی ذریعہ نظر نہ آ رہا تھا اور کار تیز رفتاری سے بھاگ چلی جا رہی تھی۔ ڈوگی میں گھسپ رہا تھا۔ ایک معمولی سی دیر بھی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

بلیک زیرو عجیب مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ وہ ایک حقیر پرندے کی طرح مٹی کے فولادی پتھرے میں بند ہو کر رہ گیا تھا۔ اب سوائے بے بسی سے پھٹ پھٹانے کے وہ اور کر مٹی کیا سکتا تھا؟



صفدر روزی کے مکان سے باہر نکلا اور پھر بڑی لا پرواہی سے چلتا رہا۔ گلی کی اس طرف سے گلی کی نکتہ پر اسے ایک آدمی دیوار پر کچھ چسپاں لٹا نظر آیا۔ وہ شاید دیوار پر کسی فلم کا پوسٹر چسپاں کر رہا تھا۔ یا پھر کسی سیاسی



جلے کا پوسٹر ہوگا۔

بہر حال صفدر خاموشی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ گلی کی نکتہ پر پہنچ کر سڑک پر پہنچتے ہی اس کا رخ ٹیکسی سٹینڈ کی طرف ہو گیا۔ ویسے وہ کنکھوں سے اپنے ماحول کا متواتر جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھ لیا کہ پوسٹر لگانے والا بھی ایک ہاتھ میں پوسٹروں کا پھیلا لئے اس کے پیچھے چلا آ رہا ہے اور سڑک کے کنارے کھڑا ہوا ایک اور شخص جو اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔ صفدر کے کراس کرنے کے بعد اخبار تیزی سے تہہ کر کے جیب میں ڈالا اور پھر ہلکی ہلکی سیٹی بجاتا ہوا ٹیکسی سٹینڈ کی طرف بڑھ آیا۔

صفدر سمجھ گیا کہ تعاقب شروع ہو چکا ہے۔ وہ ایک خالی ٹیکسی کے قریب جا کر رک گیا۔ اس نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور پھر اس میں بیٹھتے ہی اس نے ڈرائیور کو گیمین روڈ چلنے کے لئے کہا۔ اسی لمحے پوسٹر والا شخص ٹیکسی کے قریب سے ہو کر گزرا۔ صفدر سمجھ گیا کہ گیمین روڈ کا لفظ ضرور اس نے سن لیا ہوگا۔ ٹیکسی سٹارٹ ہوئی — اور پھر تیزی سے بھاگتی ہوئی ٹریفک میں شامل ہو گئی۔

ویسے صفدر یہ اندازہ بھی کر چکا تھا کہ جیسے ہی اس کی ٹیکسی آگے بڑھی تھی۔ اسی لمحے قریب ہی کھڑی ایک نیلے رنگ کی کار بھی سٹارٹ ہو کر آگے ریگنا شروع ہو گئی تھی۔ پھر اس نے بیک مرر میں اخبار والے شخص کو اس کار میں بیٹھتے دیکھا۔

پھر صفدر کی ٹیکسی جب ٹریفک میں شامل ہوئی تو اس نے نیلے رنگ کی کار ایک لمحے کے لئے پوسٹر لگانے والے شخص کے قریب رکتے دیکھی۔ پوسٹر والے نے جب کہ کچھ کہا اور پھر کار تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔

صفدر کی ٹیکسی مختلف سڑکوں سے جوتی ہوئی گیمین روڈ کی طرف بڑھ رہی تھی نیلے رنگ کی کار ٹریفک میں کافی پیچھے رہ گئی تھی۔ ایک تنگ سی بائی روڈ نظر آتے ہی صفدر نے ڈرائیور سے کہا۔

”ڈرائیور! — اس بائی روڈ پر لے چلو۔“

”مگر — ڈرائیور نے شاید کچھ کہنا چاہا۔“

جو میں کہہ رہا ہوں — وہ کرد — صفدر نے ڈرائیور کو ڈانٹ دیا اور ڈرائیور نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکے اور دوسرے لمحے ٹیکسی ٹریفک سے کٹ کر اس تنگ سی بائی روڈ پر گھومتی چلی گئی۔

یہ بائی روڈ دوسری سڑکوں کو متصل کرنے کے لئے بنائی گئی تھی اس لئے صفدر کی ٹیکسی جلد ہی دوسری مین روڈ پر پہنچ گئی۔ صفدر اس دوران دیکھ رہا تھا کہ وہ نیلے رنگ کی کار شاید اسے بائی روڈ پر ملے چیک نہ کر سکے تھے اور وہ سیدھے نکلتے چلے گئے تھے۔ اور ویسے بھی انہیں صفدر کی منزل کے بارے میں پوسٹر والے سے علم ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ مطمئن تھے۔

صفدر کو جب اطمینان ہو گیا کہ تعاقب کرنے والے ڈالاج کھانچے ہیں تو اس نے سڑک پر ہی ٹیکسی رکوا دی۔ ٹیکسی سے نیچے اتر کر ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور پھر خود فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔

ٹیکسی ڈرائیور ایک لمحے تک حیرت سے صفدر کی طرف دیکھنے کے بعد ٹیکسی آگے بڑھا گیا۔ اسے حیرت اس بات پر ہوئی تھی کہ گیمین روڈ کا کہہ کر یہ شخص کہاں اتر گیا ہے۔

صفدر چند قدم چل کر رک گیا۔

پھر ٹیکسی آگے بڑھنے کے بعد صفدر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سڑک کی دوسری طرف

ایک ٹیکسی سٹینڈ کی طرف بڑھنے لگا۔ اور پھر جلد ہی اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔  
 "تائدر وڈ لے چلو" — صفدر نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ اور ڈرائیور نے ٹیکسی  
 کو آگے بڑھا دیا۔

تائدر وڈ کے چوک سے تھوڑے ہی فاصلے پر کرنل فریدی کی کوٹھی تھی۔  
 ٹیکسی جلد ہی تائدر وڈ کے چوک پر پہنچ گئی۔

صفدر نیچے اترا۔ اس نے کرایہ ادا کیا اور پھر اس وقت تک وہیں کھڑا  
 رہا جب تک کہ ٹیکسی آگے بڑھ کر اس کی نظروں سے دور نہیں ہو گئی۔ پھر وہ  
 تیز قدم اٹھاتا ہوا کرنل فریدی کی کوٹھی کی طرف چل دیا۔

جلد ہی وہ کوٹھی کے قریب پہنچ گیا۔ کوٹھی کا پھاٹک بند تھا۔ صفدر تیزی  
 سے کوٹھی کے پھاٹک کے سامنے سے گزرتا چلا گیا۔ پھر وہ کوٹھی کی قریب لگی سے  
 ہوتا ہوا کوٹھی کی پشت کی طرف آیا۔

کوٹھی کی پچھلی دیوار کافی اونچی تھی۔ پہلے تو صفدر کا دل چاہا کہ وہ کوٹھی کی  
 دیوار چھانڈ کر اندر چھپ جائے۔ لیکن پھر اسے عمران کی ہدایت کا  
 خیال آ گیا۔ چنانچہ وہ وہیں ایک گھنے درخت کی آڑ میں رک گیا۔ ویسے وہ مسلسل  
 کوٹھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس میں اس کے خیال کے مطابق وہ خونی فارمولا  
 موجود تھا جسے حاصل کرنے کے لئے اس نے سر دھڑکی بازی لگا دی تھی۔

عمران نے مکان کے دروازے سے باہر نکلا۔ وہ ایک لمحہ تک وہیں ٹرک کر  
 کر دوسرے پیش کا جائزہ لیتا رہا۔ اس بات کی اطلاع تو بہر حال مل چکی تھی کہ کچھ  
 لوگ گلی میں یا سڑک پر ان کا تعاقب کرنے کے لئے موجود ہیں۔ لیکن وہ نہیں  
 چاہتا تھا کہ کرنل فریدی کو اس بات کی اطلاع ملے کہ وہ مکان سے نکل کر  
 تعاقب کرنے والوں کو ڈانچ دے گیا ہے کیونکہ اس طرح کرنل فریدی محتاط  
 بھی ہو سکتا ہے۔

وہ چاہتا تھا کہ کرنل فریدی کو اس کے آدمی آخر تک یہی رپورٹ دیتے  
 رہیں کہ عمران ابھی تک مکان میں موجود ہے۔ لیکن سڑک تک جانے کے لئے گلی  
 میں سے ہو کر گزرنا ضروری تھا۔ اس کے بغیر اور کوئی راستہ نہیں تھا اور عمران  
 اس وقت اسی ادھیڑ میں نکلا ہوا تھا کہ کوئی اور راہ نکالنی چاہیے۔  
 عمران کو اچھی طرح پتہ تھا کہ گلی کا موڑ مڑتے ہی وہ بلیک فزس کی  
 نظروں میں آ جائے گا۔

سامنے والی دیوار خاصی اونچی تھی اور اسے ابھی یہ بھی علم نہیں تھا کہ اس  
 دیوار کی دوسری طرف کیا چیز ہے؟ کوئی مکان ہے؟ دفتر ہے؟ یا

کوئی سڑک۔

بہر حال اور کوئی راستہ نہ پا کر اس نے اسی دیوار کو چپک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دیوار کے قریب آیا اور پھر ایک لمحے تک دیوار کے قریب رک اس نے اپنے جسم کو تولا اور پھر دوسرے لمحے وہ اس طرح اچھلا جیسے اس کے پیروں میں سپرنگ لگے ہوئے ہوں۔

خاصی اونچی چھلانگ مٹی۔ عمران کے ہاتھ دیوار کی منڈیر کے ساتھ چپک گئے اور پھر وہ اپنے بازوؤں کے بل اوپر اٹھتا چلا گیا۔

جب اس کا سر دیوار سے اونچا ہوا تو اسے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ دیوار کی دوسری طرف ایک لمبا چوڑا میدان ہے اور میدان کے پار سڑک۔ مسئلہ حل ہو چکا تھا۔

جلد ہی وہ دیوار کے اوپر چڑھ گیا۔ اور پھر دوسرے لمحے ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور وہ دوسری طرف کود گیا۔ پیچوں کے بل نیچے آتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کسی کو اس پاس نہ پا کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سڑک کی طرف چل پڑا۔

جلد ہی وہ سڑک پر موجود تھا۔ یہ کوئی بائی روڈ تھا۔ کیونکہ اس پر کوئی ٹریفک نہ تھی۔ وہ اندازے کے مطابق سڑک پر ہی بائیں طرف چلتے لگا۔

اور پھر ایک موڑ مڑتے ہی اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ ایک خاصی پُر رونق مارکیٹ مٹی۔

جلد ہی اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔

”قادر روڈ کے چوک پر اتار دینا“ — عمران نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہی ڈرائیور سے کہا اور ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

پہنڈ لمحوں تک گاڑی سڑک پر رہتی چلی گئی اور پھر جلد ہی ٹیکسی قادر روڈ کے چوک پر پہنچ گئی۔

ٹیکسی رکتے ہی عمران باہر نکلا۔ اس نے کرایہ ادا کیا اور پھر وہ کرنل سریدی کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ کوٹھی چونکہ اس کی اچھی طرح دیکھی بھالی تھی۔ اس لئے کوٹھی کے سامنے رخ پر جانے کی بجائے وہ جان بوجھ کر مختلف بول سے ہوتا ہوا کوٹھی کی پشت پر پہنچ گیا۔



کیپٹن شکیل نے روزی کو ٹیلی فون کر کے گھر آنے کا کہا اور خود تیز تیز دم اٹھاتا ہوا مکان سے باہر نکل آیا۔ اس نے مکان کو تالا لگانے کے لئے ہاتھ جایا ہی تھا کہ اسے ایک خیال آیا۔ اور پھر اس نے تالا لگانے کا ارادہ ترک دیا اور صرف دروازہ بند کر کے وہ آگے بڑھ گیا۔

تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہ گلی کر اس کے سڑک پر پہنچ گیا۔ اس نے اس کی پرواہ نہیں کی کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے یا چپک کر رہا ہے۔ چونکہ اس نے سنا یا میک اپ کیا ہوا تھا اس لئے اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ سڑک اگر ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا۔



اس نے خالی ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور پھر اندر بیٹھتے ہی اس نے قائد روڈ کے چوک پر چلنے کا حکم دیا۔  
ڈرائیور نے چپ چاپ گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ اطمینان سے سیٹ سے پشت لگائے بیٹھا رہا۔

ایک ایک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اور وہ چونک پڑا۔ اس نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ گلی کا موڑ مڑنے کے بعد صرف روزی ہی کا مکان تھا اس لئے موڑ مڑ کر جو بھی گلی میں آتا۔ نگرانی کرنے والے سمجھ جاتے کہ وہ اسی مکان سے آیا ہے۔

کیپٹن شکیل صرف ایک آپ پر ہی تکیہ کر کے بڑی بے باکی سے آگیا تھا۔ زبردست حماقت ہوئی تھی۔ وہ بے چین ہو گیا۔ کیونکہ ٹریفک کے اس سیلاب میں وہ کیا اندازہ کر سکتا تھا کہ کونسی کار اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ پھر اس وقت وہ چونکا جب ڈرائیور نے قائد روڈ کے چوک پر گاڑی روک دی۔  
"بیلن روڈ لے چلو" — کیپٹن شکیل نے چونک کر ڈرائیور کو کہا۔  
ڈرائیور ایک لمحہ تک حیرت سے کیپٹن شکیل کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

بیلن روڈ کا کیپٹن شکیل نے نہ صرف اس لئے کہا تھا کہ وہ ایک سنسان سڑک تھی بلکہ وہاں پہنچ کر وہ اپنے تعاقب کا صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔ جلد ہی ٹیکسی بیلن روڈ پر پہنچ گئی۔ سڑک حسب معمول سنسان پڑی تھی کیپٹن شکیل کی نظریں بیک مرمر پر لگی ہوئی تھیں لیکن اسے تعاقب میں کوئی گاڑی نظر نہیں آئی۔ وہ حیران تھا کہ یہ پھر کیا ہوا — کیا واقعی وہ میک آ سے دھوکہ کھا گئے — ؟ اور ان سے بھی کیا یہ حماقت سرزد ہو گئی کہ انہوں

یہ نہ سوچا کہ وہاں اور کوئی مکان نہیں ہے۔  
بہر حال اسے جب اطمینان ہو گیا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تو اس نے دوبارہ ڈرائیور کو حکم دیا۔  
"قائد روڈ کے چوک پر لے چلو۔"

"صاحب! — کیا بات ہے — ؟ آپ کبھی کہیں کا کہتے ہیں کبھی کہیں کا" — ؟ ڈرائیور نے بریک لگا کر ترش ہلچے میں کیپٹن شکیل سے کہا۔ شاید وہ جھنجھلا گیا تھا۔

"تمہیں کرائے سے غرض ہوئی چاہیے ڈرائیور! — اس بات سے نہیں کہ میں کہاں کا کہتا ہوں — اور کہاں جانا ہے" — کیپٹن شکیل نے اسے انتہائی سخت ہلچے میں ڈانٹ دیا اور پھر ڈرائیور نے کوئی جواب نہ دیا اور گاڑی دوبارہ اس نے قائد روڈ کی طرف موڑ دی۔

قائد روڈ کے چوک پر پہنچ کر کیپٹن شکیل اترا۔ پھر جب اس نے کرائے کے علاوہ اچھی خاصی رقم بطور ٹپ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھی تو ڈرائیور نے شرمندگی سے دانت نکال دیئے۔

ڈرائیور نے کیپٹن شکیل کو مودبانہ انداز میں سلام کیا اور پھر گاڑی آگے بڑھالے گیا۔

کیپٹن شکیل چند منٹ تک وہاں رکا رہا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کرنل فریدی کی کومٹی کی طرف بڑھ گیا۔ کومٹی کے سامنے سے گزر کر وہ بھی صفدر کی طرح کومٹی کی پشت پر چلا گیا۔

اس نے ادھر ادھر بغور دیکھا کہ صفدر اور عمران اس کی نظروں میں آجائیں لیکن وہاں مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید وہ ابھی تک یہاں

نہ پہنچے ہوں۔

پھر اچانک ایک بلی سی سیٹی کی آواز کیپٹن شکیل کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ ہونک پڑا۔ یہ مخصوص کوڑھ تھا جو انہوں نے روزی کے مکان سے چلنے سے پہلے طے کیا تھا۔

کیپٹن شکیل نے بھی جواباً سیٹی بجائی اور پھر درختوں کی اڑ سے عمران اور صفدر باہر نکل آئے۔

”تم دونوں یہیں بیٹھو۔ میں کرنل فریدی کی کوٹھی میں جاتا ہوں۔ اگر فائر کی آواز سنو تو پھر تم بھی کوٹھی میں داخل ہو جانا“ — عمران نے صفدر اور کیپٹن شکیل سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

اور پھر عمران کسی بندر جیسی پھرتی سے دیوار پر چڑھتا چلا گیا۔ جلد ہی وہ دیوار کی دوسری طرف کود گیا۔

صفدر اور کیپٹن شکیل دونوں بڑے بڑے درختوں کی اڑ میں کھڑے ہوئے تھے۔

عمران کو کوٹھی کے اندر گئے ہوئے کافی وقت گزر گیا تھا۔ ابھی تک نہ تو کسی فائر کی آواز آئی تھی اور نہ ہی عمران واپس آیا تھا۔ صفدر اور کیپٹن شکیل دونوں کے دل دھڑک رہے تھے۔ کیونکہ کرنل فریدی کی کوٹھی میں جو کچھ ہو جلتے کم ہے۔ پھر انہیں دیوار پر عمران کا سر نظر آیا۔ اور چنڈ لٹے بعد عمران دیوار پھانڈ کر واپس آ گیا۔

”کیا ہوا عمران صاحب!“ —؟ دونوں اضطرابی لہجے میں بولے۔

”چڑیاں ٹپک گئیں کھیت“ — عمران نے ماتھ جھاڑتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا مطلب“ —؟ دونوں ہی اس کے فقرے کا مطلب نہ سمجھ سکے۔

”مطلب یہ کہ دوستو! — کرنل فریدی اور کیپٹن حمید دونوں ہی کوٹھی سے غائب ہیں — میں نے ساری کوٹھی چھان ماری ہے — کاغذات کا نہیں پتہ نہیں ہے“ — عمران نے بتلایا۔

”کوٹھی بالکل خالی ہے“ —؟ کیپٹن شکیل نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں! — دباں مرغی اور اس کے بچے موجود ہیں“ — عمران نے جواب دیا۔

”بھئی ایک بوڑھا سا ملازم کوٹھی میں موجود ہے جو اپنی کوٹھڑی میں پڑا سو رہا ہے“ — عمران نے ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی۔

”تو اس ملازم سے پتہ چل سکتا ہے کہ کرنل فریدی کہاں گیا ہے“ — صفدر نے رائے پیش کی۔

”وہ ملازم ہے — کرنل فریدی کا پی۔ اے نہیں“ — عمران نے اکتائے لہجے میں کہا۔

صفدر خاموش ہو گیا۔

”چلو چلیں“ — عمران نے ان سے کہا اور پھر انہیں عمران سے یہ پوچھنے کی اجازت نہ دے کر اب کہاں جاتیں —؟ اور کیا پروگرام ہے —؟ بس وہ دونوں عمران کے پیچھے چلتے ہوئے دوبارہ سڑک پر آ پہنچے۔

کرنل سریدی کی کوٹھی جا کر کسی طرح عمران وغیرہ کا پتہ کرے۔ کیونکہ کرنل سریدی نے ضرور انہیں وہیں گرفتار کر رکھا ہوگا۔

یہ فیصلہ کر کے اس نے ٹیکسی روکنے کی کوششیں شروع کر دیں لیکن بار بار روک دینے کے باوجود کوئی بھی ٹیکسی وہاں رکنے کے لئے تیار نہیں ہوتی تھی۔ تیزی سے پاس سے گزرتی چلی جاتیں۔ وہ تنگ آ گیا۔

نجانے کیا بات تھی کہ کوئی ٹیکسی بھی نہیں رک رہی تھی۔ پھر اچانک ایک نئی سی ٹیکسی اس کے ہاتھ کے اشارے پر رک گئی۔ نغانی نے اطمینان کی طویل آنکھیں کھلیں اور پھر دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

نغانی نے کو پندرہ گھنٹے کے بعد ہی ہسپتال سے چھٹی دے دی گئی تھی۔ گو اس کا زخم ٹھیک نہیں ہوا تھا لیکن اسے وہاں سے چھٹی دے دی گئی۔ ویسے اسے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ فائرنگ کیس ہونے کے باوجود نہ ہی پولیس اس سے بیان لینے آئی تھی اور نہ ہی کوئی اور آدمی آیا تھا۔ اور پھر ہسپتال والوں نے بھی اسے زبردستی چھٹی دے دی تھی۔

لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ کرنل سریدی کے حکم پر کیا گیا تھا۔ تاکہ عمران اپنے ساتھی کی وجہ سے مزید نہ رکاوٹ رہے اور جلد از میں چلے جائے۔ لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ کرنل سریدی کے حکم پر کیا گیا تھا۔ تاکہ عمران اپنے ساتھی کی وجہ سے مزید نہ رکاوٹ رہے اور جلد از میں چلے جائے۔ لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ کرنل سریدی کے حکم پر کیا گیا تھا۔ تاکہ عمران اپنے ساتھی کی وجہ سے مزید نہ رکاوٹ رہے اور جلد از میں چلے جائے۔

نغانی ہسپتال کے مین گیٹ سے باہر نکل آیا۔ لیکن اب اسے علم تھا کہ عمران وغیرہ کا کہاں پتہ کرے۔ فیروز کے ٹوٹل جانے کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ کافی دیر تک سڑک پر کھڑا اسی شش و پنج میں مبتلا رہا۔ خون کا سوچ رہا تھا۔

نکل جانے کی وجہ سے وہ اپنے جہم میں بے حد نقابت محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اسے ہر قیمت پر عمران وغیرہ کا پتہ کرنا تھا۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کر لیا کہ اس شخص کو کرنل سریدی تھا۔ اسے



ٹھک سا پڑا لیکن ٹیکسی آگے بڑھ چکی تھی۔

اور پھر وہ ڈرائیور کو ٹیکسی روکنے کے بارے کہنے کیلئے سوچ ہی رہا تھا کہ ٹیکسی ایک جھٹکا کھا کر خود بخود رک گئی۔

”کیا ہوا؟“ —؟ نعمانی نے چونک کر پوچھا۔

”صاحب! — کوئی تار ٹوٹ گیا ہے — میں ابھی ٹھیک کر لیتا ہوں“ —  
ڈرائیور نے کہا اور پھر نیچے اتر گیا۔

جس کوٹھی میں نعمانی کو کرنل فریدی کی موجودگی کا شک ہوا تھا وہ کوٹھی وہاں سے چند گز ہی دور تھی۔

”تم تار ٹھیک کرو — مجھے شک پڑا ہے کہ اس کوٹھی میں میرا ایک دوست ہے — میں اسے دیکھ آؤں“ — نعمانی نے بوڑھے ڈرائیور سے کہا۔

ڈرائیور نے ایک لمحے کے لئے مثبتہ نظروں سے نعمانی کو دیکھا۔ وہ شاید سوچ رہا تھا کہ صاحب کراہ دیتے بغیر جگانا چاہتا ہے۔ لیکن پھر چپ چاپ سر جھکا کر لٹ اٹھا کہ انجن میں گم ہو گیا۔

نعمانی آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس دھڑکی کے پھاٹک کے سامنے سے گزرا۔ وہ آدمی اس وقت بھی برآمدے میں کھڑا تھا جس پر نعمانی کو شک ہوا تھا۔ اور اب اچھی طرح دیکھنے کے بعد نعمانی کا شک یقین میں بدل گیا۔ وہ اس کی قد و قامت اور جسم کی بناوٹ سے اچھی طرح پہچان گیا تھا کہ وہ کرنل فریدی ہے۔

کرنل فریدی اس وقت کسی آدمی سے بات چیت میں مصروف تھا اس لئے اس کی نظر نعمانی پر نہیں پڑی تھیں۔

نعمانی ذرا سا آگے بڑھا اور پھر واپس لوٹ آیا۔ اس نے اچلتی ہوئی نظر کوٹھی کے باہر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر ڈالی۔ ”زیٹو ہاؤس“ کی نیم پلیٹ تھی۔ اور پھر وہ

آگے بڑھ گیا۔

بوڑھا ڈرائیور ٹیکسی کے قریب کھڑا تھا۔

”ٹھیک ہو گئی گاڑی؟“ —؟ نعمانی نے پوچھا۔

”جی ہاں“ — ڈرائیور نے جواب دیا۔

نعمانی دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ گاڑی میں بیٹھے والا فعل قطعی لاشعوری تھا۔ دراصل اس کا ذہن کرنل فریدی میں الجھا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آیا وہ واقعی کرنل فریدی ہے — یا نہیں —؟

اگر کرنل فریدی ہے تو پھر وہ اس کوٹھی میں کیوں موجود ہے —؟ پھر جلد ہی ٹیکسی ٹاندر روڑ کے چوک پر جا کر رک گئی۔ نعمانی نیچے اتر آیا۔

اداکار اور پھر اسی ادھیڑ بن میں کرنل فریدی کی کوٹھی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اچانک نعمانی ٹھٹھک کر رک گیا۔ کرنل فریدی کی کوٹھی کے قریب والی گلی سے عمران — کیپٹن شکیل — اور صفدر کل کہ سڑک پر ہی آگئے۔ وہ تیز تیز

قدم اٹھاتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ پھر عمران اور اس کے ساتھیوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔

”تم یہاں؟“ —؟ عمران نے حیرت سے پوچھا۔

”جی ہاں! — آپ کو کیوں حیرت ہو رہی ہے؟“ — نعمانی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”مگر ہسپتال سے اتنی جلدی کیسے آگئے —؟ کیا فرار ہو کر آئے ہو؟“ عمران نے سنجیدگی سے پوچھا۔ کیونکہ نعمانی کے چہرے پر چھائی ہوئی زردی

نیلارہی تھی کہ اس کی حالت قطعی ٹھیک نہیں ہے۔

”نہ ر نہیں ہوا — بلکہ ہسپتال والوں نے دھکے دیکر نکال دیا ہے۔“  
 نعمانی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔  
 ”اوہ۔“ — عمران کچھ سوچنے لگا۔ کیپٹن شکیل اور صفدر بھی کھڑے مسکرا رہے تھے۔

”آپ لوگ یہاں کیسے؟“ — نعمانی نے پوچھا۔  
 ”کرنل منریڈی سے ملنے آئے تھے مگر وہ گھر پر نہیں ہے — میں چاہتا تھا کہ اسے اپنی شادی میں بطور تاحضی بلا لوں“ — عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔  
 ”پھر اب کیا ہوگا؟“ — نعمانی نے پوچھا۔

”بس ہونا کیا ہے — بغیر تاحضی کے نکاح ہو نہیں سکتا — اس لئے شادی کا پروگرام کنسل“ — عمران نے جواب دیا۔  
 ”اگر میں تاحضی کا پتہ بتلا دوں تو؟“ — نعمانی نے جواب دیا۔ اور عمران کے ساتھ ساتھ کیپٹن شکیل اور صفدر بھی چونک پڑے۔  
 ”کیا کہا۔۔۔؟ تمہیں علم ہے کہ کرنل منریڈی اس وقت کہاں ہے؟“ — عمران نے اشتیاق سے مہر لوہ لہجے میں پوچھا۔  
 ”جی ہاں! — چلتے — میں آپ کو لے چلتا ہوں“ — نعمانی نے جواب دیا۔

”ویری گٹ نعمانی“ — عمران نے کہا۔ اور پھر بولا۔  
 ”نعمانی ب۔۔۔ تم نے میری شادی کا پروگرام پکا کر ادا کیا ہے — خدا تمہیں اجر عظیم اور ثواب داریں عطا کرے“ — عمران نے خوشی سے چہچہاتے ہوئے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اور پھر وہ سب باتیں کرتے ہوئے قائد روڈ کے چوک پر پہنچ گئے۔  
 جلد ہی انہیں خالی ٹیکسی مل گئی۔



بلیک زیرو کو کار کی ڈگی میں بند ہوئے تقریباً بارہ تیرہ گھنٹے ہو گئے تھے جس وقت ڈگی کا آٹومیٹک تالا بند ہوا تھا اس وقت کار چل رہی تھی پھر کار ایک جگہ جا کر رک گئی۔ اسے مدھم سا احساس دروازہ کھلنے کا ہوا اور پھر کار چلی اور مٹھوڑے ہی لمحوں بعد ایک بار پھر رک گئی۔ اس کے بعد اس کے کانوں میں کوئی بھاری دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

بلیک زیرو نے اندازہ لگایا کہ کار گیاراج میں بند کر دی گئی۔ اس بارہ گھنٹے کی نیند نے بلیک زیرو کا دماغ مفلوج کر دیا تھا۔ ”ایکسٹو“ — جس کے نام سے دنیا کے بڑے بڑے مجرم کا نپتے تھے اور جسے اس کے ممبران فوق الفطرت قوتوں کا مالک سمجھتے تھے — جس کی آواز ہی ان پر لرزہ طاری کر دیتی تھی۔ اس وقت بارہ گھنٹے سے اس کار کی ڈگی میں بے بسی سے بند پڑا تھا۔

یہی شکر ہے کہ کہیں نہ کہیں سے قدرے تازہ ہوا ڈگی کے اندر داخل ہو رہی تھی اس لئے بلیک زیرو کو سانس لینے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ البتہ گرمی نے اس کا علیہ بگھاڑ دیا تھا۔ اس قدر شدید گرمی اور عیس تھا کہ بلیک زیرو

اس وقت ماچس ملنے پر اتنی خوشی ہوئی جیسے کسی کو ہفت اقلیم کی دولت ملنے پر بھی نہ ہوتی ہوگی۔

اس نے جیب سے ماچس نکالی اور پھر اس کو کھول کر اس میں تیلیاں دیکھیں۔ ماچس بھری ہوئی تھی۔ لیکن ماچس کا اوپری مصالحے والا حصہ پسینے سے خراب ہو چکا تھا۔ اس نے پٹرول کے گین کے کھٹا ہوا منہ اندازے سے اس جگہ لگا دیا جہاں اس کے خیال میں ڈنگی کا تالا موجود تھا۔ اور پھر وہ گیلن کو اوپر اٹھاتا چلا گیا۔ پٹرول تیزی سے بہتا ہوا اس جگہ پر پھیل گیا۔ پھر اس نے گیلن کا ڈھکنا دوبارہ بند کیا اور پھر ماچس کی تیلی کو جوتے کی ٹوہ پر زور سے رگڑا۔

دوسرے ہی لمحے ایک شعلہ پیدا ہوا اور تیلی جلنے لگی۔ اس تنگ سے تید خانے میں ہلکی سی روشنی پھیل گئی۔

بلیک زیرو نے پہلے تو یہ دیکھا کہ کہیں پٹرول بہہ کر ڈنگی کے فرش پر نہیں پھیل گیا اور آگ فرش پر لگ جائے اور پھر ڈھکنا تو کھلتا رہے مگر وہ خود زندہ جل جائے۔ لیکن پٹرول فرش پر نہیں پھیلا تھا۔ اس نے جلتی ہوئی تیلی کو اس جگہ لگا دیا جہاں پٹرول پھیلا ہوا تھا۔ دوسرے لمحے آگ نیچے تک پھیلی چلی گئی۔ ویسے آگ زیادہ تر اس باریک سی درز میں پھیلی ہوئی تھی جو ڈھکنے اور پمپلی دیوار کے درمیان تھی۔

بلیک زیرو نے ڈھکنے پر دونوں ہاتھ ٹکائے اور اسے اپنی پوری قوت سے اوپر اٹھانے کی کوشش کی۔ آگ جل رہی تھی۔ اب کار پر کتے ہوتے روشن نے آگ پکڑ لی تھی۔ پھر یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ آگ تالے تک پہنچ گئی۔ ادھر آگ نے تالے کے لیور کو گرم کیا۔ ادھر بلیک زیرو زور لگا رہا تھا۔ پھر

کو خدا یاد آگیا تھا۔ بے تحاشہ پسینہ بہنے کی وجہ سے اسے شدید پیاس لگی ہوئی تھی۔ اور کپڑوں سے پسینے کی بو آرہی تھی۔

ان بارہ گھنٹوں میں جس کا اندازہ اسے اپنی ریڈیم ڈائل گھڑی سے ہوا تھا، اس نے تالا کھولنے کی بے شمار کوششیں کی تھیں لیکن سب بے سود۔ اور پھر اس نے تو یہ بھی دعا مانگی تھی کہ کاش کرنل فریدی یا اس کا کوئی آدمی ہی آکر ڈنگی کھول دے۔ پکڑا ہی جائے گا۔ مگر اس بلیک ہول سے تو جان چھوٹ جائے گی۔

لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کرنل فریدی اس کار کو گیارچ میں بند کر کے بھول گیا ہو۔

بلیک زیرو ڈنگی میں چونکھٹا گئیں نہیں پھیلا سکتا تھا اس لئے اس کا تمام جسم پکے ہوئے پھوڑے کی طرح در در کر رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی سوچ میں غلطاں تھا کہ تالا کس طرح کھولا جائے۔ ویسے اس نے ان شدید تکالیف اٹھانے کے باوجود اُمید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ اور یہ سب کچھ عمران کی صحبت اور تربیت کا اثر تھا۔

ابانک اسے ایک خیال آیا اور پھر یہ خیال اس کے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ کہ وہ اگر اس طریقے سے کوشش کرے تو ڈنگی کا ڈھکنا کھل سکتا ہے۔

کئی بار اس کا ہاتھ پٹرول کے ایک گیلن سے ٹکرایا تھا جو شاید ایر جینی کے لئے رکھا گیا تھا۔ اس نے وہ گیلن اٹھا کر اس کا ڈھکنا کھولا اور پھر اپنی جیبوں میں ہاتھ مانے لگا کہ شاید ماچس یا لائٹر کہیں جیب سے نکل آئے۔ کیونکہ ایسی چیزیں وہ عموماً جیب میں رکھتا تھا کہ کسی وقت بھی کام آسکتی تھیں۔ اور پھر کوٹ کی ایک جیب میں اس کا ہاتھ ماچس سے ٹکرایا۔ اسے



چند ہی لمحوں بعد ایک کھٹک سی آواز آئی اور ڈھکن پوری قوت سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔

تازہ ہوا کا ایک زوردار جھونکا بلیک زیر کی ناک سے ٹکرایا اور اس کی رگ رگ میں سرت سرت انبساط کی لہریں دوڑ گئیں۔ وہ اچھل کر باہر آگیا لیکن بارہ تیرہ گھنٹوں کی ٹیڑھی ٹانگیں یکدم سیدھی ہوئیں تو اس کا وزن نہ سنبھال سکیں۔ اور بلیک زیر دفرش پر گر گیا۔ لیکن جلد ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چند لمحوں کی ٹانگوں میں یکدم رہی لیکن پھر درد جاتا رہا۔

اس نے ایک جھرپور آنکھ لائی لی۔ جسم کو سیدھا کیا۔ پھر اس نے مطمئن ہو کر ادھر ادھر نظر در دوائی۔ اس کا اندازہ صحیح تھا۔ وہ اس وقت گیراج میں تھا۔ اچانک اس کی نظر آگ پر پڑی۔ آگ ابھی جل رہی تھی۔ گو اس کی شدت میں کمی آگئی تھی لیکن پھر بھی خاصی آگ تھی۔ اسے خیال آیا کہ پٹرول کی ٹینکی کہیں قریب ہی نہ ہو۔ چنانچہ اس نے آگ بجھانے کے لئے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اس کی نظر ایک کونے میں پڑی ہوئی ریت کے ڈھیر پر جم گئی۔ اس نے تیزی سے ریت اٹھا کر گاڑی پر ڈالنی شروع کر دی۔ اور جلد ہی آگ بجھ گئی۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اب اس نے گیراج سے باہر نکلنے کی ترکیب سوچتی شروع کر دی۔

گیراج کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس نے دروازے کے دونوں تختوں کو ہلایا اور پھر ان کے درمیان پیدا ہونے والی جھری سے آنکھ لگا دی۔ سامنے ایک عظیم الشان کوٹھی نظر آ رہی تھی۔

ویسے بظاہر وہاں کوٹھی میں کوئی آدمی نہیں نظر آ رہا تھا۔ سرسبز لان خوبصورت پورچ اور اس کے بعد برآمدہ اور دلکش اور عظیم الشان عمارت۔

بلیک زیر نے مطمئن ہو کر ہاتھ کو دونوں تختوں سے باہر نکالا اور پھر یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ دروازہ پر تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ صرف زنجیر چڑھی ہوئی تھی۔ اس نے بڑی مشکل اور کوشش سے اپنا ہاتھ زنجیر کے کندھے تک پہنچایا اور پھر دوسرے لمحے زنجیر کھل چکی تھی۔

اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر خود باہر نکل آیا۔ دروازہ ویسے ہی بند کر کے اس نے دوبارہ زنجیر چڑھا دی تاکہ فوری طور پر کسی کو شک نہ پڑ سکے۔ اب وہ دیوار سے ہوتا ہوا آہستہ آہستہ پچھلی طرف بڑھنے لگا۔ پائین باغ کے ایک کونے میں پہنچتے ہی اسے اچانک کچھ خیال آیا۔ اس نے جیب سے اپنا رومال نکال کر منہ پر باندھ لیا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ اچانک وہ جھپٹ کر ایک دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ پائین باغ کی دیوار کے اوپر اسے ایک سر نظر آیا تھا۔ دوسرے لمحے وہ سر دیوار پر دوبارہ نظر آیا اور پھر اندر کی طرف ہاتھوں کے بل ٹپک گیا۔ ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور وہ شخص کوٹھی کے اندر کود چکا تھا۔

خاصا اندھیرا چھا گیا تھا اس لئے بلیک زیر و اندازہ نہ لگا سکا کہ کوونے والا کون ہو سکتا ہے۔ وہ خاموشی سے وہاں چھپا رہا۔ چند لمحے بعد وہ اندر آنے والا شخص انتہائی تیزی سے رینگتا ہوا کوٹھی کی طرف بڑھنے لگا۔

اور پھر بلیک زیر کو دیوار پر ایک دوسرا سر نظر آیا اور ایک اور شخص اندر کود آیا۔ اس کے چند لمحے بعد تیسرا شخص بھی اندر موجود تھا۔

بلیک زیر و چھپا ہوا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ ویسے دوسرے اور تیسرے شخص کو وہ اچھی طرح پہچان چکا تھا۔ پہلا آدمی جب کودا تھا تو وہ چھپ

گیا تھا۔ اس لئے بلیک زیرو اسے بغور نہ دیکھ سکا تھا۔ اس کے ہنٹوں پر بڑی دکانیسی مسکراہٹ ریکنے لگی۔ وہ اب عمران - صفدر اور کیٹین شکیل کو اچھی طرح پہچان چکا تھا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ یہاں کیسے پہنچ گئے؟

لیکن — وہ اپنے باس علی عمران اصلی ایک ٹوکڑ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس لئے اسے کچھ زیادہ حیرت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

وہ تینوں اب عمارت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ بلیک زیرو نے اب آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ اپنی پولیشن کو اچھی طرح جانتا تھا۔ عمران سب سے آگے تھا۔

عمارت کے قریب پہنچ کر عمران نے ایک بند کھڑکی پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ کھڑکی کھل گئی۔ شاید کھڑکی اندر سے بند نہ تھی۔ عمران ایک لمحے تک باہر رک رہا۔ پھر آہستہ سے کھڑکی کے ذریعے اندر چلا گیا۔ اس کے اندر جانے کے تقریباً دو منٹ بعد صفدر اور پھر کیٹین شکیل بھی اندر چلے گئے۔ کھڑکی ویسے ہی کھلی ہوئی تھی۔

بلیک زیرو اب آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور چند لمحوں بعد وہ بھی کھڑکی کے قریب موجود تھا۔ اور پھر دوسری لمحے وہ کھڑکی کے اندر کود گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ اس کا دروازہ مقوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ وہ اس سے گزرتا ہوا آگے بڑھا۔ تو اب اس نے اپنے آپ کو ایک باتمزدوم میں پایا۔ دروازے کی دوسری طرف ہلکی ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس نے آہستہ سے جھانک کر دیکھا۔ یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ عمران - صفدر اور کیٹین شکیل وہاں موجود تھے۔

عمران تیزی سے کمرے کی تلاشی لینے میں مصروف تھا۔ صفدر اور کیٹین شکیل چونکے کھڑے تھے۔ صفدر کے ہاتھ میں ریوالور بھی تھا۔ یہ شاید کرنل فریدی کی خواب گاہ تھی۔

پھر اچانک عمران نے پلنگ کے نیچے ہاتھ ڈال کر جانے کیا کیا کر سامنے والی دیوار ایک طرف کھسک گئی۔ اب وہاں ایک چھوٹا سا سیلف نظر آرہا تھا۔ سیلف کا دروازہ فولادی چادر کا تھا۔ اور بے حد مضبوط تھا۔ اس کی چادر میں ایک چھوٹا سا چابی ڈالنے کا سوراخ نظر آرہا تھا۔

عمران نے جیب سے ایک پتلا سا سٹرا ہوا تار نکالا اور پھر وہ تار اس نے اس سوراخ میں ڈالی۔ اسی لمحے عمران کے جہم کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ پھر اس کا تمام جہم سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا لیکن اس کا ہاتھ ابھی تک اس تار سے چمٹا ہوا تھا۔

اسی لمحے صفدر اور کیٹین شکیل غیب شعوری طور پر جھپٹ کر آگے بڑھے اور انہوں نے عمران کو پکڑ کر گھسیٹنا چاہا اور پھر ان دونوں کا بھی وہی حشر ہوا۔ انہوں نے زبردست بے وقوفی کی تھی۔

بلیک زیرو اب نہیں مٹھ رہا تھا۔ کیونکہ اسے علم تھا کہ وہ تینوں ابھی ختم ہو جائیں گے۔ اس نے دروازہ کھولا اور پھر انتہائی تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے سیلف کے ادھر اُدھر دیکھا۔ اور پھر اسے ایک چھوٹا سا سرج بٹن نظر آگیا۔ اس نے پھرتی سے وہ بٹن دبا دیا۔ ویسے یہ اس کا اندازہ تھا کہ یہی بٹن بجلی کے طاقت دوسرے کو بند کر دے گا۔ ہو سکتا تھا کہ یہ اندازہ غلط بھی ہو جاتا۔ لیکن اندازہ بالکل صحیح رہا۔

بٹن آف ہوتے ہی وہ تینوں ایک دوسرے کے اوپر فرش پر گر پڑے۔ تینوں

کے چہرے زرد ہو گئے تھے۔

عمران تو بیہوش ہونے کے قریب تھا کیونکہ سب سے زیادہ وہ بجلی کا شکار رہا تھا۔

بلیک زیرو نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اسے ایک گلاس نظر آ گیا۔ اس نے گلاس اٹھایا اور پھر تیزی سے ہاتھ روم میں گھس کر اس نے پانی بھرا اور پھر آ کر عمران - صفدر اور کیٹن شکیل تینوں کے حلق میں پانی ٹپکانا شروع کر دیا۔ بلیک زیرو کے اس عمل نے ان تینوں کو سنبھال لیا۔ اور پھر وہ تینوں آہستہ آہستہ کھڑے ہو گئے۔

(تم بیوقوفوں کی طرح عمران سے کیوں چٹکتے تھے) — بلیک زیرو نے مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں صفدر اور کیٹن شکیل کو ڈانٹا اور اسی لمحے انہیں احساس ہوا کہ وہ ایک ٹوکے کے سامنے کھڑے ہیں۔

ایک ٹوکہ آج بھی فرشتہ رحمت بن کر اچانک ہی وہاں پہنچا تھا۔ اگر ایک ٹوکہ آج بروقت نہ پہنچتا تو وہ تینوں ہی ختم ہو جاتے۔ **جان چھوڑ دیتی**

**پاکل** عمران تو اٹھتے ہی دوبارہ سیف کی طرف گھوم گیا تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ وہ کرنل نرسریدی کی خوابگاہ میں ہیں۔ اب اس نے تار کو ہاتھ لگایا تو اسے کچھ نہ ہوا۔ اس نے دو تین بار تار تالے میں گھمائی اور پھر ایک جھٹکا دیا۔ کھٹک کی آواز سے تالا کھل گیا۔ سیف کھل چکا تھا۔ پھر سیف کھلتے ہی سامنے دروازے پر رکھا ہوا بیگ نظر آ گیا۔ عمران نے جلدی سے بیگ نکال کر باہر فرش پر رکھا۔ سیف کے تالے سے تار نکال کر بیگ کے تالے میں ڈالی۔

”عمران! — اس میں بھی کہیں بیہوشی والی گیس نہ نکل آئے۔“ بلیک زیرو

نے ایک ٹوکہ کی آواز میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

”دیکھا جائے گا۔“ بہر حال رسک تو لینا ہی پڑے گا۔“ — عمران نے جواب دیا۔

اور پھر دوسرے لمحے عمران بیگ کے تالے کھول چکا تھا۔ اس نے بیگ کا ڈھنڈنا اٹھایا۔ اندر فارمولے کے کاغذات موجود تھے۔ اس نے انتہائی تیزی سے وہ کاغذات بیگ سے نکالے اور پھر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے جعلی کاغذات نکال کر انہیں بیگ میں رکھ کر بیگ دوبارہ بند کر دیا۔ پھر بیگ اٹھا کر واپس سیف میں رکھ دیا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر بیگ کے ہینڈل اور تاروں کو صاف کیا۔ سیف بند کیا۔

سیف بند ہوتے ہی اس کا آٹو میٹک تالا خود بخود بند ہو گیا۔ ہینڈل پر سے بجلی کے سرکٹ والا بیٹن دوبارہ آن کر دیا عمران نے تیزی سے آگے بڑھ کر ہینڈل کے نیچے لگا ہوا بیٹن دبایا تو دیوار دوبارہ برابر ہو گئی۔ اب کسی کے خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہاں کوئی خفیہ سیف ہے۔

عمران نے یہ سب عمل اتنی تیزی سے کیا تھا کہ چند ہی لمحوں میں وہ اس سے نارغ ہو گیا تھا۔ اس نے اصل کاغذات دوبارہ کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھے۔ اور پھر وہ سب مڑ کر واپس کھڑکی کے راستے کو مٹی سے باہر نکلی آئے۔ پائیس باغ میں رینگتے ہوئے وہ سب پچھلی دیوار کے قریب آئے اور پھر سب سے پہلے ایکنو دیوار پر سے ہوتا ہوا باہر کودا اور پھر اس کے بعد باقی سب بھی باہر نکل آئے۔

یہ ایک چھوٹی سی گلی تھی۔ اتنے میں ایک دیوار کی آڑ میں چھپا ہوا انعمانی بھی ان کی طرف آ گیا۔



"عمران! — اب کیا پروگرام ہے؟ — مرٹک پر پہنچ کر ایکسٹو نے کہا۔

"سر! — ہم سب کیپٹن شکیل والے اوٹے پر پہنچتے ہیں — وہاں سے جلد از جلد اس ملک سے نکلنے کا پروگرام بنائیں گے" — عمران نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے — آپ سب لوگ وہاں پہنچیں — میں سیٹیں بک کروا کر تمہیں فون کر دوں گا" — ایکسٹو نے جواب دیا۔  
 "ٹھیک ہے جناب" — عمران نے جواب دیا۔  
 اور پھر ایکسٹو ان سب سے علیحدہ ہو گیا۔



عمران ان سب کو میدان کی طرف سے لے آیا تھا۔ پھر وہ سب دیوار پھانڈ کر گلی میں داخل ہو گئے۔ اور اب وہ سب روزی کے مکان میں موجود تھے۔

روزی نامی خوبصورت اور ذہین لڑکی تھی۔ اس کی نظریں پر دانہ وار کیپٹن شکیل کا طواف کر رہی تھیں۔ عمران اور باقی سب میز پر ایک لمحے میں جان گئے تھے کہ روزی کیپٹن شکیل پر مڑی ہے۔ لیکن کیپٹن شکیل کے چہرے پر

اکتاہٹ کے آثار محبت کی نسبت زیادہ تھے۔ وہ روزی سے کئی کترار ہا تھا۔ اس وقت وہ سب روزی کے کمرے میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ انہیں ایکسٹو کے ٹیلیفون کا انتظار تھا۔

"میرے خیال میں جب تک ایکسٹو کا ٹیلیفون آئے — میں غسل کر لوں" — اچانک عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے" — سب نے تائید کی کیونکہ وہ سب بھی بے حد تھکن محسوس کر رہے تھے۔

عمران اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے کپڑے اتار کر ایک کھنٹی پر لٹکائے اور پھر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ روم بالکل چھوٹا اور تنگ تھا اور پھر اس میں کپڑے لٹکانے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس لئے عمران کو کپڑے باہر اتار کر لٹکانے پڑے تھے۔

"میں روزی! — کیا آپ گرم گرم چائے پلا سکتی ہیں؟ — ہ صفر نے روزی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور — ضرور — مہلا اس میں تکلف کی کیا بات ہے؟ — روزی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"کیپٹن شکیل! — مجھے بڑے خوش قسمت ہو — جواب نہیں — ہاں دیار غیر میں ہاتھ مارا ہے" — نعمانی نے مسکراتے ہوئے شکیل کو چھیڑا۔  
 "چھوڑ دیار! — مفت میں مصیبت لگے پڑ گئی ہے — ویسے ایک بات روزی کے مکان نے کام بڑا دیا ہے" — کیپٹن شکیل نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"یہ یہاں اکیلی رہتی ہے — ہ اس کے والدین کہاں ہیں؟ — ہ صفر

نئے پوچھا۔

"والدین بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ دوسروں کے گھر میں پائی اور پھر ملازمت کر لی۔ یہ مکان اس نے کرائے پر لے رکھا ہے۔" کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

"یار! ایک بات بتاؤ۔ اب یہ مجھے اپنا پتہ بتلانے پر مجبور کر رہی ہے۔ اور کہتی ہے کہ میں وہاں تمہارے پاس رہوں گی۔ میں تو تنگ آ گیا ہوں۔ کیا کروں۔" کیپٹن شکیل نے پوچھا۔

"کوئی غلط پتہ بتا دو۔ خود ہی وہاں چکراتی رہے گی اور پھر پاپس ہو کر واپس لوٹ آئے گی۔" صفدر نے جواب دیا۔

"ہاں۔ میں جتنی بھی سوچ رہا ہوں۔" کیپٹن شکیل نے کہا۔

"ایک بات کہوں۔ بڑا لطف رہے گا۔ اسے تم عمران کے فیصل کا پتہ بتا دو۔ یہ وہاں پہنچے گی تو عمران اس سے خود نہیٹ لے گا۔" نغانی نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ عمران اسے میرے گئے ڈال دے گا۔" کیپٹن شکیل نے جواب دیا۔

"نہیں۔ اکیسٹو کبھی یہ برداشت نہیں کر سکے گا اس لئے عمران کو اس سے پیچھا چھڑانا ہی پڑے گا۔ پھر ہم جو لیا کہہ دیں گے کہ عمران وہاں باقاعدہ شادی کر کے آیا ہے۔" نغانی نے جواب دیا۔

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ عمران صاحب کو بھی مزہ آجائے گا۔" صفدر نے بھی تائید کر دی۔

"ٹھیک ہے۔ جیسے آپ لوگ کہیں۔" کیپٹن شکیل بھی مسکرا دیا۔

"چلو ایسے ہی سہی۔" روزی کی کچھ اُمید بندھی۔

اسی لمحے روزی ہاتھ میں چائے کی ٹرے لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ

کچھ گھبرائی ہوئی اور پریشان تھی۔

"کیا بات ہے مس روزی! آپ کچھ بے چین سی ہیں۔" صفدر اس کی حالت تاڑ لی۔

"کچھ نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔" روزی نے چونکتے ہوئے

روزی نے سب کو چائے کی پیالی دی اور پھر عمر۔ ان کے جسے کی پیالی

شکیل! ذرا میری بات سنو۔" روزی نے کیپٹن شکیل سے

طلب ہو کر کہا۔ اور کیپٹن شکیل بڑا سامنے بنا کر خاموش ہو گیا۔

روزی اور کیپٹن شکیل دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔ صفدر اور نغانی

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے گئے۔

شکیل! میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ مجھے بھی اپنے ساتھ

جانا۔" روزی نے باہر نکلتے ہی اس کے پیچھے لپکتے

ارے ارے۔ یہ کیا کر رہی ہو۔" کیپٹن شکیل نے گھبرا کر پیر

کے لئے۔ اور پھر روزی کو کندھوں سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ روزی کی

ہون میں آنسو تیر رہے تھے۔

پگلی روتی کیوں ہو۔ میں تمہیں ساتھ تو نہیں لے جا سکتا۔ تم

آجانا۔ میں تمہیں پتہ بتا دیتا ہوں۔" کیپٹن شکیل نے

اس سے کہا۔

چلو ایسے ہی سہی۔" روزی کی کچھ اُمید بندھی۔

زور سے بچنے لگی۔

عمران نے ریسور اٹھایا۔

”عمران سپیکنگ“ — عمران نے کہا۔

”عمران صاحب! — ایک فلائٹ جو ڈائریکٹ ہمارے ملک جا رہی ہے وہ کافی دیر بعد جائے گی اور اس میں اتنی سیٹیں بھی نہیں ہیں کہ ہم سب لوگ جا سکیں۔ ایک اور فلائٹ جو آدھے گھنٹے بعد جا رہی ہے وہ بہت سے ممالک کے چکر لگا کر پاکیشٹیا جائے گا۔ اس میں سیٹیں مل گئی ہیں وہ میں نے بک کر والی ہیں۔ ویسے یہ فلائٹ بارہ گھنٹے بعد پہنچے گی“ — دوسری طرف سے بلیک زیرو نے تفصیل سے بتلایا۔

”ٹھیک ہے جناب! — ہمیں فوراً اس ملک سے نکل جانا چاہیے“ —

عمران نے عمران کے سامنے بڑے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

”ٹھیک ہے! — آپ جلدی ایرپورٹ پہنچیں“ — بلیک زیرو نے کہا اور میرے ساتھ ختم ہو گیا۔

”سیٹیں مل گئی ہیں — اکیٹو نے نہ جانے کیا چکر چلا کر سیٹیں حاصل کر لی

— ویسے یہ فلائٹ ڈائریکٹ ہمارے ملک نہیں جا رہی — دو اور ملکوں کا

چکر کاٹنا پڑے گا — ڈائریکٹ جانے والی فلائٹ اس کے بعد والی تھی مگر اس

سیٹیں خالی نہیں تھیں“ — عمران نے بتلایا۔

”کس وقت جا رہی ہے یہ فلائٹ“ — ہر صفدر نے پوچھا۔

”آدھے گھنٹے بعد جہاز پرواز کر جائے گا — ہمیں فوراً ایرپورٹ پہنچنا

ہی ہے“ — عمران نے کہا اور پھر سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

سب نے روزی سے فردا فردا ملنا ملنا ملایا۔ اس کی امداد و تعاون کا بیحد

کیپٹن شکیل نے بڑی سنجیدگی سے روزی کو عمران کے فلیٹ کا پتہ بتلادیا۔

”تم وہاں مجھ سے شادی کر لینا شکیل — میں ساری عمر تمہاری خدمت کروں گی — تمہیں کبھی ناراض نہیں کروں گی“ — روزی کے سر پر محبت کا بھوت بڑی طرح سوار تھا۔

”بے فکر رہو — تم وہاں آ جانا — پھر اس بارے میں بھی سوچیں گے۔ کیپٹن شکیل نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

”کیا راز دینا نہ ہو رہے ہیں“ — عمران جو ابھی وہاں آیا تھا اچانک بول پڑا۔

روزی شرمناک جھانک گئی۔ اور کیپٹن شکیل بھی جھینپ گیا۔

”برخودار! — تم مجھے بالغ ہوتے نظر آ رہے ہو — کیا خیال ہے“ — عمران نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اندر چلیں عمران صاحب! — چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے“ — کیپٹن شکیل نے مودت سے بدلتے ہوئے کہا۔

”چائے تو ٹھنڈی ہو رہی ہے — مگر تم یہاں آ کر کچھ گرم ہوتے جا رہے ہیں — عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیپٹن شکیل نے جواب نہیں دیا اور وہ جواب دیتا بھی کیا۔ عمران اندر رکھ کر چل دیا۔ کیپٹن شکیل بھی پیچھے ہٹا۔

کمرے میں پہنچتے ہی مسکراتے ہوئے سب لوگوں نے کیپٹن شکیل کی طرف دیکھا۔ عمران کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے رُے میں رکھی ہوئی چائے کی پیالی اٹھایا۔

اور چکیاں لینے شروع کر دیں۔ اچانک پاس پڑے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی زو



شکر یہ ادا کیا اور پھر مکان سے باہر نکل آئے۔

کینٹین ٹیکسٹل نے روزی کو ولاس دیا اور اسے اپنے ملک آنے کی تاکید کر کے جان چھڑائی۔ اور پھر وہ سب مکان سے نکل کر وہی دیوار چاند کر میدان میں پہنچے اور وہاں سے جلد ہی انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ جس نے تھوڑی دیر بعد انہیں ایئر پورٹ پہنچا دیا۔



**فریدی** اور حمید ابھی ابھی ریڈو ہاؤس واپس پہنچے تھے۔ وہ وزیر داخلہ سے مل کر انہیں حالات سے آگاہ کرنے گئے تھے۔

فریدی جیسے ہی ڈرائنگ روم میں پہنچا وہ چونک پڑا۔ کمرے میں ملکی ملکی سی سیٹی بج رہی تھی۔ اس نے تیزی سے الماری کھولی اور جہر اس میں رکھا ہوا ایک چھوٹا سا جکس نمائٹر انیمیٹر نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اور پھر خود بھی صوفے پر بیٹھ گیا۔ حمید سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

فریدی نے ٹرانسمیٹر آن کیا۔

”ہیلو۔۔۔ ہارٹسٹون سپیکنگ اور“ فریدی نے کہا۔

”نمبر ایون سپیکنگ وکس اینڈ سر اور“ دوسری طرف سے نمبر ایون کی آواز سنائی دی۔

”رپورٹ دو“ فریدی نے سخت۔ لہجے میں کہا۔

”سر!۔۔۔ عمران اور اس کے ساتھی ہماری نظروں میں ہیں۔ اس وقت وہ اس مکان سے نکل کر ایئر پورٹ کی طرف جا رہے ہیں جہاں سے تھوڑی دیر بعد ایک فلائٹ جانے والی ہے۔ اور“ نمبر ایون نے جواب دیا۔

”گڈ!۔۔۔ کیا انہیں فلائٹ میں سیٹیں مل گئی ہیں۔ اور“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں جناب!۔۔۔ اس مکان کا ٹیلیفون ہیک کیا گیا تھا۔ وہاں سے پتہ چلا کہ کسی نامعلوم آدمی نے ان کے لئے چار سیٹیں بک کرائی ہیں۔ ویسے یہ فلائٹ ڈائریکٹ ان کے ملک نہیں جا رہی۔ یہ فلائٹ چکر کھا کر وہاں پہنچے گی۔ لیکن وہ چونکہ جلد از جلد اس ملک سے نکل جانا چاہتے ہیں اس لئے وہ اسی فلائٹ سے جانے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ اور“ نمبر ایون نے تفصیل بتلائی۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ انہیں جلد از جلد اس ملک سے نکل جانے دو۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ اور“ فریدی نے طنز یہ لہجے میں جواب دیا۔

اوکے سر۔ اور“ نمبر ایون نے جواب دیا۔

”جب ان کی فلائٹ پرواز کر جائے تو مجھے اطلاع دینا۔ اور اینڈ آف۔“ فریدی نے کہا اور سپر ٹرانسمیٹر کا بٹن آف کر دیا۔

”کیوں حمید!۔۔۔ کیسی رہی۔ عمران نے الین عبرتناک شکست کبھی نہیں کھائی ہوگی“ فریدی نے مسکراتے ہوئے حمید سے کہا۔

”ہو نہ ہو!۔۔۔ مجھے تو لطف نہیں آیا۔ یہ کیا بات ہوئی کہ ذہنی طور پر دوسرے کو شکست دی جائے۔ میں عمران کی ٹانگیں توڑ دیتا تو مجھے اور

زیادہ لطف آتا۔ حمید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

برادر م! — جو لطف ذہنی طور پر کسی کو شکست دینے میں ہے وہ جہانی لڑائی جھڑپائی میں نہیں ہے۔ اور پھر عمران کا اور میسر اصل مقابلہ ذہنی تھا۔ جہانی نہیں۔ جہانی مقابلہ تو چھوٹے درجہ کے جاسوسوں میں ہوتا ہے۔ فریدی نے مکرراتے ہوئے جواب دیا۔

پھر اس سے پہلے کہ حمید کو فی جواب دیتا۔ ٹرانسپیر سے ہلکی ہلکی سیٹی کی آواز ابھرنے لگی۔

فریدی نے ٹرانسپیر کا بٹن آن کر دیا۔

”ہیلو! — پارڈاسٹون سپلنگ — اور“ — فریدی نے کہا۔

”الیون سر — اور“ — دوسری طرف سے نمبر الیون بولا۔

”لیس — اور“ — فریدی نے کہا۔

”سر! — عمران اور اس کے ساتھی جس جہاز میں گئے ہیں وہ چند منٹ پہلے پرواز کر گیا ہے۔ اور“ — نمبر الیون نے کہا۔

”دیری گڈ نمبر الیون! — مجھے اسی بات کا انتظار تھا — اور اینڈ آل“ — فریدی نے جواب دیا اور پھر بٹن آف کر دیا۔

”اب عمران اپنے ملک پہنچ کر وہ جعلی کاغذات اپنی حکومت کے حوالے بڑے فخر سے کرے گا — اور پھر وہاں سے جب جواب ملے گا کہ کاغذات جعلی ہیں تو اس وقت عمران کی حالت قابل دید ہوگی — وہ بھی کیا یاد کرے گا کہ فریدی سے مقابلہ ہوا تھا“ — فریدی نے ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ وہ بے انتہا خوش تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ حمید نے کبھی اسے اتنا خوش نہ دیکھا تھا۔

”چلو حمید! — اب وہ کاغذات وزارت داخلہ کے سپرد کر آئیں“ — فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ابھی کیا جلدی ہے — اطمینان سے دے دیں گے“ — حمید نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔

”منہیں! — یہ کام اہم ہے — فوراً ہونا چاہیے“ — فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور پھر وہ اٹھ کر اندر خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ حمید بھی اس کے پیچھے پیچھے خواب گاہ میں آیا۔

فریدی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک گیا۔ وہ چاروں طرف بڑی حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”حمید! — یہاں کچھ گڑبڑ ہوئی ہے — مجھے اس کا سامنا کرنا ہے کہ کچھ لوگ یہاں موجود رہے ہیں“ — فریدی کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی تھی۔

”یہاں کون آسکتا ہے“ — حمید نے جواب دیا۔

لیکن فریدی تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے پلنگ کے نیچے موجود بٹن دبایا تو سیف ظاہر ہو گیا۔ اس نے بجلی والا بٹن چیک کیا۔ وہ آن تھا۔ اسے کچھ اطمینان ہوا۔ اس نے بٹن آف کیا اور پھر جیب سے پانی نکال کر سیف کا تالا کھولا۔ بیگ بدستور موجود تھا۔

اس نے تیزی سے بیگ نکال کر اس کے تالے کھولے۔ اور پھر جیسے ہی اس نے بیگ کا ڈھکنا کھولا۔ اس پر بجلی گر پڑی۔ حمید جواش تیلی آئینز نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ فریدی کا رنگ بدلتے دیکھ کر چونک پڑا۔

”پوٹ ہو گئی حمید! — عمران جل دے گیا ہے — یہ کاغذات جعلی ہیں۔“

عمران اصلی کاغذات لے گیا ہے۔ فریدی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

کیا مطلب۔ کیا یہ وہ کاغذات ہیں جو آپ نے تیار کئے تھے؟  
حمید بھی ساری سیکم چوپٹ ہوتے دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

ہاں!۔ یہ وہی ہیں۔ فریدی کے بچے میں میٹریٹے جیسی غراہٹ مچتی۔

اس کا مطلب ہے کہ اسے ہماری سیکم کا پتہ چل گیا تھا۔ حمید بھی سخت پریشان ہو گیا۔

ہاں!۔ ہم غلط فہمی میں رہے کہ ہماری سیکم کامیاب رہی۔ لیکن وہ الٹا ہمیں شکست دے گیا ہے۔ فریدی نے سرو بچے میں جواب دیا۔  
اب کیا ہوگا۔ حمید نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

فریدی کے چہرے پر غصے کے اتنے شدید آثار تھے کہ حمید کو اس پر نظر بن ڈالنے کی جرأت نہ ہو رہی تھی۔

میں اسے گولی مار کر وہ کاغذات لے آؤں گا۔ فریدی نے غراتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ غصے سے بل کھاتا ہوا خواب گاہ سے نکلا اور ڈرائیونگ روم میں موجود ٹیلیفون کی طرف بڑھا۔ اس نے رسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ جلد ہی سلسلہ مل گیا۔

ایئر پورٹ انکوائری۔ دوسری طرف سے آپریٹک کی آواز سنائی دی۔

کنزل فریدی۔ فریدی میٹریٹے کی طرح غرایا۔

ایک تو فریدی کا نام۔ اور پھر اس کی غراہٹ۔ آپریٹر غریب بڑی طرح گھبرا گیا۔

ہیں۔ ہیں سر۔ آ۔ آرڈر جناب۔ آپریٹر نے ہچکاتے ہوئے جواب دیا۔

ابھی ابھی جو فلاٹ گئی ہے وہ پاکیشیا بس وقت پہنچے گی۔ فریدی نے پوچھا۔

بارہ گھنٹے بعد پہنچے گی جناب!۔ اسے دوسرے محاکم سے ہو کر جانا پڑے گا۔ آپریٹر نے جواب دیا۔

کوئی ڈائریکٹ فلاٹ بھی جا رہی ہے۔ فریدی نے پوچھا۔

جی ہاں جناب۔ آپریٹر نے جواب دیا۔

ڈائریکٹ فلاٹ کس وقت جا رہی ہے۔ فریدی نے پوچھا۔

وہ تقریباً چار گھنٹے بعد جائے گی۔ آپریٹر نے جواب دیا۔

وہ کتنے گھنٹے بعد پاکیشیا پہنچے گی۔ فریدی نے پوچھا۔

سرا۔ وہ ساڑھے سات گھنٹے میں پاکیشیا پہنچے گی۔ آپریٹر نے جواب دیا۔

ہوں!۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ اس فلاٹ سے پہلے پہنچ جائے گی۔ فریدی نے کہا۔

جی ہاں!۔ وہ آدھا گھنٹہ پہلے پہنچ جائے گی۔ آپریٹر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

اس درمیان میں کوئی اور فلاٹ بھی جا رہی ہے۔ فریدی نے پوچھا۔

جی ہاں!۔ دو گھنٹے بعد ایک اور فلاٹ جا رہی ہے۔ لیکن وہ

ڈائریکٹ نہیں جائے گی۔ وہ اس فلاٹ سے دو گھنٹے بعد پہنچے گی۔ آپریٹر نے جواب دیا۔



’ٹھیک ہے۔‘ مٹینک یو۔ فریدی نے کہا اور پھر ریور رکھ دیا۔  
 ’ہم ڈائریکٹ فلائٹ سے جائیں گے۔‘ اور عمران کا ایرپورٹ پر استقبال  
 کریں گے۔ اور پھر میں اسے اس کے ملک میں گولی مار کر کاغذات لے آؤں گا۔‘  
 فریدی نے کہا اور حمید نے سر ہلا دیا۔

اور پھر فریدی ٹرانسپیرینٹ پر بمبر الیون کو ڈائریکٹ فلائٹ پر دو سیٹیں ریزرو  
 کرانے کا حکم دینے میں مصروف ہو گیا۔ اور حمید، عمران کے متعلق سوچ رہا تھا جو  
 کرنل فریدی کو بھی محل دے گیا تھا۔



جہاز ایرپورٹ پر اپنی مخصوص جگہ پر رک گیا۔ دروازہ کھلا، سیٹیں لگی  
 اور پھر عمران اور اس کے ساتھی آمدت آمدت نیچے اتر آئے۔ بارہ گھنٹے کا  
 طویل سفر تھا کہ دینے والا تھا لیکن مشن کی کامیابی نے انہیں تھکن کا احساس  
 نہیں ہونے دیا۔

ایرپورٹ پر قدم رکھتے ہی عمران نے ایک تہقیر لگایا اور پھر جیب میں رکھے  
 ہوئے کاغذوں کے پلندے کو تھپتھپاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

’کرنل فریدی اپنی بوٹیاں نوچ رہا ہو گا۔ اسے اس سے پہلے اتنی  
 زبردست شکست کا سامنا کبھی نہ کرنا پڑا ہو گا۔‘ یہ کہیں اس کی زندگی کا عرصہ آئندہ

کہیں بن جاتے گا۔

مصفر۔ نعمانی۔ اور کیپٹن شکیل تینوں کے چہرے منہ پر سے گلزار ہو رہے  
 تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کسٹم سے گزرے اور پھر ایرپورٹ کی عمارت سے  
 باہر نکل آئے۔

’آپ سب لوگ اپنے اپنے فلیٹوں کا رخ کریں۔‘ میں بھی ذرا سیلمان کی باکر  
 خبر لوں۔ وہ میرے لئے رشتے کی بات کچی کر رہا تھا۔۔۔ اللہ کرے بات  
 طے ہو چکی ہو۔‘ عمران نے انہیں کہا۔

’آمین ثم آمین۔‘ تینوں نے تہقیر مارتے ہوئے کہا اور پھر وہ سب علیحدہ  
 علیحدہ ہو گئے۔

عمران نے ٹیکسی کھڑی اور پھر اسے اپنے فلیٹ کی طرف جانے کا حکم دیا۔  
 اور ٹیکسی تیزی سے فلیٹ کی طرف دوڑنے لگی۔ لیکن عمران کو اپنے تداقب  
 میں آنے والی ٹیکسی کا پتہ نہیں تھا جس میں کرنل فریدی اور کیپٹن حمید موجود  
 تھے جو عمران سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی ڈائریکٹ فلائٹ کے ذریعہ پہنچ چکے تھے۔

ٹیکسی عمران کے فلیٹ کے سامنے رگ گئی۔ عمران نیچے اتر آیا۔ ادا کیا۔  
 اور پھر اچھلتا کودتا اپنے فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ فلیٹ کا دروازہ بند تھا۔  
 اس نے کال بیل پر انگلی رکھی۔ اندر گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ کال بیل دباتے چلا گیا۔

پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھل گیا۔ سامنے سیلمان کھڑا تھا۔ اس کے چہرے  
 پر غصے اور جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ لیکن عمران کو دیکھتے ہی اس کے تمام  
 آثار غائب ہو گئے۔

’شکر ہے۔‘ آپ آ تو گئے۔‘ قرض داروں نے میری جان کھار کھی تھی۔‘  
 سیلمان نے شکوہ شروع کر دیا۔

"نرا دم تو لے لینے دو — آتے ہی کسی بیوی کی طرح آٹے وال کا شکوہ شروع کر دیا" — عمران نے اندر داخل ہو کر کہا۔

پھر اس سے پہلے کہ سلیمان کوئی جواب دیتا۔ دروازے پر فریدی نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ریو اور تھا۔

"عمران" — فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

اور عمران جس کی دروازے کی طرف پشت تھی۔ اچھل کر سیدھا ہو گیا۔ اسے فریدی کو دہاں دیکھ کر سخت حیرت ہوئی تھی۔

"تم شرافت سے وہ کاغذات میرے حوالے کر دو۔ ورنہ میں گولی مارنے میں بھی دریغ نہیں کروں گا" — فریدی غرایا۔

کر نل فریدی! — آپ کو یاد ہیں وہ الفاظ — جو آپ نے اپنی کوٹھی میں مجھے کہے تھے۔ اب آپ کا کیا خیال ہے؟ — عمران نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

کیپٹن حمید سلیمان کو کور کئے کھڑا تھا۔ اور پھر فریدی نے گولی چلا دی۔ لیکن عمران جس کی نظریں فریدی کے ریو اور پر جمی ہوئی تھیں برقی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور گولی اسے چھو بھی نہ سکی۔

"تم جانتے ہو فریدی! — کہ میں سنگ آرٹ کا ماہر ہوں — پھر خواہ مخواہ گولیاں ضائع کر رہے ہو" — عمران نے رکتے ہی کہا۔

فریدی نے ریو اور جیب میں ڈال لیا۔ اب وہ کسی چیتے کی طرح عمران پر جھپٹنے کے لئے تیار تھا۔

اور پھر وہ کسی لمحے فریدی نے عمران پر چھلانگ لگا دی۔ عمران نے ڈراچ

دینا چاہا مگر وہ فریدی کو ڈاچ نہ دے سکا اور فریدی اسے لیتا ہوا فرش پر جا گرا۔

لیکن گرتے ہی عمران کروٹ بدل گیا۔ پھر وہ فریدی کے پیٹ میں لیٹے ہی لیٹے ایک گھٹنا مارنے میں کامیاب ہو گیا۔ گھٹنا مارنے کا یہ ناز، ہوا کردہ فریدی سے پہلے اٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے فریدی کے منہ پر چھو کر ماری پاجی مگر فریدی نے اس کی ٹانگ گھسیٹ لی اور عمران بھی نیچے جا گرا۔

پھر دونوں اکٹھے ہی اٹھے۔ فریدی نے کھڑی ہتھیلی کا دار کیا مگر عمران نے مقابلے میں کراٹے کا وار کیا۔ پھر دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے عمران فریدی کو گرانے کی کوشش کر رہا تھا اور فریدی، عمران کو گرانے کے لئے زور لگا رہا تھا۔ مگر دونوں ہی اپنی جگہ مضبوطی سے جھے ہوئے تھے۔ دونوں کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔

پھر اچانک ہی فریدی نے اڑنگی ماری اور عمران نیچے کی طرف جھکا۔ اوپر سے فریدی نے اس کی کمر پر دو تھڑ مار دیا۔ مگر فریدی کی کمر میں عمران کے ہاتھ پڑ چکے تھے۔ اور فریدی اس کے اوپر سے ہوتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔

نیچے جھکنے سے عمران کی جیب سے کاغذات کا پلندہ نکل کر فرش پر پڑ بکھر گیا۔ اور یہ لمحہ جہاں عمران کے لئے شدید حیرت کا منقذ ہاں فریدی بھی حیرت سے سس ہو گیا۔

کاغذات کے پلندے کے صرف اوپر اور نیچے والے دو ورق اصلی تھے باقی سب سفید کاغذ تھے۔ کاغذ فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور عمران انہیں یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کاغذ ابھی اچھل کر اس کے منہ پر چھڑ مار دیں گے۔

وہ خود دھوکہ کھا چکا تھا۔ کسی نے بڑی ہوشیاری سے اوپر اور نیچے کے دو کاغذ بنے دیتے تھے۔ اور باقی کاغذات نکال کر سفید کاغذ رکھ دیتے تھے۔ کرنل فریدی اور عمران دونوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر عمران مسکرا دیا۔

”لوجی کرنل صاحب! — آپ اسٹالیں اصلی کاغذات“ — عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب“ — فریدی ابھی تک نہیں سمجھ سکا تھا۔

”مطلب یہ ہے کہ مجھے بھی آؤ بنایا گیا ہے — اور کاغذات کوئی اور پارٹی لے اڑی ہے“ — عمران نے جواب دیا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے“ — فریدی چونک پڑا۔ لیکن سامنے پڑے ہوئے سفید کاغذ اس کا منہ چڑھا رہے تھے۔ دو عظیم جاسوس — دو فرین ترین انسان دھوکہ کھا چکے تھے۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ حمید جو اس سچو لیشن کو دیکھ کر خود گھبرا گیا تھا اور اس نے ریوالور جیب میں ڈال دیا، نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

دروازے پر ٹیلیگراف منیجر ہاتھ میں ٹیلیگرام لئے کھڑا تھا۔ حمید نے اس کے ہاتھ سے ٹیلیگرام لے لیا۔ عمران نے آگے بڑھ کر ٹیلیگرام لیا۔ لیکن اچانک فریدی نے اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

”آپ ہی پہلے پڑھ لیں — میرے سرسرا والوں کا تار ہوگا“ — عمران نے بانگ لگائی۔

”میں فلاسٹ نمبر ۱۱۳ سے کاغذات لے کر آ رہی ہوں“ — روزی۔

عمران بھی تار پڑھ چکا تھا۔

فریدی نے تار وہیں پھینکی — اور پھر حمید کا بازو پکڑ کر برقی رفتاری سے نیچے فلیٹ کی سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

عمران نے ایک بار پھر تار پڑھی اور پھر وہ بھی سب کچھ سمجھ چکا تھا پھر وہ فریدی کے پیچھے تیزی سے اترتا چلا گیا۔



روزی جب چائے بنانے لگی تھی تو اچانک ہی اس کے ذہن میں یہ سیم آئی تھی اور اس نے اس سیم پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے چھپ کر ان لوگوں کی باتیں سننے کے بعد اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ عمران کی جیب میں رکھے ہوئے کاغذات بہت اہم ہیں۔

روزی نے سوچا تھا کہ شکیں اسے دیاں جا کر بھول نہ جائے اور جب میں اس کے پیچھے جاؤں تو وہ مجھے دھتکار دے۔ چنانچہ اس نے اس وقت عمران کی جیب سے وہ کاغذات نکال لئے اور پھر اوپر اور نیچے کے دو کاغذات رہنے دیتے اور درمیان میں اتنے ہی حجم کے سادہ کاغذ رکھ کر دوبارہ عمران کی جیب میں رکھ دیئے۔

اب وہ فلاسٹ میں بیٹھی یہ سب کچھ سوچ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔ اس



کے بیگ میں وہ کاغذات محفوظ تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب ان کاغذات کے زور پر میں شکیل کی مجبور کر دوں گی کہ وہ مجھ سے شادی کر لے اور اُسے شادی کرنی پڑے گی۔

جہاز آسمان کی دستوں کو چیرتا ہوا پاکیشیا کی طرف بڑھ رہا تھا روزی نے عمران والی فلاٹ کے بعد والی دوسری فلاٹ سے ہی سیٹ بک کرالی تھی۔ پاسپورٹ اس کے پاس پہلے ہی تھا اور ویزے کی ان دونوں ملکوں کے درمیان پابندی ہی نہیں تھی۔ اچانک جہاز کو جھٹکے لگنے شروع ہو گئے۔ اور پھر یہ جھٹکے متواتر زوردار لگنے لگے۔

”کیا ہوا۔۔۔؟ جہاز کو کیا ہو رہا ہے“ — سب مسافروں نے سخت پریشانی سے ایئر ہوسٹس سے پوچھا۔  
”ہمارا جہاز زبردست طوفان میں چپس گیا ہے“ — ایئر ہوسٹس نے پریشان لہجے میں کہا۔

اور مسافروں کے چہرے پر موت کی زردی چھا گئی۔ اسی لمحے ایک زوردار کڑا کا ہوا — اور روزی کی آنکھوں کے آگے اندھیرا پھیلتا چلا گیا۔

جہاز پر شاید سبھی گر گئی تھی اور دوسرے ہی لمحے جہاز ایک جھڑکتا ہوا شعلہ بنا زمین پر گر رہا تھا — سب کچھ جل رہا تھا — پورے جہاز کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

ایئر لورڈ پر کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور عمران موجود تھے۔ عمران نے فون کر کے اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لیا تھا۔ وہ سب روزی کا انتظار کر رہے تھے۔

پھر جب لاڈل سپیکر پر یہ اندوہناک اطلاع دی گئی کہ فلاٹ نمبر ۱۱۳ کا جہاز جو جلد ہی پاکیشیا پہنچنے والا تھا۔ طوفان میں چپس کر یہاں سے دوسو میل دور تباہ ہو گیا ہے — خیال ہے کہ اس پر بجلی گری ہے — پورا جہاز جل گیا ہے — اب سوائے راکھ کے اور کچھ نہیں بچا — تو عمران اور فریدی پر بھی بجلی گر پڑی۔

ڈاگ ریز کا غمی فارمولا بھی جہاز کے ساتھ ہی راکھ بن چکا تھا۔ عمران آگے بڑھا اور فریدی سے کہنے لگا۔

”مجھے افسوس ہے فریدی صاحب! — ڈاگ ریز کے فارمولے کے صرف دو کاغذ ہی رہ گئے ہیں — مگر خیال میں صلح کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ایک کاغذ آپ رکھ لیں اور ایک میں رکھ لوں“ — عمران نے کہا اور فریدی نے مسکرا کر عمران کو گلے لگا لیا۔

”عمران!۔۔۔ ویسے یہ ہم دونوں کی زندگی کا یادگار کیس ہے“۔۔۔ فریدی  
نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔  
”جی ہاں!۔۔۔ جس میں نہ آپ جیتے اور نہ میں ہارا“۔۔۔ عمران نے  
ہانک لگائی۔

اور پھر وہ سب ہنستے ہوئے ایئر پورٹ سے باہر آ گئے۔

## ختم شد

عمران سیریز میں ایک دلچسپ اور منفرد انداز کی کہانی

# عمران کا اغوا

مصنف۔۔۔ مظہر کلیم ایم اے

عمران کو اس کے فلیٹ سے اغوا کر لیا گیا۔۔۔ کیوں۔۔۔ کس لئے۔۔۔؟  
عمران جو زندگی میں پہلی بار انتہائی بے بسی کے عالم میں مسلسل ایک  
سہ ماہ سے دوسری تنظیم کے ہاتھوں اغوا ہوتا رہا۔ کیا وہ واقعی بے بس تھا؟  
پاکیشیا سیکرٹ سروس۔۔۔ جو عمران کی تلاش میں مسلسل جگہ جگہ دھکے  
مالتی رہی لیکن عمران کو تلاش نہ کر سکی۔۔۔ کیوں۔۔۔؟  
جوزف۔۔۔ جس نے اپنی پراسرار صلاحیتوں سے آخر کار عمران کو تلاش  
کر لیا۔۔۔ کیسے۔۔۔ انتہائی دلچسپ پجویشن۔۔۔

○ ماوام سوس بلیک شیڈو کی چیف۔ جس نے عمران کو اپنے قبضے میں رکھنے  
کیلئے ہمیشہ کیلئے اسے ٹانگوں سے معذور کر دیا۔ کیا واقعی عمران معذور ہو گیا  
○ وہ لمحہ۔۔۔ جب عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کو یقین ہو گیا کہ اب  
عمران کبھی اپنے قدموں پر نہ کھڑا ہو سکے گا۔ پھر کیا ہوا۔۔۔؟ انتہائی حیرت انگیز  
اور دلچسپ پجویشن۔ کیا عمران اپنی معذوری کا کوئی علاج کر سکا یا ہمیشہ کے لئے  
فیلڈ سے غائب ہو گیا۔۔۔؟

○ عمران کے اغوا کا اصل مقصد کیا تھا اور کیا عمران کو اغوا کرنے والے اپنے  
مقصد میں کامیاب بھی ہو سکے یا۔۔۔؟ انتہائی دلچسپ اور منفرد انداز کی کہانی۔

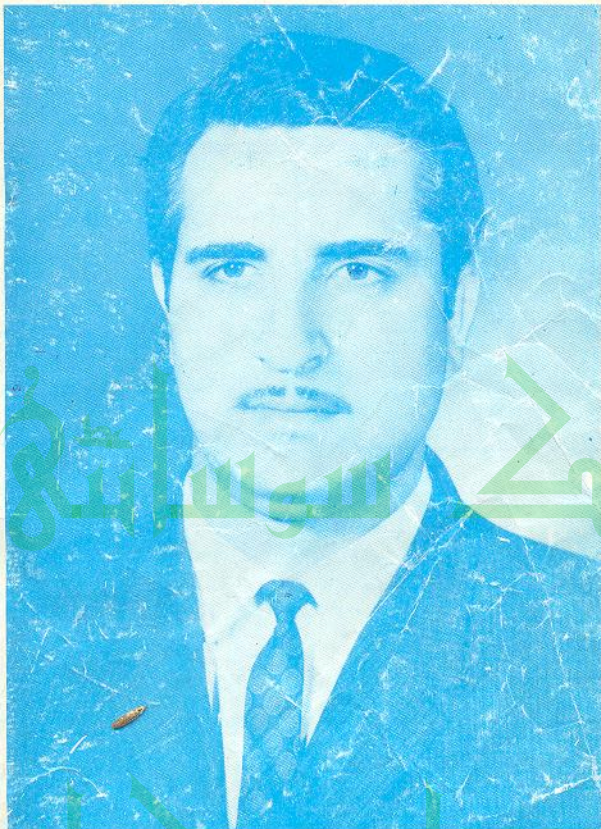
یوسف برادرز۔ پاک گیٹ، ملتان

# شہرہ آفاق مصنف جناب مظہر کلیم ایم اے کی عمرا

کمل	ڈیجیٹل لینڈ	کمل	اناروی مجرم
کمل	کراس کلب	کمل	آپریشن سینڈوچ
کمل	فوباک انٹرنیشنل	کمل	سینڈوچ پلان
کمل	فاسٹ ایکشن	کمل	کایا پلٹ
کمل	کافذی قیامت	کمل	بلیو آئی
کمل	کافذی قیامت	کمل	انکانا
کمل	پرنس آف ڈھمپ	کمل	انکانا
کمل	بلڈ می سنڈکیٹ	کمل	غدار جولیا
کمل	لیڈی ایگلز	کمل	بے جرم مجرم
کمل	موت کا جال	کمل	کاروان دہشت
کمل	اسکیپ گرے	کمل	کاروان دہشت
کمل	پرنس وینچل	کمل	جیالے جاسوس
کمل	ٹوپاز	کمل	جیالے جاسوس
کمل	یقینی موت	کمل	کیمپ ریکرز
کمل	ہائی فائی	کمل	کیمپ بلاسٹ

یوسف براؤن۔ پاک گیٹ ملتان





مظہر علی

یکے از مطبوعات

یوسف پبلشرز، بک سیلرز  
برادرز

پاک گیٹ ○ ملتان